بقلم ابو السعید محمد عبد الرشید

اللہ لا الہ الا ہو علیہ توکلت وہو رب العرش العظیم

الحمد للہ والمنۃ

کہ درین ایام سعادت فرجام کتاب لاجواب ہدایت انتساب مسمی بہ

منہج السالک

ترجمہ

ذخیرۃ الملوک

۱۳۴۲ھ

مصنفہ جناب حضرت امیر کبیر علی ابن شہاب ہمدانی

بفرمائش صاحب الصدق والیقین شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران

کتب لاہور بازار کشمیری

مطبع اسلامیہ سٹیم پریس واقع شہر لاہور مطبوع گردید

محبوب رقم از عادل گڑھ

تذکرۂ حالات امیر کبیر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

چونکہ حضرت امیر کبیر علی ہمدانی رحمۃ اللہ کی کتاب ذخیرۃ الملوک کا ترجمہ مسمّٰی بہ منہج السلوک حضرات شائقین کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا گیا ہی۔ اسلیئے ضروری مناسب معلوم ہوا۔ کہ اُس دُرِ یگانہ اور فاضل زمانہ حاجی حرمین شریفین فاضل جلیل عالم نبیل کے حالات پر بھی روشنی ڈالی جاوے۔ تاکہ حضرات ناظرین کے مزید اعتقاد کا باعث ہو +

آپ کا مولد شریف شہر ہمدان از مضافات ملک ترکستان ہی۔ سُبحان اللہ یہ وہ خطۂ مردم خیز ہے جسکی تعریف میں ملائک آسمان بھی قربان ہیں۔ اور گروہ انسان سیّما اہل اسلام ثناخوان ہیں +

کہتے ہیں کہ آپ کے دوران سعادت نشان میں اُس علاقہ کا بادشاہ تیمور لنگ تھا۔ جو ہوس عالمگیری اور فتح اقالیم میں ہر دم آمادۂ جنگ تھا۔ مگر اُسکے قلب کا قافیہ خداشناسی کے رموزات سی نہایت ہی تنگ تھا۔ سچ پوچھو تو اہل حال میں اسکو اسلام اور اسلامیوں سے ننگ تھا۔ چونکہ وہ لذائذ دنیاوی کا دلدادہ اور دنیوی اسباب کا شیفتہ تھا۔ اسلیئے ایسے جلیل المناقب اور رفیع المناصب کی صحبت کیمیا اثر سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ مگر میرے مولے کے کام نیارے ہیں۔ شان ایزدی اور مشیت سرمدی سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا۔ اور سُنت اللہ یہی طرح جاری ہے۔ کہ پھول کے پاؤں میں کانٹا اور جہاں آرام ہو وہاں تکلیف کا سناٹا ہوتا ہے۔ باوجود کج راہی اور کج خیالی بادشاہ کے حضور انور کے قلب مطہر میں ذرہ بھی پرواہ نہ تھی۔ اور اس احکم الحاکمین کے سوا اور کسی کی پناہ نہ تھی۔ اور اپنے حال کو آنکھوں کے نور کی طرح پلکوں کی آزار آلایش سے مبرّا اور اپنے خیال کو آرائیش ظاہری سے قطعاً منزہ رکھتے تھے۔ قاید رحمت ربانی کا بڑا کام یہ ہے۔ کہ جو لوگ پانی کی سیرابی کے طلبگار نہیں ہوتے۔ اُن کے حلق میں زور سے آب زلال ڈالا جاتا ہے۔ اور جو بھوک کے تکالیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ اُن کو زبردستی سے خوانِ نعمت اور الوانِ رحمت پر بٹھایا جاتا ہے۔ اور کسی وقت کا عمری اختلاف باعث ایتلاف ہو جاتا ہے اور جدائی کے مسودے وصال کی صورت پکڑتے ہیں اُس مولائے کریم کے کارخانے لم یزل اور لایزال میں یہی حکمت ہی۔ جسکو محدود عقل احاطہ میں نہیں لاسکتا۔ صورت ہجر کو وصال بنانا آب تلخ کو زلال بنانا۔ ایک گمراہ کو صاحب جلال بنانا۔ ایک پس ماندہ کا اہل کمال بنانا۔ اُسی کے رحمت کے نمونے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ امیر تیمور ایک رات شہر میں گشت اسخیال سے پر کر رہا تھا۔ کہ دیکھوں تو سہی کہ میری رعایا کا کیا حال ہے؟ رنج میں مبتلا ہی یا خوشحال ہے۔ امیر کا لباس دریدہ اور جریدہ تھا۔ پھرتے پھراتے ایک نہایت حزین آواز اسکے کانوں میں پڑی۔ جسکے آہ و نالہ سے عرش عظیم کا کنگرہ کانپ رہا تھا۔ ایک

گوشہ سے نگاہ کرکے دیکھا۔ کہ ایک بڑھیا رو رہی ہے۔ اور نہایت ہی رنج دیدہ اور غم کشیدہ آواز سے درگاہِ رب العالمین میں عرض کر رہی ہے۔ کہ یا الہ العالمین۔ پادشاہ بیمار ہو۔ وزیر کو موت ہو۔ قاضی کی عمر دراز ہو۔ امیر بات سُنکر چونکا ہوا۔ کہ یہ کیسا ہولناک ماجرا ہے۔ امیر نے نہایت مسکین بنکر دریافت کیا۔ کہ اے غم کشیدہ یہ کیا واقعہ ہے۔ اور اس دعا کی کیا وجہ ہے۔ بڑھیا نے کہا۔ کہ میں بڑھیا غریب بے کس اور نادار ہوں۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے یتیم کئی دنوں کے بھوکے ہیں۔ اسلیئے سخت لاچار ہوں۔ اگر بادشاہ (خدا اسکو خوش رکھے) بیمار ہو جاوے۔ تو ضرور ہے کہ وہ بہت سا تصدق کریگا۔ جس سے امید ہے۔ کہ ہمیں بھی کچھ ملجاویگا۔ اور ہم بھی چند روز آرام سے گذار لیں گے۔ اور وزیر نہایت ہی نیک اعتقاد اور غریب غمخوار اور خیر خواہ ہے۔ اگر وہ اس حال میں مرجاوے۔ تو اسکا خاتمہ اس نیک اعمال پر ہو کر درگاہِ رب العالمین میں مستحسن اور مبارک ہوگا۔ اور قاضی کی عمر درازی کی دعا اسلیئے مانگتی ہوں۔ کہ میں نہیں چاہتی۔ کہ اسکی بداعمالی کا خاتمہ ہو۔ کیونکہ جسقدر وہ بداعمالیاں کریگا۔ اتنا ہی قیامت کے دن اسکے جہنم کا ایندھن زیادہ ہوگا۔ بادشاہ یہ بات سُنکر آبدیدہ ہوا۔ اور نہایت ہی رحم میں آگیا۔ اور کہا کہ اے بڑھیا نے الحا یہ تسبیح میرے پاس ہے۔ نہایت خوشی سے دیتا ہوں۔ صبح کو اسے بیچکر اپنا اور اپنے بال بچوں کا گذ کرلینا۔ اور میں بھی مسافر ہوں۔ غریب ہوں۔ بے زاد ہوں۔ صرف اتنی ہی مدد کرسکتا ہوں۔ جب صبح ہوئی۔ تو بڑھیا اس تسبیح کو ہاتھ میں لیئے اپنے ایک پڑوسی کے ہاں گئی۔ اور وہ پڑوسی اپنی قومیت کو خا سادات میں ملاتا تھا۔ مگر پرلے درجہ کا لالچی اور طامع اور حریص اور بخیل تھا۔ اُسنے تاڑ لیا۔ کہ یہ تسبیح یا اور لعل و مرجان کی ہے۔ مگر یہ بڑھیا اس سے ناواقف اور نابلد ہے۔ بڑھیا کو ازدست دھمکا کر کہا۔ کہ ہیں یہ تسبیح تو میری ہے۔ تو یہاں سے چُرا لے گئی ہے۔ یہ مجھے دیدے۔ ورنہ میں عدالت میں تجھے لیجاتا ہوں یہہ کہکر اس غریب بڑھیا کو مار پیٹ کر گھر سے دھکیل دیا۔ اس بیچارہ نے جان کے خوف سے وہ تسبیح اسکو دیدی۔ دوسری رات امیر تیمور بدستور سابق وہاں سے گذرا۔ سُنا کہ وہ بڑھیا کل کا سبق ہی یاد کر رہی ہے۔ دل میں تعجب کیا۔ کہ میرے اللہ کیا واقعہ ہے۔ اُس بڑھیا سے پوچھا۔ کہ تو سچ بتا تجھے کیا ہوا بڑھیا نے فقیر کی مہربانی اور پڑوسی کے ظلم کی کہانی من وعن بیان کی۔ امیر نے اس بڑھیا کا نام اور سید کا نام اور محلہ کا پتہ اپنی یادداشت میں لکھہ لیا۔ جب صبح کو زیب آرائے تختِ سلطنت ہوا۔ تو ان سب کو بلایا۔ بڑھیا کو تو انعام دیا۔ اور اس سید کو قتل کرادیا۔ اور ساتھہ ہی حکم دے دیا کہ اس علاقے میں جتنے لوگ سید کہلاتے ہیں۔ قتل کیئے جاویں۔ چنانچہ قتل عام ہوا۔ چونکہ حضرت امیر کبیر ہمدانی صاحب بھی خاندانِ سادات سے علوی النسل تھے اور آپ کے اکثر مرید بھی۔ اُن کی باری آگئی۔ مگر کسی کو یارا نہ تھا۔ کہ آپ کے

بارہ میں اس حکم کے اجراء کا نام بھی لے سکے - آخر امیر نے بعد از تامل بسیار یہ تجویز نکالی - کہ امیر کبیر صاحب اور آپ کے مریدوں کی دعوت کی جاوے - اور اس دعوت میں ایک بکری مغصوبہ ذبح کر کے کھلائی جاوے اس طریق سے آپ کی اولیائی اور کاملیت کا پردہ کھل جاوے - اور پھر انکے قتل کرنے کے واسطے کوئی رکاوٹ نہو گی - چنانچہ ایسا ہی کیا - کہتے ہیں جب کھانا تیار ہو گیا اور حضرت امیر کبیر صاحب بمعہ مریدین با اعتقاد تشریف لائے - اور دسترخوان پر کھانا چنا گیا - تو آپنے جملہ مریدوں کو کھانے کا حکم دیا مگر آپنے لقمہ نہ اٹھایا اتنے میں ایک عورت نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی - کہ میری بکری غصب کر کے ذبح کی گئی ہے - اس امر کا تو کوئی مضائقہ نہیں - مگر ہائے میں کیا کروں - کہ یہ بکری مینے میر کبیر علی ہمدانی کی نذر کے واسطے رکھی ہوئی تھی - وہاں جا کر کیا کہوں گی - حضرت امیر صاحب نے اسکو بلا کر فرمایا - کہ پھر وہ بکری مجھے دیدے - اُسنے اس بکری کی تحویل امیر صاحب کو کردی - پھر آپنے کھانا کھا لیا - اور یہ واقعہ دیکھ کر امیر تیمور نہایت ہی نادم ہو کر پائے بوس حضرت فلک درگاہ ہوا اور تا زیست مخلصان ارادتمند اور مریدان سعادتمند کی سلک میں منسلک ہو کر خوش اعتقادی سے عمر بسر کرتا رہا *

کہتے ہیں - کہ ایک دفعہ امیر تیمور نے حضور والا کی خدمت میں عرض کی - کہ احادیث سے پایا جاتا ہے - کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا جاتا ہے - تو آپ کی ذات پاک پر ایک درود پڑھنے والے کو دس دفعہ درود بھیجتے ہیں - یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا - کہاں تک صحیح ہے - آپ نے فرمایا کہ آج ہی شام کے بعد جواب دیا جاویگا - انشاء اللہ تعالےٰ - چنانچہ حضور والا مکان نے بوقت عصر زبان مبارک سے فرمایا - کہ اگر کسی شخص کی یہہ خواہش ہو کہ مجھے اور بادشاہ کو روٹی کھلاوے تو اجازت عام ہے مگر اس میں دو شرطیں ہیں ایک تو جو کچھ گھر میں پک چکا ہو وہی رہے - دوم بعد از فراغت نماز شام تم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ - انمیں سے جو شخص سب سے اول آویگا اس کے ساتھ چلیں گے - کہتے ہیں کہ چالیس آدمیوں نے دعوت کی التجا پیش کی کہ جو منظور ہوئے - حسب اقرار شام کو سب گھر چلے گئے - چنانچہ ایک بوڑھا اور غریب سب سے پہلے آحاضر ہوا - چنانچہ حضرت امیر صاحب امیر تیمور کو ہمراہ لیکر اسکے گھر تشریف لیگئے - اور ماحضر کھانا تناول فرمایا - اور وہاں بیٹھکر ایک غزل بھی لکھی - بعد از فراغ واپس مسجد میں تشریف فرما ہوئے - عشا کی نماز کے واسطے تمام لوگ مسجد میں جمع ہوئے - ہر ایک اس بات پر ناز کر رہا تھا کہ حضرت صاحب امیر اور امیر نے آج میرے ہاں کھانا کھایا اور وہاں بیٹھکر ایک غزل بھی لکھی ہے جو میرے پاس موجود ہے - حاضرین مسجد کا باہم رد و قدح شروع ہوا - حضرت امیر صاحب نے امیر تیمور کو حکم دیا کہ تم دریافت کرو یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں - امیر تیمور نے دریافت کر کے عرض خدمت کیا (اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو وہ چالیس غزلیں لکھی جاتیں) آپنے فرمایا میاں تیمور یہ عاجز اس محبوب رب العالمین کی درگاہ کا ادنے غلام تو بجائے خود رہا اس دروازے کا کتا ہوں - آپ کی نظر عنایت سے اللہ صاحب نے مجھ

...نت تو غنایت کی ہے۔ کہ آن واحد میں تمکو ساتھہ لیکر چالیس گھر سے کہانا کہا سکتا ہوں۔ تو کیا وہ ذاتِ پاک آنِ واحد میں سب کے درود اور صلوٰۃ کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ آپ کے عصری سوال کا جواب ہے۔ انہ ہو السمیع البصیر ✤

کہتے ہیں کہ آپنے بارہ دفعہ حج ادا کئے۔ جب پہلی دفعہ مناسک حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ میں رسول رب العالمین کے روضہ مطہر کی زیارت سے فائز المرام ہوکر بغداد شریف میں حضرت جناب غوث الثقلین کے مزار صحیح مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ تو دیکھا کہ حضرت غوث پاک مریدوں کی بیعت کیواسطے قبر سے ہاتھہ باہر نکالتے ہیں۔ آپنے عرض کیا۔ کہ یا حضرت آپ اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں اور استغراق کو چھوڑتے ہیں۔ کیا دنیا میں آپ کا قائم مقام اور کوئی نہیں رہا۔ آواز آئی کہ اے امیر آپ کو بھی بیعت کردیا ہے۔ آپ دو طریقوں پر بیعت فرماتے تھے۔ طریقہ قادریہ پر اور طریقہ سہروردیہ میں بھی بعد ازاں وہ ہاتھہ باہر نہیں آیا۔ واللہ ذو الفضل العظیم ✤

کہتے ہیں کہ آپ صرف فیض رسانی کی خاطر خطۂ کشمیر جنت بے نظیر میں تشریف لائے اسلام آباد (سری نگر) کے قریب آپ کا قیام ہوا۔ جہاں آپنے عبادت کی اُس پتھر پر آپ کے پاؤں اور ہاتھوں اور پتالی مبارک کے نشان اب تک موجود ہیں۔ وہاں ایک نشیمن یعنی چبوترہ بنا ہے۔ سبحان اللہ آپ کی تلقین سے کشمیر کے اکثر لوگ داخل اسلام ہوگئے۔ بے تعلقی کا وہ عالم تہا کہ یہاں رہنے کا مکان نہیں بنوایا۔ آپ کا مزار شریف ختلان میں ہے۔ جہاں کوئی آدمی نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ اسکی چاروں طرف پانی ہے۔ یہ عجیب معما ہے جو ابتک کسی سے نہیں کھل سکا (کہ کس نہ کشود و نکشاید بہ حکمت این معمارا) آپ کی قبر قبولیت دعا کیواسطے تریاق مجرب ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کشمیر کی چبوترہ کی تکمیل محمد ہمدانی (جو آپکے فرزند ہیں) کریں گے۔ سو جب محمد ہمدانی صاحب جوان ہوئے۔ تو آپنے اس چبوترہ پر مسجد تعمیر کرائی جو ابتک موجود ہے۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ جب آپ مسجد کے کام سے فارغ ہوئے تو آپنے درہ پیر پنجال کا رخ کیا۔ ان دنوں وہاں ایک سادھو رہتا تہا۔ وہ آپ سے معترض ہوا۔ کہ آپ یہاں سے آگے نہیں جاسکتے جبتک کہ اپنی ولایت کا کرشمہ مجھے نہ دکھالیں۔ آپنے فرمایا کہ میں مسافر۔ غریب آدمی ہوں۔ آپ صاحب مکان ہیں آپ ہی دکھادیویں۔ اُسنے بتوں کی طرف نظر کی وہ تمام بت ناچنے لگے۔ امیر صاحب نے اپنے مریدوں کی طرف نظر اُٹھائی سب نے پاؤں سے جوتے اتار دیئے (اللہ کی قدرت دیکھو) وہ جوتے اُڑ کر بتوں کے سر پر ادہر ادہر پڑنے لگے۔ یہانتک کہ انکو مار مار کر نیچے گرادیا۔ سبحان اللہ اسوقت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا غلغلہ آسمان تک پہونچا۔ اور سب دل سینوں میں محبتِ اسلامی سے ہل گئے ہزاروں لوگ مسلمان ہوگئے اور اُس سادہو نے اول المسلمین ہوکر نام محمد صادق رکھوایا۔ جنکا مقبرہ درۂ پیر پنجال میں ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علےٰ خاتم النبیین۔ والسلام علیٰ جمیع المفسرین ✤

راقم الاثم

غلام قادر عفی عنہ ساکن کوٹ بہوانیداس تحصیل و ضلع گوجرانوالہ

حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

بفضل ایزد منان صاحب الکرم والجود والامتنان نسخہ متبرکہ مسمّی بہ

منہج السلوک

ترجمہ

ذخیرۃ الملوک

١٩١٢ء

مصنفہ جناب حضرت امیر کبیر علی ثانی سید علی ہمدانی قدس سرہ العزیز

مترجمہ جناب مولانا مولوی غلام قادر صاحب ساکن [illegible]

بفرمائش صاحب الصدق والیقین شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور کشمیری بازار

در مطبع اسلامیہ سٹیم واقع لاہور مطبوع گردید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شبدیز قلم نے یہ چاہا تھا۔ کہ قرطاسی میدان میں جولانی کرتے ہوئے کتاب ذخیرۃ الملوک مصنفہ حضرت امیر کبیر علی بن شہاب ہمدانی رحمہا اللہ تعالےٰ کے دیباچہ کے بارہ میں خامہ فرسائی کرے اور اس شاہدِ گلگوں قبائے معنے کے رخسار پر غازہ کا رنگ جمائے۔ مگر غیرتِ الٰہی کی لگام نے اسکو تھام لیا۔ اور کہا ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں

؎ حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

جن تیوں کا رنگ صباغ قدرت نے خمخانہ وحدت سے قدرتی طور پر رنگ دیا ہے۔ ایسے تصنع سے کام لینا سراسر ابلہی اور حماقت ہے۔ اگرچہ خاربندی کو گلزار کی نسبت کا فخر اور مباہات ہے۔ مگر گلزار کو خار سے عار اور چند قسام سے منافات ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ الوہیت کا سلسلہ غیر متناہی اور غیر محدود اور لاانتہا ہے۔ چونکہ نبوت ظل الوہیت ہے۔ اس لیئے نبوت کا سلسلہ بھی لاانتہا ہے۔ اور ازانجا کہ ولایت کا مقام ظل نبوت ہے۔ لازم آیا کہ ولایت کے اسرار کا سلسلہ بھی حیز امکان سے خارج اور غیر متحیز ہے۔ چونکہ کلام الٰہی کے معانی کا احاطہ بفرمان اصدق الصادقین خاتم النبیین (ان للقرآن ظہر و بطن و فی بطنہ بطن الی سبعۃ ابطن) تنگ ہے۔ لہٰذا واجب اور لازم ہو گیا کہ احادیث نبوی اور ملفوظات اور مکتوبات اولیاء اللہ کے معانی بھی احاطہ تحریر اور بیان سے خارج ہیں اور نحن معاشر الانبیاء علی قدر عقولھم کا فرمان

تاکیدؔ اتائید کرتا ہے۔ جسطرح قرآن مجید کی معانی اور نکات اور بلاغت کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ (چنانچہ ہزارہا تفاسیر اسی منشاء پر لکھے گئے ہیں) اسیطرح اخبار نبوی اور ہدایات اولیاء کا سلسلہ بھی غیر منقطع ہے۔ اس کتاب پاک کی بابت یہہ کہنا۔ کہ اسکا ترجمہ کیا گیا ہے۔ محض بیہودہ گوئی اور بادپیمائی اور یاوہ سرائی ہے۔ کیونکہ امور بالا کے رو سے اس کتاب کا کماینبغی سمجھنا۔ اور مذاق مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ترجمہ کرنا امر محال ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ گویا گنجشک کا باز کے ہمراہ اُڑنا۔ یا ہوا کے ہم پہلو چلنا۔ یا اپنی بخشش کو بادل سے تشبیہ دینا ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ عام فہم کیواسطے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اتنا کہنا بھی اپنے منہہ سے میاں مٹھو بننا ہے۔ کیونکہ اگر ہر ایک انسان منصفانہ طور پر اپنی ذات اور اپنے اعمال اور اپنی لیاقت پر نظر غور سے خیال کرے۔ تو چند وجوہات کی باعث دوسرے بھائیوں سے کم درجہ نکلتا ہے۔ کیونکہ بہت سے اشخاص اس سے زیادہ عالم اور فہیم اور عقیل پائے جاتے ہیں۔ جبکہ مترجم خود عوام الناس سے ہے۔ تو دوسروں کو عامہ خلق کہنا۔ ایک قسم کے عجب اور تکبر پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں ایسے عالیمقام کی کلام فیض التزام کو دوسری لباس میں ظاہر کرنا کیا جاسکتا ہے۔ جو بجز امداد غیبی اور کسی صاحب سلسلہ کی نظر کیمیا اثر کے سوا ممکن نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر باز اپنے سینہ کے ساتھ کنجشک کو ملاکر فراٹے بھرے تو کوئی عجب نہیں۔ کیونکہ وہ فراٹا بھرنا باز کا فعل ہے۔ نہ کنجشک کا۔

الحمد للہ کہ یہہ ترجمہ صرف امداد غیبی اور مذاق سرمدی سے لکھا گیا ہے۔ ورنہ یہ علم کم علم نامعلوم کہاں۔ اور یہہ حوصلہ کہاں۔

یہہ عاجز اُسوقت پر قربان ہوتا رہا۔ کہ جب یہ ترجمہ لکھ رہا تھا۔ تو ایک امداد غیبی دائیں طرف ہمراہ ہوتی تھی جو حضور کے زبان فیض ترجمان سے بیان ہوتا تھا۔ اسیطرح لکھتا رہا۔ ورنہ امیر صاحب کی کتاب کا مترجم ہونا کوئی مترجم کی لیاقت پر نہیں ہے۔ یہ ایک اولیاء اللہ کی امداد غیبی اور وسیلہ لاریبی کا نتیجہ ہے۔ کہ یہ ترجمہ حد اختتام تک پہنچ گیا۔ اب ناظرین

با وقار اور صاحبان عالیمقدار کی جناب میں التماس ہے۔ کہ اگر اس ترجمہ میں بعض یا اکثر مقامات پر مترجم سے خطا ہو گیا ہو تو اخفا نفرماویں۔ بلکہ اصلاح کرکے مترجم کو مشکور فرماویں

ابیات از مترجم

شہ والا نسب عالی حسب آن ظل سلطانی ۔۔۔ ز کلک فیض او ریزد ہزاران راز رحمانی

یمین المسلمین گویم معین المذنبین گویم ۔۔۔ نمیدانم چہ برگویم ز اسرار سخندانی

زہین دست ہمت او قلوب جملۂ عالم ۔۔۔ زبانش طوطے گویا است در افضال جیلانی

معین الملت و خیر البشر در عرصۂ عالم ۔۔۔ چہ گویم سر گفتارے سراپا آب حیوانی

حماہ اللہ عن شر النوائب قبلۂ عالم ۔۔۔ زبان در وصف ہجویری ہمیدارد ثنا خوانی

محبت مے چکد از جام او ہر وقت ہر آنے ۔۔۔ پئے آیات قرآنی و اخبارات سلطانی

دلش را مخزن اسرار گر گویم ہمے زیبد ۔۔۔ زبانش سر بسر گویاست از اسرار ربانی

قصیدۂ دیگر از مترجم مشتمل بر صنعت سخنوری۔ اگر از سر ہر شعر حرفے بگیری اسم معظم حضرت ممدوح مدظلہ العالی حاصل گردد فافہم وتدبر

متاع درد گر خواہی شود مقبول یزدانی ۔۔۔ بیا دش اشک چشمے ریز در درگاہ صمدانی

وصال یوسف مہ رو بدست آید ترا آندم ۔۔۔ ز درد دل چو آہے برکشد یعقوب کنعانی

نوائے عجز و الحاح بمیدان تجرد نہ ۔۔۔ فتوح ملک بنماید ترا روئے بآسانی

وجاہت را لگد کوب تذلل کن دلا ہر دم ۔۔۔ نجات سرمدی یابی ز تلبیسات شیطانی

یلث در عرصهٔ عرفان وسیع النطق تر گردد
شهٔ والانسب عالی حسب ظلّ ست سبحانی
ید او ر اید احمدؐ اگر گویم روا باشد۔
رمین دستِ رحمت پرورش قلب همه عالم
مکانش گرچه در امکان ولیکن از مکان برتر
حدِ توصیف او از حد اوصاف ست بس افزون
مهر وحِ ولایت خوانمش اما همی ترسم
نهین وهم کهیں در سایهٔ لطفش به خوشحالی
دلش در فکر حق شاغل زبان در ذکر او گویا
شراکت را کجا یارا دران ساحت قدم نهد
رعایت نی بدر بارش تلطف ها همه کارش
قدش را سر دگر گویم ز خجلت بی سر و پایم
پر پروانه می سوزد خیالِ قربِ آن شمعی
و خیم القلب کی فهمد ز رموزات آن عالی
رقم بخشید در دلها چنانچه در نگین نقشی
یگانه در جهان بگردید بیدا الصلا عامی

گر از خاکِ وصید او کشی کحلِ سلیمانی
همای اوجِ رحمانی و شهبازیست ایقانی
کلید همت عالیش فتح بابِ عرفانی
جمالش نور صمدانی کمالش رازِ سبحانی
دهانش چشمهٔ حیوان کلامش آبِ حیوانی
سراپایش همه رحمت سراسر نور ربانی
ندارد ناخنه در چشم از امراضِ انسانی
نشسته آنچنانکه بلبلی گلزار رضوانی
لبش اکثر همی جنبد به تعریفات جیلانی
قدم نهاد در جائیکه آن نقاد سلطانی
همه سرمست و سرشاری ز الطافات روحانی
ز دیده اشکها شویم کجا سرویست بستانی
تبسم بر لب هایش بهای قتل پنهانی
بر فعتهای منزل او نیارد تاب جولانی
ز خبارت مصطفوی و از آیات قرآنی
بیانات غزالی راعیان خوشخوان به خوشخوانی

بگفتا باسرِ دل صوفئی بیدل پی توشیح
لباس نو بسر کرده کتاب روح همدانی

سنه ۱۳۳۳ هجری

اگرچه لب بسر در بحر حیرت مانده ام حیران
اگر نوحم معین باشد چه خوف از آب طوفانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حمد بے نہایت اور تعریف بے غایت اُس مولا پاک کو ہی سزاوار ہے جنہوں نے باشندگانِ دنیا کے اسباب معاش کو قانون سیاست حاکمانہ کے سپرد کیا۔ آپ ایسے مالک ہیں کہ ملک معنوی کے گلزار کو حسن اخلاق اور حمیدہ اوصاف کے پھولوں سے معطر اور معنبر کیا۔ آپ ایسے قوی اور توانا ہیں۔ جنکی قہاری اور جباری کے رعب نے ستمر و سرکشوں کی گردنوں کو خم کر دیا۔ اور عادل بھی اسدرجہ کے ہیں۔ کہ آپکی انصافیہ نوازشوں اور الطافیہ رحمتوں نے بیچارے عاجز غریبوں کی دردمندانہ دعاؤں اور التجاؤں کو نہایت عالی حوصلگی سے اپنے عالی بارگاہ میں شرف قبول بخشکر انکے حصول مقاصد اور انجاح کو مقدم رکھا شانہٗ اعظم و برہانہٗ اجل درود پاک متزائدہ اور سلام متضاعفہ اس لوائے عظم کے والی اور گلزار شریعت کے مالی کی بارگاہ عالی میں نہایت ادب سے قیامت تک پیش کیئے جاویں۔ جو تمام بادشاہوں کے بادشاہ اور جملہ انبیا کے پیشوا اور جمیع اہل سلوک کے راہنما۔ اور کلہم اولیا اور اصفیا کے مقتدا ہیں۔ سبحان اللہ آپ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

آلٰہی میری زباں پر یہ کس کا نام آیا ۔ کہ میری نطق نے بوسے میری دہاں کے لیئے

میری ناتوان جان آپ کے اقدام کی خاک پاک پر قربان ہو۔ اور آپ کی ہدایت طالبوں کی جان کی جان ہو اور حضرات اہل بیت پر بھی درود اور سلام ہو۔ جنکا گھرانا انوار ولایت سے منور ہے اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین عظام پر بھی ہو۔ رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ

امابعد بندہ عاصی پُر معاصی۔ عاجز گنہگار رتبہ مسار۔ پُرتقصیر عذر و معذرت کا موصوف علی ابن شہاب ھمدانی اللہ تعالےٰ اُسپر اور اوسکے والدین پر اپنے فضل و کرم سے رحم کرے اور اپنی نعمتوں کی شکر کی اسکو توفیق عطا کرے۔ التماس کرتا ہے۔
مدت مدید اور عرصہ بعید ہوگیا تھا کہ اہل اسلام کے اکثر بادشاہ عالیمقام اور خلقت کے برگزیدہ حکام ذوالاحتشام اور اشرفار کی جماعت کے چیدہ؛ اور پسندیدہ امور دینی کی اصلاح میں سعی اور کوشش کرتے تھے۔ اور دل کے آئینہ کو گناہوں کے گرد و غبار سے پاک اور صاف رکھنا چاہتے تھے (اللہ جلشانہ انکو بمعہ اُنکے عیال و اطفال کے دنیا اور آخرت میں خیر نصیب کرے) حُسن عقیدت کی لحاظ سے جو اس فقیر کے ناکارہ کے بارہ میں وہ رکھتے تھے فقیر کو اکثر کہتے تھے کہ ایک تذکرہ ایسا مفید لکھا جاوے جس سے عوام اور خواص کو فائدہ پہونچے عاجز اس امر مشکل کے انصرام کی بابت کچھہ متردد اور متوقف ہی رہتا تھا۔ اور علاوہ بریں کچھ کچھ زمانہ کے حادثات اور ضروری امور کے واقعات بھی اس خیال کے مارح نظر آتے تھے ان دنوں ایک نہایت عزیز پُرتمیز کی سفارش نے مجھے مجبور کر ہی دیا۔ چنانچہ عاجز کا ارادہ بھی اس رسالہ کی تالیف کیطرف پختہ ہوگیا خدا کے فضل اور اللہ کی مدد سے یہہ چھوٹا سا رسالہ (جو سلطنت ظاہری اور باطنی کا راہ نما اور احکام حکومت اور سلطنت کا پیشوا ہے) دس باب میں لکھا گیا ہے جنکی تفصیل یہہ ہے۔

باب اول اسمیں ایمان کے احکام اور شرائط اور اوسکی کمالیت کے اسباب مندرج ہیں اور یہہ بھی بیان ہے کہ بندہ عذاب ابدی سے کسطرح نجات پا سکتا ہے؟ اور سرمدی نعمتیں کسطرح حاصل کرسکتا ہے؟

باب دوئم اسمیں حقوق عبودیت کی بجاآوری اور اوسکی ضروریات کا بیان ہے

باب سوئم اسمیں حُسن خلق کا بیان ہے۔ اور یہہ بھی ذکر ہے کہ حکام اور بادشاہوں کو خلفائے راشدین کی روش پر چلنا چاہیئے۔

باب چہارم۔ اسمیں والدین اور خاوند اور جورو اور اولاد اور رشتہ داروں اور ملازموں اور دوستوں کے حقوق کا بیان ہے۔

باب پنجم۔ اسمیں سلطنت اور امارت کے احکام اور رعایا کے حقوق ہیں۔ اور حکومت کے شرائط اور ان عہدوں کی ذمہ داریوں کے خطرات میں اور عدل اور احسان کا بیان ہے۔

باب ششم اسمیں سلطنت معنوی اور خلافت انسانی کے اسرار مندرج ہیں۔

باب ہفتم اسمیں امر معروف اور نہی منکر کا ذکر اور اسکے فضائل اور شرائط اور آداب مندرج ہیں۔

باب ہشتم اسمیں نعمت کے شکر پر حقائق اور اللہ تعالےٰ کے انعامات کے دقائق مندرج ہیں۔

باب نہم اسمیں دنیاوی تکالیف پر صبر کرنا۔ اور انکی حقیقت کا بیان ہے۔ جنکا ہونا سلطنت اور حکومت میں ضروری ہے۔

باب دہم اسمیں تکبر اور غضب کی مذمت اور انکی حقیقت بیان کیگئی ہے

اصلی فوائد کی بنا پر اس کتاب کا نام ذخیرۃ الملوک رکھا گیا۔ اُس مولا پاک کی عالیجناب سے امید ہے کہ یہ کتاب پڑھنے اور سننے لکھنے والے کے واسطے عاقبت کا ذخیرہ ہو اور عمل کرنے والے کو سعادت ابدی کا ذریعہ بنے اور یقین ہے کہ ملک سرمدی کا وسیلہ ہی نجات بمنہ وکرمہ الدعا منی والاجابۃ من اللہ العظیم

باب اول

اس باب میں ایمان کے احکام اور شرائط ہیں اور ایمان کی کمالیت کے اسباب درج ہیں جیسے ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ عذاب ابدی سے نجات کسطرح حاصل کرسکتا ہے۔ اور سرمدی نعمتیں کسطرح پاسکتا ہے۔ قال اللہ تعالےٰ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَاہُ ترجمہ پس تم اللہ اور اللہ کے

رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اوس نور پر (قرآن مجید) بھی ایمان لاؤ جسکو ہمنے نازل کیا ہے۔

عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثوب وشدید سواد الشعر لایری علیہ اثر السفر ولا یعرف منا احد حتی جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع یدیہ علی فخذیہ وقال یا محمد اخبرنی عن الایمان ۔ فقال الایمان ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ فقال صدقت فقال اخبرنی عن الاسلام فقال الاسلام ان تشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وتقیم الصلوۃ وتوتی الزکوۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا فقال صدقت فقال اخبرنی عن الاحسان قال الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔ قال فاخبرنی عن الساعۃ قال ما المسئول عنہا باعلم من السائل فقال اخبرنی عن اماراتہا قال ان تلد الامۃ ربتہا وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاۃ یتطاولون فی البنیان ثم انطلق فلبثت ملیا ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ جبرئیل اتاکم یعلمکم امر دینکم حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کی ایک جماعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ یکایک ایک شخص ناواقف غریب الوطن آیا۔ جسکے کپڑے نہایت ہی سفید۔ اور بال نہایت ہی کالے تھے۔ اور اسکے چہرہ سے سفر کے آثار نمودار نہ ہوتے تھے۔ اور ہمسے کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ یہ کون ہے۔ وہ شخص آکر رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو زانو بیٹھ گیا۔ اور اپنے گھٹنوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ زانوؤں پر (جیسا کہ التحیات میں رکھتے ہیں) رکھ لیئے اور عرض کی کہ اے محبوب العالمین مجھے یہ فرما دیجیئے۔ کہ ایمان کسکو کہتے ہیں۔ جناب طہر حضور انورنے فرمایا۔ کہ ایمان کی صفت یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اُسکے فرشتوں اور کتابوں۔ اور پیغمبروں اور روز قیامت پر یقین کرے۔ اور سچے اعتقاد سے یہ بھی جانے۔ کہ یہ نیکی اور بدی سب کی سب خدا کیطرف سے۔ اُس نووارد نے کہا۔ بہت ٹھیک ہے۔ پھر عرض کی کہ آپ مجھے اسلام

خبر دیں۔ کہ اسلام کی تعریف کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو شہادت دے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ۔ اللہ کا رسول ہے۔ اور نماز میں مداومت کرے۔ اور مال سے زکوٰۃ دے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھے۔ اور اگر تجھ طاقت ہی تو فریضہ حج بھی ادا کرے۔ اسنے عرض کی آپنے بہت ہی سچ فرمایا ہے۔ پھر عرض کی کہ اے محبِ صادق مجھے فرما دیجئے کہ احسان کی تعریف کیا ہے۔ تو آپنے فرمایا کہ احسان یہہ ہے کہ اُس حقیقی مالک کی عبادت میں ایسا محو اور مستغرق ہو کہ واقعی تو اوسکو دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان کا اعلے درجہ ہے۔ ورنہ اتنا تو ہو کہ تیرے دل کا دہیان اس درجہ تک ہو کہ وہ مالک تجھے دیکھ رہا ہے۔ اور تیرے دل کے بھیدوں کا علیم ہے۔ ایعزیز و خیال رکھنا سمجھ سمجھ کر قدم رکھنا۔ مبادا اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر تمہارا دل اُدہر اُدہر غیروں کیطرف بھٹکتا پھرے۔ ورنہ جائے شرم ہے۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھ قیامت کی مقررہ وقت سے آگاہی دیجئے۔ آپنے فرمایا مسئول عنہ اس معاملہ میں ابھی تک سائل سے کچھ زیادہ واقف نہیں ہی۔ جیسا کہ تجھے اس امر پر مطلع نہیں فرمایا گیا۔ ویسا ہی اب تک مجھے بھی مطلع نہیں کیا گیا۔ یہ ایسا راز ہے کہ کسی خاص حکمت کی بناء پر ابھی تک غیب کے خزانہ میں رکھا گیا ہے۔

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم — خویش را بنما قیامت نک منم
درنگر اے سائل محنت زدہ — زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ

پھر عرض کی یا رسول اللہ قیامت کی علامات سے مطلع فرما دیجئے۔ آپنے فرمایا کہ علاماتِ قیامت سے پہلا نشان یہہ ہے کہ لونڈیاں اپنا مالک جنینگی۔ یعنے اکثر لوگ شہوت پرست نفسانی لذات میں گرفتار ہو کر لونڈیاں خریدینگے۔ جنسے اولاد پیدا ہو گی۔ اور وہ اولاد اپنی ماں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیگی۔ اس امر سے یہ نتیجہ ہو گا۔ کہ والدین کی نافرمانی کا دورہ شروع ہو جائے گا۔ اور یہی عاق ہونا قیامت کے قیام کا موجب ہو گا۔

دوسرا نشان یہہ ہے کہ جو لوگ بیوقوف اور احمق جنگلوں میں ننگے پاؤں اور ننگے سر پھرتے

ریوڑوں کے چرانے کا کام کرتے تھے۔ وہ معززین اور سرداروں کے گروہ میں شمار کیے جاینگے اور وہ متکبرانہ حالتمیں اونچے اونچے مکان تعمیر کرائینگے۔ اور بازاروں پر چھبروکے رکھینگے۔ جب یہ بات یہاں تک پہونچگئی۔ وہ مسافر السلام علیکم کہکر رخصت ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا۔ تم جانتے ہو کہ یہ مرد غریب سائل کون تھا۔ حضرت عمر نے عرض کی کہ اللہ اور اللہ کا رسول ہی جانتے ہیں۔ آپنے زبانِ دُرفشان سے فرمایا۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمہاری تعلیم کیواسطے تشریف لائے تھے۔ تاکہ تمکو دین کے آداب سکھاویں۔ اور مجلس رسولی میں نشست برخاست وطریقِ گفتگو کے آداب سمجھاویں۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ حقیقتِ ایمان اور حقیقتِ اسلام میں کسقدر فرق ہے۔ یعنے ایمان کی حقیقت کا دار و مدار اصول پر ہے۔ اور اسلام کی حقیقت کا مدار فروع پر ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان کی حقیقت چھ اصول پر مبنی ہے۔

(۱) حضرت صمدیت عزوشانہ کی معرفت (۲) فرشتوں کا وجود اور اونکے اقسام اور اونکے مقامات کی معرفت (۳) کتب ہاے منزلہ کی وقفیت۔ (۴) انبیاء کرام اور رسول عظام کی معرفت (۵) حشر اور نشر کی معرفت (۶) نیکی بدی جو کچھ ہورہا ہے سب اسکی تقدیر میں ہے۔ اور اسلام کی حقیقت پانچ امر ہیں۔

(۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج۔ انکو فروعات اسلیئے کہتے ہیں کہ بعض حالت میں بعض آدمیوں سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ مگر اصول کسی انسان سے کسی حالت اور کسی صورت میں ساقط نہیں ہوتے۔ چنانچہ زکوٰۃ اور حج بحالت عدم روپیہ وطاقت فقر سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اگر بادشاہ کے حج پر جانے سے یہ اندیشہ ہو کہ ملک میں بدامنی کا احتمال ہوجاوے تو اس سے بھی حج ساقط ہوجاتا ہے۔ اور علمائے امت کا اسبات پر اجماع ہے۔ کہ ایمان کا اصل دل کی تصدیق ہے۔ مگر ایمان کا کمال جو دوزخ سے نجات دلاوے۔ اور بہشت کے اعلے درجات پر پہونچاوے۔ اور بساط ربانی کے قرب تک پہنچاوے۔ ان چار اصول پر مبنی ہے۔ اور جس شخص کے ایمان کی بنا ان چار اصولوں

پرہو۔ اسکا ایمان محکم اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور مومن خالص ہو کر بارگاہِ صمدانی اور درگاہِ ذوالجلالی کا خاص مقرب ہو جاتا ہے۔ اور وہ چار اصول یہ ہیں۔ (اول) دل کی تصدیق (دوم) زبان کا اقرار (۳) تن کا عمل (۴) سنت کی متابعت۔ جو شخص ان چار اصولوں سے محروم ہے وہ کافر مطلق ہے۔ اور جو شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے۔ مگر دل کی تصدیق ندارد وہ منافق ہے۔ اور منافق کا حال کافر سے بھی بدتر ہے۔ بقولہ تعالی ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار (منافق دوزخ کے نہایت ہی نچلے درجہ میں ہونگے) اور جو شخص دل سے بھی تصدیق کرتا ہے۔ اور زبان سے بھی اقرار کرتا ہے مگر جوارح سے عمل نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔ فاسق قصور کے اندازہ پر دوزخ میں معذب ہونگے۔ جسکا اندازہ کم سے کم ایک ساعت اور زیادہ سے زیادہ ستر ہزار سال کا ہوگا۔ حدیث نبوی اسپر ناطق ہے۔ بالآخر نور ایمان کی مدد سے اس بلیہ جانکاہ سے نجات پائیگا۔ اور جو شخص دل کی تصدیق بھی رکھتا ہے۔ اور زبانی اقرار بھی کرتا ہے اور جوارح سے عمل بھی کرتا ہے۔ مگر سنت نبوی کی متابعت میں تھوڑا سا تغافل کر لیتا ہے وہ مبتدع ہے اور رسول علیہ السلام نے بدعتیوں کے بارہ میں فرمایا ہے اھل البدعۃ کلاب اھل النار (بدعتی دوزخیوں کے کتے ہونگے۔)

العزیز جب تمکو معلوم ہو گیا۔ کہ ایمانی حقیقت چھ اصولوں پر مبنی ہے جنمیں سے پہلا اصول پروردگار عزشانہ کی معرفت ہے۔ اسکو سمجھنا چاہیئے۔

جاننا چاہیئے کہ معرفت کی اس مرتبہ کی نہایت ہی نہیں۔ اور اس جنگل کے پیاسوں کی پیاس ختم ہونیوالی ہی نہیں۔ تمام موجودات کی پیدایش اور تمام مخلوقات کی افزائش اسی اصل کے ظہور کا باعث ہے۔ دنیا کے تمام فہم اور عقول جنسے ہماری مراد فرشتے اور رسول اور انبیا اور اولیاء اور حکماء اور علماء اور جن انسان ہے۔ ان سب نے جو کچھ سمجھا یا دیکھا۔ یا سنا یا لکھا خدا کی عظمت کے سامنے اور آلہی جلال کے روبرو اسکا اندازہ ایسا ہے۔ جیسا کہ سمندر کے مقابل قطرہ ہو یا اس سے بھی کم۔ یا کمتر یا کمتریں۔ بقولہ تعالے (وما قدروا اللہ حق قدرہ ولا یحیطون

بہ عِلمائ (جیسا کہ خدا کا قدر بھی انہوں نے نہ سمجھا اور اور علم کے زور سے اسپر احاطہ نہ کرسکے)
انبیا او عظما اور اکابرین اولیا، صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کے افراد سے ہر ایک فرد کو اس بحرِ ناپیدا
کنار سے مجاہدات کے اندازے اور ریاضات کی برداشت کے موافق اسراری مقامات کی فہمید
کا قطرہ دیا جاتا ہے۔ یا بعض اوقات ایک خاص مشرب بھی دیا جاتا ہے۔ اور ہر عارف کو
(جو طریقت کے میدان کا شہسوار اور حقیقت کی لشکر کا پیشرو ہو) نفس کی صفائی اور قلب
کی ستھرائی کے اندازہ پر کبریائی بھیدوں کے خزانہ سے کسی ایک کونہ پر اسکو بھی تھوڑی سی اطلاع
دیجاتی ہے۔ اُن رازوں کے خالص موتی عام اندھوں بدباطنوں کے پیش نہیں کیئے جاتے
اور غفلت کے اندھوں کی آنکھوں میں ان سربستہ معانی کی جھلک ہرگز نہیں ڈالی
جاتی۔

جس بوجھ اور امانت کو زمین اور آسمان اور پہاڑ نہ اوٹھا سکے۔ اس دنیا مردار کے کتے
اسکو کسطرح اُٹھا سکتے ہیں۔ ہاں عوام الناس کی صحت ایمان کیواسطے ان باتوں سے چارہ
نہیں۔ انکا یاد رکھنا۔ اور حسب استعداد اسپر عمل کرنا دلالت کرتا ہے کہ ایمانی صحت کا مادہ موجود ہے
گو ابھی کامل نہیں ہوا۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱) دل و جان سے جانے کہ پروردگار عالم یگانہ ہیں۔ آپکا سہیم اور شریک اور کوئی نہیں۔
ایسے فرد ہیں جسکی مثل نہیں۔ ایسے صمد ہیں کہ جسکا کوئی شریک ہی نہیں۔ ایسے قدیم ہیں کہ
کہ اُس قدمت کا اول ہی نہیں۔ ایسے قیوم ہیں کہ اس قیومیت کا اخیر ہی نہیں۔ ایسے
ازلی ہیں کہ اس ازل کا ابتدا ہی نہیں۔ ایسے ابد ہیں کہ اس ابد کا انتہا ہی نہیں۔
ایسے ظاہر ہیں۔ کہ بیان ادراک اس ظہور آلہی کی فہمید میں سرگردان پھر رہا ہے۔ ایسے باطن
ہیں کہ اس باطن کے اسرار مخفیہ کے سمجھنے کے کوئی قابل ہی نہیں۔ ایسے حی ہیں کہ تمام کائنات
کی زندگی اسی دریائے رحمت کے قطروں سے ایک چھوٹا سا قطرہ ہے۔ ایسے عالم ہیں کہ تمام
جہان کا علم اس علم کے دائرہ کا ایک نقطہ ہے۔ ایسے بامراد ہیں کہ تمام دنیا کی مرادیں اسی مراد

کی کتاب کا ایک حرف ہیں۔ ایسے قادر ہیں کہ تمام مخلوقات اس قادر کے قبضۂ قدرت کی مقہور ہے۔ ایسے سمیع ہیں کہ اہی مختلف بولیاں جداگانہ خیالات اور آواز دل سے باہر نہیں نکلتے۔ کہ اس سمیع کے مسموع ہو جاتے ہیں۔ آیسے بصیر ہیں کہ اگر چیونٹی کی حرکت اہی تحت الثریٰ میں ہو تو اُس بصیر کو نظر آجاتی ہے۔ ایسے متکلم ہیں کہ جسقدر امر معروف اور نہی منکر کا غلغلہ تمام مخلوقات کی گردن کی حمائل ہو رہا ہے۔ اُسی متکلم کی گویائی کا لُبّ لباب ہے۔ ایسے لطیف ہیں کہ اس لطافت کی ذات منزہ کا نہ جسم ہے نہ جوہر نہ عرض ہے اور نہ کوئی صورت ہے۔ اور کیفیت اور کمیت اور اطراف اور کنارہ اور چندی اور چونی کو اس لطافت مقدسہ میں دخل بھی نہیں۔ اور نہ آپ کسی موجود کی مثل ہیں۔ اور نہ کوئی موجود آپ کی مثل ہے۔ آپ کی ذات پاک جگہہ اور مکان سے بالکل مبرّا اور منزہ ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ آپ کے علم کے احاطہ اور آپ کے ارادے اور قدرت سے کوئی جگہ خالی بھی نہیں۔ اور آپ کی ذات پاک قرار اور استقرار اور حلول اور قرب اور بُعد اور زمان اور مکان اور تغیر اور حدوث اور بیماری اور زوال اور گردش اور تحویل سے بالکل منزہ ہے۔ اور آپ کی بلندی اور رفعت اور عظمت کے پہلو میں عرش کا درجہ اتنا ہی ہے۔ جیساکہ عرش کے مقابلہ میں تحت زمین کا اور آپکے روبرو عرش عظیم اور تحت الثریٰ کی ایک ہی منزل ہے عجیب معاملہ یہ ہے کہ باوصف کمال مدارج اور جلال عظمت کے بندہ کے قریب اتنے ہیں۔ جیساکہ آنکھوں کو بینائی اور کانوں کو شنوائی اور زبان کو گویائی اور دل کو خیالات سے قرب ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ قرب آپکی ذات مقدس کی اندازہ پر ہے۔ یہ وہ قرب نہیں جسکا ہمارے افہام مکدر اور خیالات پست اندازہ لگا سکتے ہیں بلکہ آپ کی ذات پاک لم یزل اور لایزال ہے۔ صفاتِ کبریائی سے موصوف ہے۔ اور عظمت اور جلال کے اوصاف سے موصوف اور معروف ہے۔ آج ایسے ہی ہیں جیسے کہ ازل میں تھے۔ اور ابدالآباد تک ایسے ہی رہینگے۔

اور آپ کی ذات کی عظمت انوار صفاتیہ میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ اور آپ کے انوار کی چمک

ہمارے خیالات سے ظاہر نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ ذات کے تجلیات نہ ہوں۔ اور آپ کے قرب کے بچھونے پر آپ کی مہربانی کے سوا کوئی قدم نہیں رکھ سکتا۔ الغرض آپ کی شناسائی آپ کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ یعنی آپکی ذات کی تجلیات کا مشاہدہ آپ کے نور کے سوا ممکن الحصول نہیں۔ اگر مولیٰ پاک کا ارادہ ہو تو عاجز سے عاجز بندے کو شناسا کر دیتے ہیں۔ اگر مرضی نہ ہو تو زمین اور آسمان بھی اس بوجھ کے اٹھانے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور اس دنیا کے پردہ پر جو کچھ عذاب اور تکلیف اور رنج اور غم اور قحط اور خوف اور خواری اور گرفتاری اور مصائب نمودار ہوتے ہیں۔ آپ کے عدل کے شاہد ہیں۔ اور جو آرام اور خوشی اور کامیابی اور فراخی اور فراغت۔ اور امن اور سعادت درپیش آتے ہیں۔ یہ سب کو سب اسکی عنایت اور فضل کا نتیجہ ہیں۔ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہوگا خواہ کم ہو یا زیادہ۔ پوشیدہ ہو یا ظاہر۔ کفر ہو یا ایمان۔ محرومی ہو یا محرمیت۔ نفع ہو یا نقصان۔ آرام ہو یا تکلیف۔ طاعت ہو۔ یا معصیت۔ افلاس ہو یا دولتمندی۔ یہہ سب کے اسی کے مشیت اور ارادہ سے ہو رہے ہیں۔ کوئی امر آپ کے ارادہ اور حکم سے باہر نہیں۔ لاراد لقضائہ ولا معقب لحکمہ اسکی قضا کا موڑنے والا اور اوسکے حکم کا توڑنے والا کوئی نہیں۔

جیساکہ آپ علم اور قدرت کے لحاظ سے دانا اور توانا ہیں۔ ویسا ہی کانوں اور آنکھوں اور زبان کے بغیر سمیع اور بصیر اور متکلم ہیں۔ دور ہو یا نزدیک۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اندھیرا ہو یا اُجالا خاموشی ہو یا گویائی سب آپکے نزدیک برابر ہے۔ اور بندوں کو جو اطلاع از قسم اخبار غیب اور وعدہ اور وعید اور حق اور باطل اور حلال اور حرام اور امر و نہی سے دی گئی ہے۔ سب صحیح اور درست ہے۔ اور جتنی کتابیں انبیا پر نازل ہوئیں۔ سب آپ کی کلام ہیں۔ اور آپ کی کلام آپ کی صفت ہے۔ اور آپکے تمام اوصاف قدیم ہیں۔ حدوث کے محتاج نہیں۔ آپکا کلام حرف اور صوت اور مخارج کا محتاج نہیں۔ جو مصاحف میں لکھے گئے اور زبانوں پر یاد کیے گئے۔ اور دلوں میں محفوظ رکھے گئے ہیں۔ انکی کتابت اور پڑھنا اور یاد کرنا مخلوق ہے۔ اور جو اسکے معنے ہیں

وہ غیر مخلوق ہیں۔

یہہ دنیا ناپائدار عالم بقا کے راہ گذروں کے واسطے شب باشی کی سرائے ہے۔ اور سعادت لقا طالبوں کی گذرگاہ ہے۔ ہر ایک متنفس کو اس منزل میں کوئی نہ کوئی دم گزارنا ہی پڑتا ہے اس رہنے کا اصل مقصود یہہ ہو کہ اس دنیا کی منزل میں جو مہلت کا مکان اور فرصت کا وقت ہے اور آخرت کی کھیتی ہے۔ سعادت ابدی کا توشہ مہیا کرلے۔ اور توشہ اور سواری کے بغیر قیامت کی ہولناک جنگل میں قدم رکھنے کا ارادہ نہ کرے۔ اور انبیا علیہم السلام کی پاک زبان سے جو کچھ سنا مثلاً مدت عمر۔ رزق۔ عذاب قبر۔ سوال منکر نکیر۔ اور حشر نشر کا موقعہ قیامت کا دن۔ اور حوض اور میزان۔ اور پل صراط۔ اور لقا ربانی۔ سب صحیح اور درست سمجھے۔ اور بہشت کی درجے اور دوزخ کے گڑھے۔ اور انبیا اور اولیاء اور علماء کی اور مومنوں کی سفارش کو برحق جانے اور اس امر کو دل و جان سے نہایت تصدیق سے مانے۔ کہ تمام خلقت میں برگزیدہ انبیا علیہم السلام کا گروہ ہے۔ اور انبیا کے سرتاج رسول ہیں۔ اور رسولوں کے افضل اولوالعزم ہیں اور اونکی تعداد یہہ ہے۔ اول حضرت نوح علیہ السلام دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سوم حضرت موسےٰ علیہ السلام۔ چہارم حضرت عیسےٰ علیہ السلام پنجم حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود جملہ انبیاء کا افسر اور سردار ہے اور جب نبوت کا درجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے درجہ کمال پر فائز ہوا تو آپ کی ذات کی برکت سے انکا نام نامی خاتم النبیین ہوا۔ اور آپ کے بعد بہترین خلق آپکے اصحاب کرام کا وجود ہے۔ ان سب سے زیادہ باکرامت خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضےٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں وعلےٰ جمیع المہاجرین والانصار والتابعین الابرار رضوان اللہ علیہم اجمعین

جاننا چاہیئے کہ اصول ایمان سے اہل اسلام کو مجملاً اتنا جاننا ہی ضروری اور واجب ہے اور جو شخص مسلمان کہلا کر حقائق ایمان سے اتنا بھی نہ جانے۔ اُسکا ایمان معرض خطر میں ہے۔

اور جب یہہ معلوم ہوا کہ اعمال صالح ایمان کے کامل ہونے اور زینت ایمانی کا ایک رکن ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اہل اسلام کی تنبیہ کے واسطے جہاں ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ ساتھ ہی اعمال صالحہ کا بھی ذکر آیا ہے

چنانچہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اس آیۃ قرآنیہ سے صاف معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کا انحصار دو چار تک محدود نہیں بلکہ اوسکی تعداد کثیرہ ہے۔ رسول علیہ السلام نے اپنی امت مرحومہ و مغفورہ کو آگاہ کر دیا ہے۔ کہ ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں۔ ان اقسام کی تفصیل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی۔ اور ایک حدیث میں کھلے طور پر تفصیل ہوئی ہے۔ اور ان اعمال سے بعض ایسے ہیں جو واجبات کی ادا کرنے پر تاکیداً موید ہیں۔ اور بعض مستحبات کے ادا کرنے پر ممد ہیں اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جنسے حرام اور مکروہ سے بچنے کا اشارہ تاکیداً پایا جاتا ہے۔ اس مختصر کتاب میں چند احادیث ایسے لکھے جاتے ہیں جو اس اصل کی خبر سنا دیں۔ انشاء اللہ تعالے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں۔ ان تمام اقسام سے فاضلتر قول شہادت ہے۔ اور سب سے ادنے یہ ہے کہ رستہ کو کانٹوں اور اینٹوں وغیرہ سے صاف کرے۔ یعنے رستہ سے اُن چیزوں کا ہٹانا نہایت ہی ضروری ہے۔ جو اللہ کے بندوں کو تکلیف دِہ ہوں۔ اگر کسی شخص کی اپنی ذات میں وہ کانٹا نظر آوے تو باطن کو صاف کرے۔ اور اگر کسی دوسرے میں نظر آوے تو اسکے ہٹانے میں لطف سے مہربانی سے حتے الامکان کوشش کرے۔ اور جو رستہ اسکے اور اسکے معبود برحق کے درمیان ہے اوسکو موانعات کے کانٹوں اور شواغل کے خاشاک سے پاک اور صاف کرلے۔ بلکہ اگر اسکا بدن بھی موانعات پیدا کرتا ہے تو اسکو بھی صاف اور ستھرا کرلے۔ اور ایسا بنجاوے کہ اغیار کا وجود دوست کے دیدار کا مانع نہ ہو سکے۔ اور حیا بھی ایمان کی اقسام سے ایک قسم ہے۔ اسمیں یہہ راز ہے کہ معبود برحق سے ہر دم شرم کرے اور معبود مطلق کی رضا کی

برخلاف ایک قدم بھی نہ چلے۔

فضالہ بن عبید روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام فرمایا ہے۔ کہ مسلمان وہ ہی جسکی بدزبانی اور دست اندازی سے دوسرے بھائی بچے رہیں۔ اور مومن وہ ہے کہ لوگ اسکے ظالمانہ حملوں اور لوٹ گھسوٹ کی حیلوں سے بےفکر اور باامن ہو جاویں۔ اور غازی وہ ہے جو عبادت الٰہی کی تلوار ہاتھ میں لیے اپنے نفس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اوسکی بیہودہ خواہشات کو دباتا رہے۔

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام جب برسر منبر خطبہ پڑھتے تھے تو آپ کے خطبہ میں یہہ الفاظ ضرور ہی ہوا کرتے تھے۔ جو شخص امانت پورے طور پر ادا نہیں کرتا۔ وہ مومن ہی نہیں۔ اور جو عہد کا وفا نہیں کرتا وہ دیندار ہی نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص زنا کرتا ہے وہ زنا کی حالت میں مومن نہیں ہوتا اور جو شخص شراب پیتا ہے وہ شرابخوری کی حالتمیں مومن نہیں ہوتا۔ اور جو شخص ناحق قتل کرتا ہے۔ وہ قتل کی حالت میں مومن نہیں ہوتا۔ اے لوگو بچو پھر بھی بچو۔ اس حدیث میں ایاکم کا لفظ مکرر بنظر تاکید آیا ہے۔ اور مبالغہ ظاہر کرتا ہے اصل مطلب یہہ ہی کہ ان خطرناک کاموں کے اختیار کرنے سے ایمان کے بےبہا اور نایاب موتی کو (جو ابدی سعادت کا سرمایہ ہے) ہاتھ سے نہ دو۔ اور ابدی اور سرمدی گرفتاری میں مبتلا ہو جاؤ اور ملامت اور عذاب کی تیر کا نشانہ نہ بنجاؤ۔

شراب کی آفات میں چند احادیث نبوی (جو اسبارہ میں وارد ہوئی ہیں) نقل کیجاتی ہیں

شراب کے منع میں — عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ سب سے کبیرہ گناہ یہہ ہوگا کہ لوگ احکامات اسلامی کو ایسا الٹا دینگے جیسا کہ پانی والے برتن کو سرنگون کر دیتے ہیں۔ غالباً اس امر کا ظہور کثرت شرابخوری پر محمول ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ کیا مسلمان بھی شرابخوری کرینگے؟ درحالیکہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرینگے اور پڑھینگے کہ اسکا پینا حرام ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ وہ شراب کا نام ہی کچھ اور مقرر کرینگے۔ مثلاً اسکو عرق اور سور بھنی۔ اور مزد اور بوزہ نبیذ کے نام سے پکارینگے۔ اور حلال جانینگے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس چیز سے مستی پیدا ہوتی ہے وہ خمر ہے۔ اور جو چیز مستی آور ہے وہ حرام ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس چیز کے ایک فرق کے کھانے یا پینے سے آدمی مست ہو جاوے۔ اسکا چلو بھر پینا بھی حرام ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ فرق کا وزن قریبا پانچ تولہ کے قریب ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو چیز مستی آور ہو وہ حرام ہے۔ اور جو شخص مستی آور چیز کو کھاوے۔ اور وہ اسکو بدمست کر دے۔ اللہ اس امر کا ذمہ وار ہے کہ دوزخ میں اسکو ڈالے۔ اور اسکی خوراک طینت الخبال سے بناوے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ یارسول اللہ طینت الخبال کسکو کہتے ہیں؟ آپنے فرمایا کہ وہ دوزخیوں کا ریم اور زرداب ہوگا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے اسی ذات پاک کی قسم ہے جسکی دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر اس ریم اور زرداب کا ایک قطرہ بھی روئے زمین پر گر پڑے تو تمام اہل دنیا اس غلاظت اور گندگی اور بدبو سے ہلاک ہو جاویں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص شراب خور کے منہ میں ایک لقمہ ڈالے۔ اللہ تعالےٰ اسکی قبر پر سانپ اور بچھووں کا پہرہ لگاویگا۔ انکا یہ کام ہوگا کہ اسکو کاٹینگے اور عذاب دینگے اور جو شخص شراب نکالتا ہے یا بیچتا ہے گویا وہ اسلام کی بنیاد اکھیڑتا ہے۔ اور جو شخص شراب خوار کا ہم مجلس اور ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہو اسکا حشر قیامت کے دن اندھوں کے گروہ سے ہوگا۔ اور خدائی دربار میں اسکا کوئی عذر سنا نہ جاویگا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے ...

کو سلام کیا یا مصافحہ لیا اللہ تعالےٰ اسکے چالیس سال ...

اُن لوگوں کیواسطے ہی جنہوں نے شرابخور پر سلام کیا۔ یا اُس کو کھانا کھلایا۔ یا اوسکی کسی ضرورت کو پورا کیا یا اسکا ہم مجلس ہوا۔ جائے غور ہی کہ شرابخور کا کیا انجام ہوگا؟

حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کہ جسکی جگہہ دوزخ یا بہشت میں مقرر ہو چکی ہو۔ صحابہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ جو کچھ ہونا تھا وہ سب کچھ ہو چکا۔ کیا ہم اسپر ہی اعتماد کریں۔ اور کوشش سی اور عمل سی کام نہ لیں آپنے فرمایا کہ تمہارا کام عبادت اور اطاعت کرنا ہے۔ کیونکہ ازلی احکام کی پورا ہونے کیواسطے دنیا میں نشان ہیں۔ جسکا نام روز ازل میں سیدوں میں لکھا گیا ہے اُسکو طاعت اور عبادت ایک آسان اور سہل بات معلوم ہوتی ہے اور زہد اور تقویٰ کا وہ حریص ہو جاتا ہے۔ اور نافرمانی اور سرکشی کا راستہ اُسپر بند ہو جاتا ہے اور جسکا نام روز ازل میں شقیوں میں لکھا گیا ہے۔ اُسکا یہ عام نشان ہے۔ عبادت کرنی تو ایک طرف عبادت کیطرفہ بیان کرنا ہی اسپر دوبھر ہو جاتا ہے۔ اور ہزار ہا قسم کے وسوسے اور تغافل اور تکاسل اسکو رستہ کی روک بنجاتے ہیں۔ اور عبودیت کے حقوق کو کماینبغی ادا کرنا اور امر کا تابع ہونا اور نہی سے باز رہنا ایک کٹھن منزل نظر آتی ہے۔ اور شیطانی وسوسات اور نفسانی شہوات اور لالچ اور معاصی کی خواہشات اُسکے خیال اور دل کے مرکز میں عروس نوکیطرح بناؤ کرکے جلوہ انداز ہوتی رہتی ہیں۔ حتے کہ شقاوت ابدی کا گرفتار ہوکر دوزخ کا کندہ بنجاتا ہے۔ ہائے افسوس

عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ چھ گروہوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور میں بھی اسپر لعنت بھیجتا ہوں۔ بلکہ تمام پیغمبر بھی اسپر لعنت بھیجتے ہیں پہلا وہ شخص ہے جسنے اللہ کی محفوظ کتاب میں ایزادی کی یعنے جس امر کی بابت اللہ جلشانہ نے حکم نہیں دیا۔ اسکو جھوٹ موٹ بناکر عامہ خلائق کو دہوکھے میں ڈالا۔ اور اسمیں اپنی مشہوری کا طالب ہوا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو خدائی احکامات پر تو اعتبار نہ جاوے۔ بلکہ اس امر کا خیال ہو کہ غیر اللہ کا خدائی احکامات میں زیادہ تصرف ہوتا ہے۔ تیسرا وہ شخص ہی کہ متکبرانہ اپنے آپکو بڑا سمجھے۔ اور ساتھ ہی اُن مردودوں کو معزز جانے جنہوں نے خدائی احکامات

سے انکار کیا۔ اور جو شخص مطیع اور تابعدار الٰہی ہو گئے تھے۔ انکو کم عزت خوار بمقدار جانے۔ چوتھا وہ شخص ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ انکو حلال اور جو حلال ہیں انکو حرام سمجھے۔ پانچواں وہ شخص ہی جن چیزوں کو اللہ تعالےٰ نے میری ازواج مطہرات اور اہل بیت کی نسبت حرام قرار دیا ہے انکو جائز سمجھے۔ چھٹا وہ شخص ہی کہ وہ میری سنت کو چھوڑ دے اور بدعت کو اختیار کر لے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مجھے اس پروردگار کی قسم ہے جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہی۔ کوئی آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔ جبتک وہ سچے دل سے یہ نہ مان لئے کہ اپنے واسطے وہی چاہوں گا جو اپنے بھائی کے واسطے چاہتا ہوں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو رحم اور محبت سے دیکھا کرو۔ تمہاری مثال اسطرح کی ہی۔ کہ جب جسم کا ایک عضو بیمار ہو جاتا ہے تو تمام جسم ہی بیخوابی۔ درد مصیبت اور غم کا گرفتار ہو جاتا ہے۔ ایمان کی صحت کا یہ نشان ہے کہ تم جب اپنے مسلمان بھائی کو رنج اور تکلیف میں مبتلا دیکھو تو اس مصیبت اور تکلیف کو اپنے وجود میں مشاہدہ کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو ہی بیمار سمجھو۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ منافق کی پہچان تین علامتوں سے ہو جاتی ہے۔ اور جس شخص میں یہ تین علامتیں پائی جاویں یقیناً جانو کہ وہ پکا منافق ہے خواہ وہ نمازیں پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ اور منہ سے شیخی بگھارے کہ میں مسلمان ہوں۔ اول جب بات کرے جھوٹ کرے۔ دوم وعدہ کا خلاف کرے۔ سوم امانت میں خیانت کرے۔ عبداللہ بن عمر اس حدیث میں ایک اور بات بیان کرتے ہیں کہ لڑائی کے وقت فحش بکے۔ اور گالیاں بھی دے۔ یعنی زبان کو سمبھال نہ سکے۔

ابوسعید خدری نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اُن کافروں کی قبروں پر جو دنیا میں اپنے آپ کو مسلمان جانتے تھے۔ اور الٰہی احکامات کی خلاف ورزی کرتے تھے اور معاصی کو اختیار کرکے اُنہوں نے ایمان کو ضائع کیا، ننانوے سانپ زہریلے مسلط ہونگے

اور وہ سانپ اپنا اپنا زہر اُنپر اُگلینگے۔ ان سانپوں سے اگر ایک سانپ بھی روئے زمین
پر کسی جگہ ڈنگ چلاوے تو تمام روئے زمین پر سبزہ کا اُگنا موقوف ہی ہوجائے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمسے کوئی
مومن کہلانیکا مستحق نہیں ہوتا جبتک وہ اپنی خواہشات کو میرے مولا کے فرمان کے تابع نہ بنالے
کسی شخص کو ایمان کی کمال کی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی جبتک وہ اپنی خواہشات کو آلٰہی مرضی
کے مطابق نہ بنالے۔ اللہ جلشانہٗ نے انبیائے گروہ کو اسی فرمان کی تبلیغ کے واسطے مامور کیا ہے
پس جو شخص نفسانی طمع اور شیطانی خیالات سے احکامات شرعی اور اختلاف فقہا اور علما
سے صرف ایک جزئی کو (جو اُسکے مفید مطلب ہے) پسند کرلے۔ اور کلی احکامات کو (جو بھلے کھلے اور صحیح
اور پرتاکید اور اعلےٰ درجہ کی واضح اور ظاہر ہیں) چھوڑدے اور عمداً پہلوتہی کرے۔ وہ اتباع کی سعادت
سے بالکل محروم اور بے نصیب ہے۔

ایعزیز ایمانی حقیقت خدائی خورشید عالمتاب کا وہ نور ہے۔ جو مشرق عنایات ربانی سے طلوع ہوتا
ہوا مسافران منازل اخلاص کی جھونپڑیوں کی جان پر چمکتا ہے۔ اور بیچارے غریبوں کے تنگ و
تاریک کلبہ احزان کو منور کردیتا ہے۔ اور ملکوتی اسرار کا وہ بادل رحمت ہے جو ہدایت کی گھنگھور گھٹا
کو اُٹھا کر جنگل صدق کے باوفا مخلصوں کے دل کے گلزاروں پر قطرہ قطرہ ہوکر برستا ہے۔
اور لطف اور رحمت کی بوندیں برساتا ہے۔ اور وہ خدائی دربار کے اسرار کا لُبِ لباب ہے
جسکو عالم علوی کے نقاش نے بمصداق اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ مدرسہ تقویٰ کے
طلبا کی افہام کی تختیوں پر الہام کی قلم سے سنہری حرفوں میں لکھدیا ہے۔

ایمان دریائے وحدت کا وہ گوہر نایاب ہے جو توفیق آلٰہی کی لہروں کی مدد سے سینہ کے سمندر کی
قعر سے نکل کر اعمال صالحہ کی صورت میں متشکل ہوکر اعضا اور جوارح کے ساحل پر آپڑتا ہے۔ اور آتش
محبت کی ایک ایسی شرر ہے کہ جسکی چمک بادیہ ریاضت کے جلے بھُنے وجودوں کے درختوں سے
اِنِّي أَنَا اللّٰهُ ہوکر چمکتی ہے۔ اور ولایت کے انوار کی ایک ایسی چمکتی بجلی ہے جو وادی ایمن سے چمک کر عالم

ے سالکوں کی دلی آئینہ پر کو ندجاتی ہو۔ اور ہوس مشرب بنا کر ایسا محو کر دیتی ہے کہ عیال و اطفال اور
ل و متاع کا بکھیڑا صفحۂ خاطر سے محو ہی ہو جاتا ہے۔ ان باتوں کو وہ سمجھہ سکتا ہے۔ اور ان پھولوں سے
وہ دامن بھرپور کر سکتا ہے جو وہم کی شیطانی آنکھ کو لاالہ الااللہ کے تیر سے چھید چکا ہو۔ اور حرص
ور حسد اور طمع کے خاشاک کو شوق کی چنگاری دکھا چکا ہو۔ اور دنیاوی عقول کی زبان کو فضول
اعراض کی قینچی سے کتر چکا ہو۔ اور نفس بدکار اور شوم اور شوخ کو غیرتِ الٰہی کے میدان میں
ریاضت اور عبادت کا پائمال کر چکا ہو۔ اور خواہشاتِ نفسانی کے سر کو مشقت اور تکلیف کی سولی
پر چڑہا چکا ہو۔ اور شہوات کے لشکر کا سر محبت اور الفت کی تلوار سے کاٹ کر شکست دے چکا ہو
اور دل کے شیشہ کا غبار اور زنگ راستی اور صدق اور یکسوئی کی سان پر چڑھا کر مٹا چکا ہو۔ اور
روح کے گلزار کو معارف اور حقائق کے پھولوں سے مزین کر چکا ہو۔ اور نفس کی شومی اور طبیعت
کی خست سے آزاد ہو چکا ہو اور اُسکی وجودی شبنم احدیت اور وحدانیت کے دریا میں مل چکی
ہو۔ اور جسمانی تعلقات اور نفسانی خواہشات کی آلودگیوں سے اپنا دامن دہو چکا ہو۔ اور
صرف یار کا غم ہی اسکا غمخوار ہو چکا ہو۔ اور دلدار کے سوا اور سب کچھ بیکار ہو چکا ہو۔ وہ بدکار
مغرور ناعاقبت اندیش جنکی اُلٹی پلٹی روح دنیائے فانی کی چرکین میلوں سے آلودہ ہے۔ اور
تیرہ و تار سیاہ عقل و حرص ہوا کے جنگل میں بھٹک رہی ہے۔ یعنے ادہر تو انکا نفس شریر دنیا کی
دہوکھہ بازیوں میں مصروف ہے اُدہر اونکا ایمان خواہشات نفسانی اور وسوسات شیطانی
پر موقوف ہے۔ انکو عرفانی اسرار کی تجلیات اور کمال ایمانی کے تصرفات سے کیا خبر اور کیا سروکار
کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

تا بادیۂ درد بہ پایاں نبری ؎ از ہیچ طرف راہ بدرماں نبری۔
تا بر سر کام و نام گامے ننہی۔ بوئے ز نسیم زلف جاناں نبری

العزیز اللہ جلشانہ قرآن مجید فرقان حمید میں طالبان صادق کیواسطے ارشاد فرماتے
ہیں۔ کہ ماں باپ۔ بہن بھائی زن و فرزند۔ مال اور مرتبہ۔ مملکت اور سلطنت یہ سب کی سب

سعادت ابدی کے رستہ کا خار ہیں جبتک سعادت ابدی کا طالب اس راستہ کو موانعات کی خاک سے صاف نہ کرلے۔ ایمانی اسرار کے لطائف کی لطافت اور عرفانی عالم کے گلزار کی عطریہ خوشبوؤں کی نزاکت اسکے دل اور دماغ تک رسائی نہیں پاتی۔ اور جبتک ایمان کے خوبصورت چہرہ سے تجرید اور تفرید کی داعہ دنیاوی آلائشوں کا حجاب نہ اٹھالے۔ کوئی شخص (انا مومن حقا) میں واقعی مومن ہوں کہنے کا مستحق نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر وہ غفلت کی باعث یہ بات منہ سے نکال بیٹھے تو (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ وَکَذَّبَ بِالصِّدْقِ) جسنے اللہ پر جھوٹ باندھا اور صدق کو بار بار جھٹلایا اس سے زیادہ ظالم کون ہے) کا مصداق ہوجاتا ہے۔ اور اسکی وعید میں قابو آجاتا ہے۔ جہاں فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ کا معاملہ درپیش ہوگا۔ ہائے افسوس۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کہنا ہمیشہ قائل کو غضب الٰہی سے بچاتا ہے۔ اور پروردگار کے غضب کو بجھاتا ہے۔ بلکہ سخط الٰہی کو بالکل ٹھنڈا کردیتا ہے۔ مگر جب اُسپر یہ موقعہ آپڑتا ہے۔ اور اوسکو یہ حالت درپیش آجاتی ہے کہ دنیاوی لالچ اور طمع میں پھنسکر دینی نقصانات اور زیاں کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ صرف دنیاوی لذت اور دنیا کی سلامتی کا ہی دلدادہ ہوجاتا ہے۔ اور دین کی تباہی پر نظر اٹھا کر ہی نہیں دیکھتا۔ اسحالت میں وہ لاالہ الا اللہ منہ سے نکالتا ہے تو اللہ جلشانہ زبان قدرت سے اسکو جواب دیتے ہیں۔ تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم جھوٹ بکتے ہو۔ تمہارا ایمان سچا نہیں۔ اور نہ ہی تم ایمان پر صادق القول ہو۔ تمہاری ظاہری چکنی چپڑی باتیں بالکل تمہارا وبال ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ ایمان نور ہے اور تکبر اور حرص اندھیرا ہے۔ یہ دونو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ اسی خطرۂ عظیم کے خوف سے انبیا اور صدیقوں اور اولیاؤں کے جگر خون ہورہے ہیں۔ اور ہر ایک اپنے اپنے مقامات پر اسی اندیشہ میں حیران اور اسی خیال میں سرگردان ہے کہ یا اللہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ میرا کسمپرس اور ہیچمیرز ناکارہ اسباب (جسکو میں ایمان سمجھ رہا ہوں) تیری بارگاہِ عالی میں منظور ہی یا نہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی پاس

تو پھر بھی بضاعت مزجاۃ تھی۔ ہم تو کچھ بھی نہیں رکھتے۔ صادق القول کے فرمان ماعرفناک حق معرفتک پر ذرا دھیان کرو

حکایت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خرد سال لڑکے کا جنازہ پڑھا آپنے سنا کہ ایک شخص اس لڑکے کی بابت کہہ رہا تھا کہ اس معصوم بچے کی حالت کیا ہی خوش ہے کیونکہ اسکی جان دنیاوی آلائشوں سے بالکل پاک رہی ہے۔ یقین ہے کہ یہ لڑکا بہشتی جانوروں میں سے ایک عجیب جانور ہوگا۔ آپکے کان میں جب یہ آواز پڑی۔ تو حضور انور کی طبیعت میں جوش کا اثر ظاہر ہوا۔ فرمایا میاں تو کیا جانے کہ اسکے ساتھ کیا ہوگا۔ حالانکہ میں رسول ہوں اور اللہ کا بھیجا ہوا ہوں میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ اس درگاہ لاابالی میں دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔

ابو درداد رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے۔ مجھے اللہ کی قسم ہے۔ کوئی آدمی اپنے ایمان سے بیفکر نہیں ہوتا۔ جب تک اسکے نزع کی حالت میں ایمانی خلعت نہ ملجاوے اور ولقد کرمنا بنی آدم کا لباس زیب بدن نہ ہو جاوے

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام نے دیکھا کہ بہت سے حواری رو رہے ہیں رونے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کی۔ حضور ہم اپنے گناہوں کو یاد کر کے رو رہے ہیں آپنے فرمایا کہ تم تو گناہوں کو یاد کر کے روتے ہو۔ میں اپنے کفر پر نالاں ہوں۔ اللہ اللہ عجیب معاملہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اتنا روتے تھے۔ آپ کے دونو رخساروں پر گڑھے پڑ گئے تھے بلکہ شگاف ہو گئے تھے۔ یہانتک کہ آپکے دانت بھی نظر آنے لگے۔ ایکدن آپکے والد ذکریا علیہ السلام نے ادنسے رونے کا سبب پوچھا۔ اور کہا کہ اے نور چشم مینے نہایت عجز و الحاح کر کے اللہ کے بارگاہ سے تجھے مانگا تھا۔ اور تمنا تھی کہ پیرانہ سالی میں تمہارا دیدار میرے جسم کا سرور اور آنکھوں کا نور ہوگا۔ تعجب ہے کہ یہ تو معاملہ ہی اُلٹ ہو رہا ہے۔ از دست تمہاری آہ و زاری اور نالہ و اشکباری نے میری شوق اور خواہش کے چراغ کو گل کر دیا ہے۔ اور تمہاری اشکبار آنکھوں نے میری آنکھوں کو بے نور بنا دیا ہے۔ عرض کی کہ اے میرے والد میرے پیارے باپ۔ میرے مشتاق۔ جبرئیل علیہ السلام نے

مجھے بتلایا ہے بلکہ دکھایا ہے کہ بہشت کے دروازے کے آگے ایک مشکل گذر گھاٹی ہے۔ اُس گھاٹی سے وہ گذر کریگا جسکی آنکھیں دنیا میں صرف خوف الٰہی سے اشکبار رہی ہوں۔ اور دل فرقت اور جدائی سے مضطرب اور بیقرار رہا ہو۔ آپنے فرمایا۔ بیٹا واقعی وہ منزل کٹھن اور مشکل ہے اس دن سے پہلے دردے نیاز سے محبت سے کلفت سے زور سے خوف سے رولے۔ پھر وہاں کا رونا مفید نہ ہوگا۔ آپنے یہہ بھی فرمایا۔ کہ الٰہی محبت اور بہشت کے اشتیاق کا یہ نشان ہے۔ کہ انسان کو طاعات کی مشقت پر صبر اور حوصلہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دینی اصلاح کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عمر بھر میں تین دفعہ ظاہری صورت کے جھوٹ زبان سے نکالے تھے۔ جو باطن میں صدق سے آراستہ تھے۔ تاہم جب آپکو وہ بات یاد آتی تھی تو آٹھ آٹھ آنسو رو دیتے تھے۔ اور پیار کے خوف سے بالکل افسردہ اور پژمردہ ہو کر نڈھال ہو جاتے تھے۔ یہانتک کہ آپکے اندرونی اضطراب کی بھڑک اور بے چینی کی دھڑک دور دور سنی جاتی تھی۔ اور تپش اور بیقراری آپکے صاف سینہ سے کود کود کر نکلتی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ اللہ آپ پر درود اور سلام بھیجکر پوچھتے ہیں۔ کہ اے میرے خلیل کبھی دوست اپنے دوست سے بھی ڈرتے ہیں رو کر عرض کی۔ کہ یا اللہ جب مجھے اپنی ملمع سازی کا قصور یاد آتا ہے۔ تو دوستی اور خلت کا نور چھپ جاتا ہے۔ مجھے اپنی ہی پڑ جاتی ہے

نقل ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رستہ میں گھاس کا تنکا پڑا ہوا ہے۔ رو کر التجا کی۔ کہ میرے مولے کیا اچھا ہوتا کہ عمر گھاس کا تنکا ہی ہوتا۔ بھلا دوزخ کے عذاب سے تو بچ رہتا۔ یا کسی چوپایہ کی خوراک ہی بنجاتا۔

نقل ہے کہ ابو عبیدہ جراح رضی اللہ عنہ رو کر کہتے تھے۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجھے بکری بنایا جاتا۔ اور میرے گلے پر اللہ اکبر کی چھری پھرتی۔ اور لوگ مجھے کھا جاتے۔ قیامت کے حساب اور قیامت کی باز پرس سے تو چھوٹ جاتا۔

نقل ہے کہ عطار سلمی قدس سرہٗ نے اللہ کے خوف سے چالیس سال تک آسمان کیطرف نہ

نظر نہ اُٹھائی اور نہ ہی ہنسے۔ اور نہ ہی پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ اور جب کبھی قحط یا وبا یا بلا خلقت پر نازل ہوتی تو آپ یہہ کہا کرتے تھے کہ یہ سب کچھ میرے ہی اعمال کی شامت ہے۔ کاش عطا مر جاتا اور خلقت اسکی شومی اعمال سے بچ جاتی۔

ایعزیز جو کچھ تونے سُنا ہے۔ یہ حال انبیاؤں اور اصحابوں اور تابعین اور اولیاؤں کا حال ہے جنکی عظمت اور قدر و منزلت اُس دربار رفیع میں بہت کچھ وزن رکھتی ہے۔ اللہ کی سنت اس طریق پر جاری ہو چکی ہے۔ کہ اکابران دین وارباب یقین اوقات گذاری اور ساعات شماری میں ہر دم اور ہر نفس کے محاسب رہتے ہیں۔ اور انکا عزم بالجزم ہوتا ہے۔ اور ہموارہ کمر بستہ رکھتے ہیں۔ اور روانی عمر کو جانکاہ عبادات اور دلسوز ریاضات سے تازہ رکھتے ہیں۔ اور اپنے پاک جسموں اور پسندیدہ نفسوں کو مجاہدات اور ریاضت کے بوتہ میں پگھلاتے ہیں۔ باوصف اس تیاری اور ہوشیاری کے حسرت بھری آنکھوں سے افسوس کے آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ اور اپنے وجود کو اس درگاہ ربانی میں نہایت ہی خطا کار او بدکار اور شرمسار ٹھیراتے ہیں اوہر دیکھو کہ ہوا پرست۔ مغرور۔ آتشی مزاج۔ بدبخت۔ اپنی تمام عمر کو اللہ تعالے کی مخالفت میں گنوا دیتے ہیں۔ اور دل کے شیشہ کو غیریت کے غبار سے ناپاک اور آلودہ کرتے رہتے ہیں۔ اور شیطانی دربار میں دن رات بلکہ ہر دم کمربستہ اور دست بستہ حاضر کھڑے رہتے ہیں۔ اور دنیائی فانی کی مرداری لذتوں کو لقمہ شیریں اور چرب سمجھکر شوق سے کھاتے ہیں۔ اور خواہشات نفسانی کو اپنا خدا مانتے ہیں۔ اور باوصف ان بداعمالیوں اور بدحالیوں کے اپنے آپ کو حقیقی مسلمان اور پکے تابعدار جانتے ہیں۔ اور رسمی نماز روزہ پر مغرور ہو کر ابلہانہ تقلید پر فخر کرتے ہوئے ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں۔ اور (انا مومن حقا) میں پکا مسلمان ہوں) کی آواز آسمان کے کنگرہ تک پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جلشانہ ان غافلوں اور بدہوشوں اور احمقوں کے جگانے کے واسطے یہ خطاب فرماتے ہیں اَلٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ

ہمیں اپنی جلالیت اور عظمت کی قسم ہے۔ کہ بعض کم عقل کم فہم کوتہ اندیش کم بصیرت خیال
کرتے ہیں کہ جب وہ صرف اتنا ہی زبان سے کہدینگے کہ ہم مسلمان ہیں تو ہم انکو چھوڑ دینگے۔ اور
انکے کھرا کھوٹے ہونے کی پرکھ نہ کرینگے۔ اور امتحان کے بوتہ میں انکو چکر نہ دینگے۔ اور انکھ اٹھا کر نہ
دیکھینگے۔ اور اُن کے پیش کردہ گوہر کو امتحان کی کسوٹی پر نہ آزمائینگے۔ یاد رکھو کہ جو تم سے پہلے گذر
چکے ہیں انکو ہمنے اچھی طرح سے جانچا پڑتال کی۔ ضرور ہے کہ ہم تمکو بھی اسی طرح آزمائینگے۔ اور
ابتلا اور آزمائش کی آگ میں بارہا غوطہ دلائینگے۔ جسکا اخیری نتیجہ یہ مترتب ہوگا۔ کہ سچے
صادقوں کو جھوٹے اور کاذبوں سے الگ کر دیا جائیگا۔

عزیزو پیارو دوستو۔ غور کرو۔ کہ ایک مالک اپنے نوکر کو حکم دے کہ یہ کام کرنا۔ اور یہ کام نہ کرنا
اور ساتھ ہی یہ بھی جتلا دے کہ اگر تم میرے حکم کی خلاف ورزی کروگے تو میں تمکو جان سے
مار ڈالونگا۔ اتنے پر ہی بس کرے۔ یہ بھی انتظام کیا جاوے کہ اسپر ایک دو نگران بھی مقرر کر دے
تاکہ وہ اسکی غفلت اور لاپرواہی اور فروگذاشت پر ہر دم اور ہر ساعت خیال رکھیں۔ ایسی
صورت میں جب وہ نگہبان کو دیکھتا ہے تو اُسکو مالک کے مواخذہ پر یقین واثق ہو جاتا ہے۔
غالباً وہ مخالفت کو چھوڑ کر اتباع اور اطاعت کا دم بھرتا ہے۔ سو دیکھو کہ مولا کریم کا حکم اسطرح
آیا ہے اور تم سنتے بھی ہو۔ اور سمجھتے بھی ہو۔ کہ اُس ذات پاک کا حکم ہے۔ اور بعض حکم یہ ہیں کہ
اول نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ کو ادا کرو دوم تم سے عنقریب ایک گروہ پیدا ہوگا جو نیکی
کی طرف بلاوینگے۔ اور نیکی کرنے کا حکم دینگے۔ اور برائی سے ہٹائینگے سوم تم ایک دوسرے کا
مال ناحق طور پر نہ کھاؤ چہارم شراب پینی اور جوا کھیلنا اور بت پرستی اور پانسہ چوپڑ کھیلنا سب
برے کام ہیں۔ اور یہ سب کے سب شیطانی اعمال ہیں۔ انسے ضرور بچو یقین ہے کہ تم نیک ہو جاؤ گے
احکامات الٰہی سے بطور نمونہ چند حکم سنائے گئے ہیں اب دیکھو کہاں تک عمل درآمد کیا ہے
مالک حقیقی نے ملائکہ کرام سے دو فرشتے اسپر مؤکل نگران مقرر کر دیئے ہیں جو انکی حالت کو دن
میں رات میں سر اور ظاہر ہیں۔ سراً اور ضراراً اور خلا ملا میں دیکھتے ہیں۔ افسوس کہ زمین

اور آسمان اور سورج اور چاند اس مولا پاک کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ مگر یہہ چھوٹا سا انسان ان سب باتوں کو سنتا ہے۔ مگر عمل ندارد۔ غفلت تک تو نوبت ہی نہیں رہتی۔ انکار کرنے سے بھی شرم نہیں کرتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ کام دہینگا مشتی سے دیتا ہے۔ اخلاص اور ایمانی نور سے کام نہیں کرتا ہرگز نہیں کرتا۔ قطعاً نہیں کرتا۔ جو کچھ زبان سے بطور لفاظی بیان کرتا ہے۔ محض جھوٹ اور بڑا القلقہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اسکے دل کو ان تاثیروں کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ یہ اس پتھر کی طرح ہے جو ہزاروں سال پانی میں ڈوبا رہے۔ مگر پانی کی تاثیر سے بالکل بے نصیب اور بے بہرہ ہوتا ہے۔ یا اس کتے کے دُم کیطرح ہے۔ جسکو کتنی ہی مدت نلکی میں ڈالکر رکھو۔ جب نکالو وہی ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر وہ از روئے یقین کے جانتا۔ کہ میرے مولا کے وعدے سچے ہیں اور آپکا یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو منسوخ اور رد اور تبدیل نہیں کرتے۔ اور جو کچھ فرمایا ہے۔ ایسا ہی کرینگے۔ اور یہ بھی اطمینان ہو جائے کہ دنیا کی نسبت آخرت کا عذاب سخت ہے۔ اور ہلاک دنیوی کی نسبت ہلاک ابدی بدرجہا مشکل ہے۔ کبھی بھولے بھی احکامات الٰہی کی مخالفت نہ کرتا جب تمنے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تو آپنے پہچان لیا ہوگا کہ اکثر اشخاص کا ایمان صادق نہیں ہوتا۔ بلکہ انکے دل کو ایمان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اللہ جلشانہٗ کا فرمان اسکی تصدیق پر موجود ہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ اکثر آدمی کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر وہ مشرک ہوا کرتے ہیں

نقل ہے کہ شیخ ابو بکر کتانی قدس سرہٗ جب فوت ہو گئے۔ تو چند روز کے بعد بعض اصحاب نے آپکو دیکھا کہ قبر پہ کھڑے ہو کر زار زار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے آپ سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ آپنے فرمایا میں کیوں نہ روؤں کہ اس قبرستان میں جتنے نام کے مسلمان مدفون ہیں۔ ان میں سے ہزار سے نو سو ننانوے ایمان سے حصہ بھی نہیں رکھتے۔ یعنے ایمان سے بالکل نادار اور غریب ہیں۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت

کے دن اللہ جلشانہٗ حکم دینگے کہ اے آدم اپنی اولاد سے اُن لوگوں کو الگ کر لو جو دوزخ کے سزادار ہو چکے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کرینگے۔ کہ اے الہ العالمین کتنے سے کتنے حکم ہوگا کہ ایکہزار سے نوسو ننانوے۔ اور یہ وہ لوگ ہونگے جو بلاحساب دوزخ میں دھکیلے جائینگے۔ وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے نفس کا محاسبہ نہ کیا تھا۔ اور خواہشات نفسانی کو رضائے مولائے کریم پر مقدم رکھا تھا ان نامرادوں کی نفسانی خواہشات نے ہی بلاحساب اور بلاتمیز اُنکو ابدی ہاویہ میں ڈالا۔

شیخ داؤد طائی قدس سرہ سے ایمان کی بابت سوال کیا گیا۔ آپنے جواب دیا کہ ایمان وہ نورانی چیز ہے جو سیاہ دل کو گناہوں کی سیاہی سے صاف کردے۔ اور معرفت اور محبت کی نور سے منور کردے اور دل کی سختی کو رحمت اور شفقت اور نرمی کیطرف تبدیل کردے۔ اور بدعت سے ہٹا کر سنت کیطرف لاوے۔ ایمان کا یہ کام ہے کہ خدا کی عبادت کیطرف تیرے دل کو راغب اور طالب بناوے۔ واللہ یہدی الےٰ سوآء السبیل۔

باب دوم

اسمیں حقوق عبودیت کی بجا آوری۔ اور اوسکی ضروریات کا بیان ہے۔ اس قسم کے انواع بہت سے ہیں ان جملہ انواع کا پہلا نوع نماز ہے۔ جو سب سے افضل اور دین کا ستون ہی اسکے چھوڑنے میں دنیا اور آخرت کی تباہی ہے۔ چنانچہ محبوب رب العالمین کی حدیث اسپر شاہد ناطق ہے۔ الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامہا فقد اقام الدین ومن ترکہا فقد ھدم الدین (نماز دین کا ستون ہے جسنے اسکو مضبوط کیا۔ گویا دین کو مضبوط کیا۔ اور جسنے اسکو چھوڑا تحقیق دین کو تباہ کیا) اور نماز سے دوسرے درجہ پر زکوۃ ہے۔ مولا پاک نے کلام پاک میں نماز کو جملہ عبادات سے مقدم رکھا ہے اور جسجگہہ نماز کا ذکر آیا ہے زکوۃ کا ذکر بھی ساتھ ہی مقرون ہوا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ شاہد عدل ہے۔

اور نماز سے تیسرے درجہ پر روزہ ہے جسکی بابت رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ روزہ

شیطانی رہگذروں کے لئے مضبوط روک ہے۔ اور دوزخ کی آگ کے لئے ڈھال ہے اور نفس کشی کے لئے تیز تلوار ہے۔ یہ بات تین قسموں پر منقسم ہے۔ قسم اول نماز کا ہے۔ اور اس بارہ میں چند احادیث لکھی جاتی ہیں۔ جس سے نماز کا وجوب اور صحت نماز اور وقت کا جواز۔ اور نماز کا سر اور اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اور ہر ایک قسم کی تشریح اور توضیح کیواسطے کچھ کچھ مختصراً لکھا جاتا ہے۔ تاکہ اُخروی سعادت کے طالبوں کی راہنما ہو۔ اور دینی مقاصد کے خواہشمندوں کے پیشوا بنے۔

جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے مسلمان اور کافر کا فرق نماز کے سوا اور کچھ نہیں۔ یعنے اگر بندہ نماز کے اوقات کی محافظت کرے اور ارکان نماز کو پوری پورے طور پر ادا کرے۔ اور خشوع اور خضوع (دلی توجہ) کے ساتھ بجالاوے تو ایمانداری کی علامت ہے۔ اور اُسکے برخلاف چلنا گویا ایمانداری کے برخلاف ہے (یا کھلے لفظوں میں) بے ایمانی ہے۔

بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارا اور غیروں کا فرق صرف نماز ہی ہے۔ جسنے نماز کو چھوڑ دیا کفر کے نزدیک جا پڑا یا کافر ہوگیا اور اپنے آپ کو زوال ایمان کے موقف میں کھڑا کر دیا۔ ایمان کا پاک درخت طاعت کی آبپاشی سے نشو و نما پاتا ہے۔ اور جب درخت اُس زمین میں لگایا جاوے جو کلراٹھی ہو اور پانی بھی اسکو نہ سینچا جاوے تو ضرور ہے کہ اُس درخت کا تعلق زمین سے منقطع ہو جاویگا۔ اور نباتی مادہ اس سے دور ہو کر بالکل خشک ہو جاویگا۔

عبادہ بن صامت نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پانچ نمازیں فرض ٹھیرا دیں۔ جس شخص نے وضو کو اچھیطرح پورا کیا۔ اور نماز کو عین وقت پر ادا کیا۔ نماز کے رکوع اور سجود کو خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کیا۔ اور بار بار اپنی بیچارگی اور شکستگی کو اس کبیر متعال کی بارگاہ میں پیش کرتا رہا۔ اللہ تعالےٰ اس نماز کے ذمہ وار ہو جاتے ہیں۔

ذمہ واری کا یہ مطلب ہے کہ وہ نماز بارگاہِ الٰہی میں اسکی نجات کا وسیلہ بنجاتی ہے۔ اور جو شخص ان شرائط کی پابندی سے دل چُراتا ہے اوسکا وسیلہ تو اُس جناب میں کوئی نہیں ہوتا۔ ہاں آپکی ذات پاک غفور اور رحیم ہے۔ چاہے تو اپنے فضل سے معافی دیدے۔ اور چاہے تو عذاب کرلے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مینے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ اعمالوں سے کونسا عمل سب سے افضل ہے۔ آپنے فرمایا۔ نماز ہے جو اول وقت میں اداکیجاے۔ پھر مینے عرض کی یارسول اللہ نماز کے بعد کون عمل ہو آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنا اور رضا سے پیش آنا۔ پھر مینے عرض کی اسکے بعد کون عمل ہے۔ آپنے فرمایا صرف اللہ کی خوشنودی مدنظر رکھکر کفار سے جہاد کرنا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے تمام عمر میں صرف دو دفعہی اخیر وقت میں نماز پرھی ہے کہ مولے پاک نے آپکو اس دنیا سے اُٹھالیا۔ یعنے آپکا وصال ہوگیا۔

ابو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم پیشین کی نماز اسوقت پڑھتے تھے جبکہ سر سے سورج ڈھل جاتا۔ اور عصر کی نماز اسوقت اداکرتے جبکہ ہمارا ایک آدمی مدینہ کے نخلستان میں (جو وہاں سے چار میل کے فاصلہ پر ہے) سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہنچ جاتا چنانچہ سورج ابھی اونچاہی ہوتا تھا۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اول وقت میں نماز کا اداکرنا آلٰہی خوشنودی کا پھل لاتا ہے۔ اور اخیر وقت پر اداکرنا عفو کا باعث ہوتا ہے۔ اے عزیز و معافی کا استعمال اسموقعہ پر ہی ہوتا ہے جہاں۔ قصور اور تقصیر کا شائبہ درمیان ہو۔ اور خوشنودی کا وجود اسحالت میں نمودار ہوتا ہے۔ جبکہ موقعہ احسان کا ہو۔ اور رضا کا حاصل کرنیوالا محل احسان میں ہے۔ اور عفو کا طالب بمقصر اور محل خسران میں ہے۔

ابوذر غفاری نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے مجھو فرمایا۔ کہ جن دنوں میں غافل حاکم

تم پر متسلط ہونگے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ اور اون حاکموں کا یہہ حال ہوگا۔ کہ اکثر نمازوں کو اول وقت سے تاخیر میں ڈالینگے۔ مینے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے اسبارہ میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ اے ابا ذر تمنے نمازوں کو اپنے وقت پر گذار لینا۔ اگر انکو بھی نماز میں پاؤ تو اون سے بھی مِل جانا۔ یہ تمہاری ثانی نماز نوافلات سے محسوب ہوگی۔ پچھلی روایات میں راوی کو کچھہ شک معلوم ہوتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نماز پنجگانہ ایک نماز سے دوسری نماز تک اور نماز جمعہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان مبارک کے روزے ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک صغیرہ گناہوں سے پاک کرنے والے ہیں بشرطیکہ وہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام نے کبیرہ گناہوں کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسعودؓ نے کہا ہے کہ کبیرہ گناہ صرف چار ہی ہیں۔ اور بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ ۹ ہیں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ سات ہیں۔ اور عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ انکی تعداد ستر تک ہے۔ اور شیخ ابوطالب مکی نے فرمایا کہ کبیرہ کے متعلق مجھے جسقدر احادیث ملی ہیں وہ ستر۱۷ہ ہیں۔ جنکی تفصیل یہہ ہے کہ چار۴ تو دل کے متعلق ہیں۔ اور چار۴ زبان کے۔ اور تین۳ پیٹ کے۔ اور دو۲ فرج کے اور دو۲ ہاتھوں کے۔ ایک۱ پاؤں کے۔ اور ایک۱ تمام اعضا کے متعلق ہے۔

اور جو دل کے متعلق ہیں انمیں سے پہلا شرک۔ دوسرا گناہ کے اصرار کی نیت۔ تیسرا خدا کی رحمت سے ناامید ہونا۔ چوتھا مواخذ الٰہی سے بے فکر ہونا ہے۔

اور جو زبان کے متعلق ہیں انمیں سے پہلا جھوٹی گواہی دینا۔ دوسرا عیالدار کو زنا کی تہمت لگانا۔ تیسرا جھوٹھی قسم کھانا۔ چوتھا جادو ٹونا کو صحیح ماننا۔ اور خود بھی کرنا۔

اور جو پیٹ کے متعلق ہیں انمیں سے پہلا شراب پینی۔ دوسرا یتیم کا مال کھانا۔ تیسرا سود خوری کرنا۔ اور جو فرج کے متعلق ہیں اُن میں سے پہلا زنا کرنا۔ دوسرا لواطت کرنا۔

اور جو ہاتھ کے متعلق ہیں۔ انہیں سے پہلا ناحق خون کرنا۔ دوسرا چوری۔ رہزنی ڈکیتی کرنا۔ اور جو پاؤں کے متعلق ہیں وہ جہاد سے بھاگنا ہے چنانچہ دو آدمیوں سے ایک کا یا بیس سے دس کا بھاگ جانا علے ہذا القیاس اور جو تمام بدن کے متعلق ہیں وہ والدین کی نافرمانی اور سرکشی ہے۔ شیخ ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ کبیرہ کا لفظ ہی مبہم ہے۔ احادیث میں تعداد مقررہ سے اطلاع نہیں پہونچی۔ بلکہ احادیث وارده باہم متعارض ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُس صدر نشین دربار نبوت کا یہی ارادہ تھا کہ یہ معاملہ مبہم ہی رہے۔ کیونکہ اگر گناہ کبیرہ محصور کیئے گئے تو عام لوگوں کے دل سے خوف جاتا رہے گا۔ جیسا کہ لیلۃ القدر اور اسم اعظم کا مخفی رکھنا طالبوں کی ترغیب پر مبنی ہے تاکہ اسکی طلب اور تلاش میں ہر دم کوشاں رہیں۔ اور طاعت کے دوام قیام میں ہرلے درجہ کی کوشش کریں۔ اور غضب الٰہی اور مختلف گناہوں سے بچتے رہیں۔ الغرض اصل بات یہہ ہے کہ جس امر کی بابت قرآن مجید میں نہی معنی یا گناہ بیّناً یا اشارۃً پائی جاتی ہے۔ اور انبیا علیہم السلام کی زبان صادق سے اسکی جزا دوزخ قرار دیگئی ہے۔ یا اس کام کرنیوالے پر حد کا حکم لگایا گیا ہے۔ وہ کبیرہ گناہوں کے شمار میں آگیا ہے۔ کبائر کے درجے متفاوت ہیں۔ جنکی تفصیل مرأۃ التائبین میں مفصل لکھی گئی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ ایکدن رسول علیہ السلام مسجد کے کونہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اسنے نماز پڑھی۔ مگر رکوع اور سجود کامل طور پر بجا نہ لایا۔ جب نماز سے فراغت پائی تو حضور پرنور کیخدمت میں حاضر ہوکر السلام علیکم کہا۔ آپنے وعلیکم السلام کہکر فرمایا کہ نماز کو پھر پڑھ۔ کیونکہ نماز کو تونے ادا نہیں کیا۔ وہ شخص واپس چلا گیا اور دوبارہ نماز کو پڑھا۔ پھر فراغت پاکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوکر السلام علیکم کہا۔ آپنے وعلیکم السلام کہکر یہی فرمایا کہ نماز کو پھر پڑھ۔ کیونکہ تمہاری نماز کامل نہیں ہوئی۔ اسنے دست بستہ عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھے آپ اب نماز سمجھا دیجئے۔ آپنے فرمایا۔ جب تو نماز کا ارادہ کرے تو وضو کو پوری طرح کامل کر اور پھر قبلہ رو ہوکر کھڑا ہوجا۔ اور تکبیر تحریمہ منہہ سے کہہ اور قرآن مجید جسجگہہ سے تجھے یاد ہے

کسیقدر پڑھ۔ اور پھر رکوع کر۔ اور رکوع میں آرام سے کام لے۔ پھر قومہ کو یہانتک کہ اچھیطرح سیدھا ہوکر کھڑا ہو جاوے۔ بعد ازاں سجدہ کر اور اسمیں اطمینان کو اختیار کر۔ پھر جلسہ کر کے دوسرا سجدہ کر اور اسمیں بھی تسلی سے کام لے۔ اسیطرح اور اسیطور پر دوسری رکعت کو پڑھ۔ الغرض تمام نماز کو اسی نہج اور اسی انداز اور اسی طرز پر تمام کر۔

اس حدیث سے رکوع اور سجود کا اطمینان سے ادا کرنا اور رکوع مین بیٹھ کا برابر کرنا۔ اور دو سجدوں کے درمیان آرام کرنا۔ اور تسبیحوں کو کم سے کم تین دفعہ پڑھنا۔ نماز کے ارکانوں میں ثابت کرتا ہے اور ارکان کا باطل ہونا نماز کے بطلان کو ثابت کرتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ وہ نماز مقبول نہیں جسمیں رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ اطمینان سے نہ ہوں۔ اس حدیث سے ایک اور حدیث قوی امام محمد غزالی رحمہ اللہ عنہ نے احیاء العلوم میں بیان کی ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جسنے وقت پر نماز پڑھی۔ اور وضو اور رکوع اور سجود اور خشوع کو پورا ادا کیا۔ وہ نماز چمکتی ہوئی اللہ تعالے کی بارگاہ میں۔ جاتی ہے اور پڑھنے والے کو دعا دیتی ہے۔ کہ جیسا تونے آداب اور ترتیب اور حفاظت سے ادا کیا ہے۔ ویسا ہی اللہ تجھے حفاظت میں محفوظ اور محظوظ رکھے اور جسنے نماز کو بے وقت ادا کیا۔ اور شکستہ دلی اور غفلت اور لاپرواہی سے وضو کو پورا نہ کیا اور رکوع اور سجود میں خشوع اور خضوع کو ادھورا ہی رکھا۔ وہ نماز تیرہ و تار اور سیاہ ہوکر نکلتی ہے اور جناب الٰہی میں حاضر ہوکر دہائی دیتی ہے اور کہتی ہے کہ اے میرے خراب کرنے والے خدا تیرا ستیاناس کرے اور تجھے تباہ کرے۔ جیسا تونے مجھے خراب کیا ہے۔ ایسا ہی میرا مالک تجھے تباہ کرے پھر وہ نماز لپیٹی جاتی ہے۔ جسطرح پھٹا پرانا گندہ کپڑا لپیٹا جاتا ہے۔ اور وہ نماز اس نماز پڑھنے والے کے منہ پر پھینکی جاتی ہے۔

اے عزیز جان لے۔ کہ نماز کی مثال انسان کے وجود کیطرح ہے۔ جیسا کہ انسان کا وجود اعضائے ظاہری اور باطنی سے مرکب ہے۔ ویسا ہی نماز کے اعضا بھی باطنی اور ظاہری ہیں۔ اور ظاہری

کہ اگر صرف جسم ہی ہو۔ یا مجرد روح ہو تو اسکو ہم انسان نہیں کہہ سکتے۔ انسان کہلانے کا استحقاق اس صورت میں صادق ہوتا ہے کہ جبکہ سب اعضا صحیح اور سلامت ہوں۔ اور روح سے مرکب ہوں اور یہ امر بھی بدیہی ہے کہ تمام اعضا کے مراتب یکساں نہیں۔ ہر ایک اعضا اپنے اپنے مراتب پر متفاوت ہے۔ بعض اعضا ہی ایسے ہیں کہ اگر وہ معدوم ہو جاویں۔ تو انسان بھی معدوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اعضاء رئیسہ جیسے دماغ اور دل اور جگر مراد ہے۔ اور بعض ایسے ہیں۔ کہ اگر وہ معدوم کیئے جاویں تو انسان معدوم تو نہیں ہوتا۔ مگر از روئے وجاہت اور قیمت کے معرض نقص میں آجاتا ہے۔ کہ اس صورت میں زندگی کے مقاصد اس سے فوت نہیں ہوتے۔ مگر حقیر اور بیمقدار تو ضرور ہو جاتا ہے۔ مثلاً آنکھ کا نکل جانا۔ زبان کا کٹ جانا۔ ہاتھ پاؤں کا کٹ جانا یا لنج ہو جانا گو اسکو انسان تو کہدیتے ہیں مگر نظروں میں بے مقدار ہو جاتا ہے۔ کسیکو اسکے دیکھنے سے حظ نہیں ہوتا۔ اور درحقیقت اسکو بھی اپنی ذات میں زندگی کا لطف نہیں آتا۔ ایسا ہی نماز کی بھی ایک صورت معنوی ہے۔ جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت اور حقیقت کی مدد سے ایک ڈھانچے میں اتار کر عجیب صورت پر ہمیں دکھلایا ہے۔ اور ہم عاجزوں کو اسکی ہدایت اور قیام کا حکم دے کر اسکی کامل کرنے کیطرف متوجہ کیا ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ نیت اور اخلاص اور دل کا حضور اور خشوع اور خضوع نماز کی روح ہے۔ اور رکوع اور سجود اور قیام اور قعود نماز کے اعضاء رئیسہ یعنے دل و جگر و دماغ ہیں۔ جنکے معدوم ہونے سے نماز کالعدم ہو جاتی ہے۔ اور سنہائے نماز مثلاً دعائے استفتاح۔ اور دعائے قنوت اور تشہد اول۔ اور اذکار و تسبیحات وغیرہ اعضائے جوارح مثلاً ناک کان۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ کے ہیں۔ جن کا معدوم ہونا نماز کو کالعدم تو نہیں کرتا۔ مگر ضرور ہے کہ بدصورت اور بدنما اور غیر مکمل بنا دیتا ہے۔ جس کے اثر سے نماز کی قیمت بالکل گھٹ جاتی ہے اور کسی دیکھنے والے کی نظر میں پسندیدہ اور مقبول

نہیں ہوتی۔ اور وہ نماز اپنی ذات میں بھی بیزار ہوتی ہے۔ اور جو نمازی نماز میں جملہ ارکان نماز کو
اور دل کے حضور اور خشوع اور خضوع کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ان امور کو امر فضول کیطرح لاپرواہی
سے گذار دیتا ہے اسکی مثال غالباً ایسی ہے کہ ایک بادشاہ کسی شخص کو تجارت کرنے کے لیئے
بھیجے اور اوسکو ہدایت کرے کہ کسی ایسے غلام کی تلاش کرنا اور تلاش کرکے لے آنا۔ جو خوبصورت
اور ہنرمند۔ اور متدین۔ اور امین۔ اور چالاک یعنے بہمہ صفت موصوف ہو۔ وہ شخص جاوے اور
ایسا غلام لاوے۔ جو بدصورت اور بے عقل اور بے دین اور خائن اور سست ہو۔ اور بادشاہ
کے روبرو پیش کرے۔ اسکا ایسے غلام کو لانا گویا مسخر اپنی کرتا ہے۔ طرفہ یہ کہ کام تو ایسا کرے اور
پھر شاہانہ الطاف اور ملوکانہ عنایات کا امیدوار ہو نرا امیدوار ہی نہ ہو۔ بلکہ اپنے آپکو انعامات
اور خلاع فاخرہ کا مستحق بھی سمجھے۔ آپ انصاف فرماویں اور غور کریں کہ ایسا بدبخت اور کم عقل
اور کج فہم اور کوتہ اندیش کس خلعت اور نوازش کا مستحق ہے۔ ایسا ہی جو شخص نماز کو آداب
سے ادا نکرے۔ اور ارکان وغیرہ کی رعایت ملحوظ نہ رکھے تو وہ مقبولیت کا مستحق خاک ہو سکتا
ہے۔ یعنے جس شخص کو نماز غفلات اور پریشانی سے دور نہیں رکھ سکتی۔ اُسکی نماز محرومی اور
دوری کے سوا اور کیا نتیجہ نکالتی ہے۔ عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ اُسنے بہت جلد جلد نماز پڑھی آپنے صحابہ کو فرمایا کہ کیا تم اس
شخص کو دیکھتے ہو۔ اگر یہ شخص اسی خیال پر اسی عقیدت پر مرگیا۔ تو تم یاد رکھنا کہ دین محمدی
سے بیزار ہو کر مرا۔ جس شخص کے دل میں اگر ایمان کا ذرہ بھی ہے تو اُسکو اتنی تہدید تشدید اور
تنبیہ ہی کافی ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ اگر در خانہ کس است۔ ہمیں بس است ۔ اب ہم
نماز کے اسرار بیان کرتے ہیں

اسرار نماز

العزیز اخروی سعادت کے طالب کی علامت یہ ہے۔ کہ جن امور کیطرف ہمنے توجہ دلائی

ہے۔ اُن سے غافل نہ ہو۔ اور نماز کے ارکان اور شرائط بجا آوری میں غفلت نہ کرے۔ جب موذن اذان دے تو اس آواز کو عرصہ قیامت کی منادی کی آواز جانے۔ کیونکہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص دنیا میں موذن کی ندا کو دلی رغبت سے سنے گا۔ فزع اکبر اور میدان حشر میں نہایت دل لبھانے والی اور میٹھے میٹھے اور نرم آواز سے بلایا جاویگا۔ اور وہ شخص قیامت کے خوف سے بالکل مامون ہوگا۔ اور اذان کی اجابت صرف اذان کا سننا ہی نہیں بلکہ سامع کو لازم ہے کہ بہت جلدی اپنے آپ کو مسجد میں پہنچاوے۔ ورنہ بے نمازوں کی اجابت کچھ وزن نہیں رکھتی وضو کرنے کے وقت صرف اعضا اور جوارح کے پاک کرنے کا ہی خیال نہ رکھے بلکہ دل کو جو انوار الٰہی اور معارف غیر متناہی کے القا کا مقام ہے۔ صاف کرنے کی کوشش کرے۔ یہ وہ تطہر ہے۔ جو خدا پاک کی نظر عالی میں منظور ہے۔

الغرض طہارت کے چار درجہ ہیں۔

درجہ اول ابتدائی مقامات سے مراد ہے جسمیں بدن اور جامہ۔ اور مکان کی طہارت مقصود ہے۔ یعنے انکو حدث اور غلاظتِ ظاہری۔ پلیدی مرضیہ سے پاک رکھنا مطلوب ہے مثلاً ناخن کا اتروانا۔ اور موچھوں کا کٹوانا۔ اور غلاظت متعلقہ کا بدن سے دور کرنا۔ یہ درجہ عام طہارت کا ہے۔

درجہ دوم گناہوں کی میل اور معاصی کی آلائش سے ظاہری اعضا کو صاف کرتے رہنا یہ طہارت ابرار کی ہے۔

درجہ سوم صفات ذمیمہ کی کدورات سے نفس کو پاک کرنا۔ یہ طہارت سالکوں کی ہے۔

درجہ چہارم غیر حق اور غیر اللہ سے دل کو صاف رکھنا۔ یہ طہارت صدیقوں کی ہے۔

عورت کا ڈھانپنا۔ جیسا کہ ظاہری عورات کا ڈھانپنا خلقت سے ضروری ہے ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ باطنی عورات کا چھپانا بھی ضروری ہے۔ مثلاً حرص۔ اور حسد۔ بخل عجب تکبر اور ریا اور اصرار اور ضد جو اندرونی عورات سے ہیں۔ انکا چھپانا خلقت سے بھی۔ اور عالم الغیب سے بھی

ضروری ہے۔ مگر مقام حیرت یہہ ہے کہ باطنی فضائح اور رسوائیوں کو عام خلقت سے تو چھپا سکتے ہیں۔ مگر عالم الغیب سے انکا مستور رکھنا بالکل ممکن نہیں البتہ وہ دلی توبہ اور باطنی ندامت اور اندرونی خوف اور حیا اور خجالت اور شکستگی سے چھپ جاتی ہیں۔ اسکا علاج یہہ ہے کہ اس عالم الغیب کاشف الاسرار کے حضور میں دست بستہ اور ہوائے نفسانی کو روکے ہوئے ایسا کھڑا ہو جیسا کہ ایک بھگوڑا غلام۔ گنہگار اور شرمسار ہو کر حاضر ہوتا ہے۔ اور اشک ندامت اور حسرت رخساروں پر بہا رہا ہے۔

اب وہ وقت آگیا کہ قبلہ کا استقبال کرے۔ اس استقبال قبلہ سے یہ مفہوم ہو کہ اسنے جہات مختلفہ کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اور صرف ایک جہت اللہ والی ہی اختیار کر لی ہے۔ اور جہت کعبہ سے یہ مترشح ہو کہ ماسوے اللہ کے غبار سے اپنے چہرہ کو صاف اور ستھرا کر لیا ہے۔ اور صرف اس وحدہ لاشریک کو دل سے قبلہ مان لیا ہے۔ اور اس بے نیاز کی درگاہ میں اپنی بیکسی اور بے بسی کو پیش کر کے زار زار روتا ہے۔ اور اپنے گناہوں اور بد اعمالیوں پر حسرت بھری نگاہوں سے آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔

پھر وہ وقت بھی آجاتا ہے۔ کہ تکبیر تحریمہ کو منہ سے نکالتا ہوا دونو ہاتھ کانوں تک اُٹھاتا ہے۔ اسکا مطلب یہہ ہو۔ کہ نفسانی خواہشات کے بتوں کو شہود کبریائی کے تیر سے توڑ کر تبتل الے اللہ ہی حاصل کر لیا ہے۔ اور سبحانک اللّٰھم کہتے ہوئے اس قدوس ذات پاک اور تنزیہ پر دل لگائے۔ اور اعوذ باللہ کہتے ہوئے نفسانی اعدا کی بُرایوں اور دہوکوں اور شرور سے بچتا ہوا اس خالق کون و مکان کی پناہ اور حمایت میں پناہ گزین ہو جائے۔ اور بسم اللہ کے شیشہ میں اُسی ذات مقدس کی ذات کو (جو تمام کائنات کا قیوم ہے) جلوہ انداز سمجھے۔ اور تمام افراد کائنات کو اسی قیوم کے فیض مطلق کی قوت سے قایم سمجھے۔ اور الرحمان الرحیم کے پڑہنے کے وقت جمالی مہربانیوں کی بارشوں کا عموم اور کمالیت کے آثار کا خصوص۔ تمام مخلوقات موجودہ اور مخفیہ پر پرتو انداز سمجھے

اور الحمد للہ میں اللہ پاک کے انعام کے فیض اور اُسکی بخشش اور عنایت کے فضل وجودی آنکھوں کے جداول میں جاری اور ساری دیکھے۔ اور الرّحمٰن الرّحیم کے تکرار میں علویات اور سفلیات کے ساحل حقائق پر دریائے رحمت کی لہروں پر بار بار ٹکرانا جانے۔ اور نہایت استقلال اور اطمینان سے توحید کے دریا میں اپنے خس و خاشاکی وجود کو فنا فی البحر کردی اور ازلیت کی دائرے کی ابتداء کو ابدیت کے نقطہ انتہا سے ملادے۔ جب سالک اس مقام پر قدم رکھتا ہے تو وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے خوبصورت چہرہ کا جمال عرفان کے جھروکوں سے جلوہ گری کرے۔ جب طالب صادق اس حالت میں محو ہو جاتا ہے۔ تو توجہ قلبی اور شوق دلی کی بھڑک طالب کی حالات حادثہ کو نیاز کے آستان پر گرادیتی ہے اور آداب عبودیت کی ملازمت اسکے گلے میں ربانی عنایتوں کے پھولوں کا ہار ہو کر پڑجاتی ہے۔ اس صورت جاذبہ اور حالت کاشفہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی خلعت اسکو مل جاتی ہے۔ اور جب عابد کی ہستی کے ساتھ کو الٰہی شموس کی چمک معبودیت کے انوار میں محو کرادیتی ہے۔ اور وہ دنیائے فانی کو چھوڑ کر حیات جاودانی کے چشمہ میں قدم رکھ لیتا ہے۔ اور اس مالک الملوک کے عالی بارگاہ کے سوا اور کسی کی طرف دھیان نہیں کرتا۔ اور اسی مالک کو ہی ناصر اور معین سمجھتا ہے تو نہایت دلی خلوص اور سچی ارادت سے گڑگڑا کر وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھتا ہے۔

اور جب وہ آئینہ ارادت فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ میں خواہشات باطلہ اور خیالات فاسدہ اور خیالات بیہودہ کی تصورات کو راہِ صواب کا غبار جانتا ہے۔ اور راہِ ہدایت کا خار سمجھتا ہے اور دوزخی درکات کا ایندھن خیال کرتا ہے۔ تو زبان اخلاص سے تائید ربانی امداد لیتا ہوا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صدق دل اور نور قلب سے پڑھتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اسکا نام معرکہ استقامت کے دلیروں۔ اور منازل کرامت بہادروں کے دفتر میں جو بارگاہِ نبوت کے سردار اور میدان ولایت کی تاجدار ہیں، لکھا جاتا ہے۔ پھر اُسکی زبان دل کے موافق اور مطابق ہو کر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پڑھتی ہے۔ اور جب وہ عین صدق اور چشم یقین سے دیکھتا ہے۔ کہ

کہ وہ لوگ جو بساط قرب سے مہجور ہیں۔ اور انکی گردنیں خواہشات باطلہ کی مجبور ہیں غیرت آلہی کی تجلی نے اُنکے فضول اور بیہودہ خرمنوں کو جلاکر راکھ کر دیتا ہے۔ اور غیرت کے ہچکولوں نے عرصہ کرہت اور تعظیم کے مطرودوں کو لنگڑا اور اپاہج کر دیا ہے۔ تو ڈرتا ڈرتا اور کانپتا خلوص عقیدت اور ارادت سے غیرالمغضوب علیہم ولا الضآلین۔ پڑہتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارا ارادہ تھا کہ کلمات ساطعہ فاتحہ کی تحقیق اور تدقیق میں ایک رسالہ مستقل علیحدہ مشرح اور مفصل لکھا جاوے۔ جو طالبان اور واصلان حق کے پڑہنے اور سمجھنے کے لائق ہو۔ مگر اسوقت صرف اتنے پر ہی اکتفا کیا۔ وَاللّٰہُ غالب علٰے امرہٖ

العزیز کوشش کرو کہ آلہی گلزار کے پھولوں کی لپٹیں تمہاری جان کے دماغ کو معطر اور معنبر کریں۔ اگر عزیزوں نے میری بات کو سمجھہ لیا تو زہے قسمت۔ ورنہ گلزارِ وحدت کے جانور ابھی غیب کے پردہ میں مخفی اور مستور ہیں۔ یہ حقائق اور دقایق کے موتیوں کے دانے انکے افہام معدہ کی خوراک بنینگے۔

بادشاہی ذوق معنے بردن است ؔ نے بزور وظلم دنیا خوردن است
ہر سگے را جیفۂ دنیا دہند دولت آنکس یافت کش عقبے دہند

العزیز اگر تجھے ابھی یہہ حوصلہ پیدا نہیں ہوا کہ صفا اور مودت کی قوت سے اسرار کے خزانہ سے موانعات کی مہر کو دور کرے۔ اور گنج عرفان کی ابدی اور سرمدی دولت کو حقائق سے اپنا دامن بھرپور کرلے۔ اتنا تو کر کہ نماز کے وقت میں ہی اس پروردگار کا حضور دلی خلوص سے حاصل کرے۔ اور طبیعت کی پریشانی اور خیالات کی سرگردانی کا خلعت حضرت دل کے سر سے دور پھینک دے۔ اور کلام ربانی کے ظاہری کلمات پر ہی عامل بنجاوے۔ اور اعمال کی برائیوں اور احوال کی بدحالیوں سے آرام پاجاوے۔ اور اس احکم الحاکمین کی بارگاہ عالی سے شرم کرے۔ میاں اتنا ہی کرو۔ کہ نفس آمارہ کی بدلگامیوں سے بچکر راہ جفا سے نجات پاکر وفا کی سڑک پر قدم رکھ لو۔ اگر تم اہل عرفان کے مدارج پر جو عالم یقین کی بادشاہ اور میدان عین الیقین کی شہسوار

رس) نہ پہنچ سکو۔ اتنا تو ضرور کر لو کہ عبودیت اور عجز و انکساری کی دولت سے تو محروم نہ ہو جاؤ (وان یصبہا وابل فطل) اگر بارش موسلا دھار نہ ہو گی۔ اتنا تو ہو گا۔ کہ قطرات شبنم ہی تمہارے خس و خاشاک پر پڑ جائینگے۔ اگر تمہارا دامن پھولوں سے بھرپور نہ ہو گا۔ اتنا تو ہو گا کہ اس باغ معرفت کا کانٹا ہی تمہارے پاؤں میں چبھ جائیگا۔ تاہم اس گلزار کے خار کی معیت بھی تمہیں خالی نہ رہنے دیگی۔

داغ بلندان طلب اے ہوشمند تا شوی از داغ بلنداں بلند

اے عزیز اپنے وجود کو تلوار محبت کے سامنے کر۔ ڈھال کی تلاش میں نہ جا۔ تیرا اللہ تیرے گلے لگا لیگا۔ شقاوت ابدی کا دور ختم ہو جاویگا۔ اور سعادت سرمدی کا زمانہ شروع ہو گا۔

نقل اول روایت ہے کہ طلحہ بن عبد اللہ ایک دن اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اور اُسوقت ایک باز نے ایک کبوتر پر جھپٹا مارا۔ اور اسکے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ کبوتر جان کے خوف سے ادہر اُدہر پتوں میں اپنے آپ کو چھپا رہا تھا۔ حضرت طلحہ کا بھی ادہر خیال ہو گیا۔ اس توجہ سے خیال نہ رہا۔ کہ مینے کتنی رکعت ادا کی۔ حضرت طلحہ حضور انور کیخدمت میں حاضر ہوئے اور عرض حال کی۔ اور کہا۔ کہ یا رسول اللہ وہ باغ اپنے نماز کے باعث بطور صدقہ دیدیا۔ تاکہ جو بے خیالی میری نماز میں پیدا ہوئی اسکا کفارہ ہو جاوے۔ رسول علیہ السلام نے اس باغ کو دو لاکھ درم پر بیچکر اسکا روپیہ غریب اور غرباء میں تقسیم کر دیا۔ (اللہ اکبر)

نقل دوم امام زین العابدین علی بن حسین علیہما السلام جب نماز کے لیئے وضو کرتے تھے تو آپکا حال ہی کچھ اور طرح ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے عرض کی۔ اے فرزند رسول اور اے جگر بند زہرا بتول آپکا حال ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔ آپنے کہا میں کیا کروں۔ تم نہیں جانتے۔ کہ میں کس احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے والا ہوں۔ اور اپنے قصور کو کس آقا کے حضور میں پیش کرنیوالا ہوں۔ اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ میرا عجز اور الحاح ریا کے داغ سے آلودہ نہ ہو جائے۔

روایت ہے عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام ہمارے ساتھ باتیں

بھی کرتے تھے۔ اور بعض اوقات خوش طبعی اور خوش مزاجی بھی کرتے ۔مگر جب نماز
کا وقت آجاتا تھا۔ تو میں کیا کہوں آپ کا حال کچھ ایسا ہو جاتا تھا۔ گویا ہمیں مطلق پہچانتے
ہی نہ تھے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جلشانہٗ نے حضرت موسے پر وحی نازل کی۔ فرمایا کہ اے موسے
جب تم ہماری کبریائی کی یاد کیا کرو تو ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ ہماری یاد کے وقت تمہارے رونگٹے
کھڑے ہو جاویں۔ اور تمہارے اعضا کانپ کانپ کر تھرا رہے ہوں۔ باایں ہمہ تمہاری عاجزی
ہماری پناہ میں آرام پاوے۔ اور ہماری جباری کی یاد میں اپنی زبان کو دل کے پیچھے رکھنا
یعنے جو کچھ زبان سے کہنا ہو اول دل سے کہنا پھر زبان پر لانا۔ اور اگر ہماری بندگی کے بساط
پر کھڑا ہونا ہو۔ تو بندۂ ذلیل اور خوار بے مقدار کی طرح کھڑے ہونا پھر دیکھنا کہ لذت اور ذوق شوق
کا کیا اثر ہوتا ہے۔

العزیز عبادت کی لذت اس بندہ کے نصیب ہوتی ہے جو اپنی خواہشات کو آخرت کے واسطے
رکھے۔ اور جو اندیشہ اسکے رستہ کا خار ہے۔ اسکو جڑ سے اکھیڑ ڈالے۔ اور اللہ جلشانہٗ کی جلالیت
اور عظمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ اور حساب قیامت میں اپنے آپ کو کھڑا کر کے اسکا جواب
سمجھے اور شہوات کی سوراخوں کو عفت اور پاکدامنی کی مٹی سے بند کرے۔ اور حرص کی آگ پر
صبر اور قناعت کا پانی ڈالے۔ اگر کسی دل میں دنیاوی محبت الٰہی محبت سے سر مو بھی زیادہ ہو
اور اسی حال میں وہ آخرت کا عزم کرے۔ اور امید باندھے۔ کہ مجھے نماز میں وہ لذت حاصل
ہو۔ جو اکابرین اولیا اور افاضل اتقیا کو ہوا کرتی ہے۔ تو یہ خیال بالکل یاوہ گوئی اور
باد پیمائی ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ایسے شخص کو باطن۔ کم فہم۔ اور کج اندیش
کی یہ مثال ہے۔ کہ اسکا بدن تو نجاست سے لتھڑا ہوا ہے۔ اور تمنا یہ رکھتا ہے کہ اسکے بدن
پر مکھی نہ بیٹھے۔ اور یہ امر محال ہے

ہرگز نرسی بکعبہ اے اعرابی — ایں رہ کہ تو میروی بترکستان است

عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی۔ کہ ابوجہم بن حذیفہ نے حضرت کیخدمت میں صوف ٹیا
کا کوٹ بھیجا۔ جسپر سفید بوٹیوں سے گلکاری ہوئی تھی۔ رسول علیہ السلام نے اسکو پہنکر نماز پڑہی
جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ کوٹ اُتار کر فرمایا۔ کہ اسکو ابوجہم کے پاس بھیجدو۔ نماز کی
حالت میں مینے اس کوٹ کیطرف دیکھا تھا۔ . . . .
دیکھا تھا اور اسکی خوبصورتی اور خوشنمائی کیطرف دل متوجہ ہوگیا۔ بلکہ اس خیال نے مجھے
اللہ کیطرف سے ہٹالیا۔

اے جاہ وحشم کے متوالو۔ اور شان وشوکت کے دلدادو۔ اور نخوت اور کبر کے شیدائیو جائے
غور ہے روایت ہے۔ کہ رسول علیہ السلام کے نعلین مبارک کے تسمے پرانے ہوگئے تھے۔ صحابہ
اکرام سے کسی نے پرانے تسمے نکال کر نئے ڈالدیئے۔ جب آپنے نعلین مبارک کو پہنا۔ اور آپکی
نظر اُنپر پڑی تو فوراً حکم فرمایا کہ ان نئے تسموں کو نکالکر پُرانے تسمے ہی اُسمیں ڈالدو۔
کیونکہ جب مینے انپر نظر ڈالی تو میری طبیعت میں ایکقسم کی فرحت پیدا ہوئی۔ مجھے غیرت
الٰہی سے ڈر لگ گیا۔ کہ کہیں مغرور نہ سمجھا جاؤں۔ میں مسکین ہوں۔ اور مجھے غریبی اور مسکینی
پسند ہے۔

صاحب بصیرت کو ان حالات پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ جب سید انبیا (باوجود کمال نبوت اور
صحت فطرت کے) کا حال ایسا ہے کہ ایک نئے تسمے سے دین کے نقصان کا خیال فرماتے
ہیں۔ اور جامہ پشمین کا پہننا خدا کی دوری کا باعث سمجھتے ہیں۔ تو ہمارا کیا حال۔

آج وہ زمانہ ہے کہ ہوا پرست۔ لالچی۔ طامع۔ خودنما۔ زبانی کلمہ گو۔ باطنی مغرور۔ جامہ پشمین
اور انگشتری زرین پہننا باعث عزت اور فخر جانتے ہیں۔ اور دیوسیرت مشایخ اسباب
اور جاہ اور مال کی کثرت کو اولیائی کا ظہور سمجھتے ہیں۔ اور عالمانہ صورت کے مولوی۔ احمق
جاہل۔ کودن۔ لایعقل۔ اسلام کا رعب وداب اور عزت چالاک اور تیز گھوڑوں اور
ناپاک اور بداطوار غلاموں اور چیلوں اور مریدوں سے خیال کرتے ہیں۔ اور حرص وہوا طمع

اور لالچ کے بندے اور عبد الدینار اور عبد الدرہم۔ اور بدبخت اور بد قماش اور بد اطوار اپنے نام شمس الدین اور نور الدین رکھتے ہیں۔ کتنا فرق ہے۔ ؎ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا گویا برعکس نہند نام زنگی کافور کا معاملہ ہو رہا ہے۔ پس ارباب دانش و بینش و شیدایانِ دین محمدی کو اچھی طرح سے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اس گروہ کا دین شیطانی دین ہے۔ اور اعتقاد فرعونی اور ہامانی ہیں۔ اور ارباب یقین کے نزدیک انکا خسران عیاں اور مبین ہے۔

ما اہل یقینیم یقین دولتِ کم نیست　　آنرا کہ یقین است یقین است کہ غم نیست

اللہ جلشانہٗ نے موسےٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ اے موسےٰ اپنی امت کے گنہگاروں کو کہدو کہ مجھے یاد کریں۔ کیونکہ ہمیں اپنی جلالیت کی قسم ہے۔ جو ہمکو پیار اور محبت سے یاد کرتا ہے ہم بھی اُسکو پیار اور محبت سے یاد کرتے ہیں۔ اور جو شخص ہمکو واہی تباہی غافلانہ یاد کرتا ہے۔ ہم بھی اسکو لعنت سے یاد کرتے ہیں۔ یہہ معاملہ اُس شخص کی نسبت ہے جو ذکر الٰہی غفلت میں کرتا ہے۔ یا ذکر کو غفلت کی بغل میں دبائے رکھتا ہے۔ اُس شخص کی نسبت کیا کہنا ہے جو غفلت کی پلیدی میں گناہوں کی نجاست اور خباثت کو جمع کر لیتا ہے۔ اور وہ نامراد ان دو مرداروں (غفلت اور گناہ) میں رہ کر چاہتا ہے۔ کہ حضرت جبار میرے ساتھ بے حجابانہ کلام کریں۔ اور جبرئیل کا حجاب بھی میرے اور اللہ کے درمیان سے اُٹھ جاوے۔ اس باب کے خوف سے۔ انبیاؤں اور صدیقوں اور شہداء کے جانیں حیرت کی پامال ہو رہی ہیں۔ اور مقربوں اور کروبیوں کی آنکھیں حیرت اور حسرت کا سیلاب بہا رہی ہیں۔ افسوس کہ کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا جو غفلت اور گناہ کے شائبہ سے بالکل خالی ہو۔ ہاں وہ مجذوب ہیں جو عنایت ازلی کی عنایت کے مجذوب ہیں۔ اور اوصاف الٰہی کے مستغرق اور مرعوب ہیں۔ اور ہدایت کی روشنائی کے دلدادہ ہیں۔ اور سعادت کے کوچہ میں قدم نہادہ ہیں۔ اور سر اور پاؤں سے بے خبر ہیں۔

تمکو یاد نہیں۔ کہ میدان ازلی عنایت کے شاہ سوار۔ صاحب ذوالفقار۔ حیدر کرار۔ ہر ولی

کے ہادی اعنی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا یہ حال تھا۔ کہ آپ پر جب نماز کا وقت آجاتا تھا۔ تو آپ ماہی بے آب کیطرح بیقرار اور بے تاب ہوجاتے تھے اور آپکا چہرہ پیلا پڑ جاتا تھا۔ احباب نے عرض کی۔ آپکو نماز کیوقت کیا ہوتا ہے۔ آپنے فرمایا۔ ہائے میں کیا کروں اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آجاتا ہے جسکو آسمان اور زمین اور پہاڑ نہ اٹھا سکے

آسمان بار امانت نتوانست کشید ۔ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

الحاصل جس شخص کی آنکھوں کی ٹھنڈک عورت۔ فرزند۔ نوکر۔ چاکر۔ اور مال اور اسباب اور مرتبہ کی زیادتی اور سلامتی پر منحصر ہو۔ وہ ہرگز خلوص عبادت کی لذت نہیں حاصل کرسکتا۔ اور نہ ہی اسکے گلے سے ذوق شوق اور لذت اور محبت الٰہی کا میٹھا شربت نیچے اُتر سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ عبودیت کے مناجات کی تاثیر۔ اور ہم کلامی کا مزہ حاصل کرسکتا ہے۔ وہ فرعون سیرت موسوی مشرب ہوکر کوہ طور محبت پر ہمکلام ہونے کا مستحق نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ معراج کے زینہ پر قدم رکھنے کے قابل ہے۔

اس مرض مہلک اور جان گسل اور جانکاہ کا علاج (جو اہل زمانہ کی دلوں کی زمین میں جڑ قائم کرچکا ہے۔ اور یہ زخم اندرونی ناسور بن چکا ہے) اسکے سوا نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ زن و فرزند کی ترک کریں۔ اور جملہ علائق دنیوی سے منہ موڑیں۔ اور صرف والہ اور شیدا ہوکر اللہ والے ہی ہوجاویں۔ اور مال اور جاہ کے تعلقات اور محبت کی جڑیں اکھیڑ کر الا اللہ کے دریا میں پھینک دیں۔ اور ظاہری کیا اور باطنی کیا۔ تمام اسباب کو محبت کی آگ میں جلاکر راکھ بناکر اُڑادیں۔ اور قُلنا یا نار کونی بردًا وسلامًا کے شیدائی ہوجائیں۔
ایعزیز۔ اس بیماری کا علاج نہایت مشکل ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے۔ اگر اسکا علاج ہے تو کڑوی اور کسیلی دوا ہے۔ اور چونکہ وہ سخت کڑوی ہے۔ بلحاظ کڑواہٹ کے ہم اسباب کے کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ اس بیماری کا علاج بھی دشوار ہے۔ کیونکہ امت کے بزرگوں نے ہرچند کوشش کی۔ کہ دو رکعت نماز ایسی ادا کریں کہ جسمیں غیریت کا وجود نہ ہو تھک کر چور ہو گئے۔ جگر کو خون خون

کر دیا مگر نہ پڑھ سکے۔ اسلیئے خیال آتا ہے کہ اس امر عظیم کی بجا آوری ہم سے قریبا محال ہے البتہ اس نکتہ کو یاد رکھو (اِن لَّمۡ یُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ) اگر تم اس سعادت عظمے اور نجات کبرے کو حاصل نہ کر سکو تاہم کوشش کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ مولا وہ بھلے دن بھی لے آویگا۔ کہ اول تو تمہاری ساری نماز۔ ورنہ آدھی یا تیسرا چوتھا حصہ ہی یا کچھ ہی وساوس کی آمیزش سے صاف ہوجاویگی بھلا اس گروہ سے تو ہوجاوٗگے جسکے بارہ میں یہ آیا ہے خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ یہ کرم اور رحم اوس کریم اور رحیم کی شان کے لائق ہے۔

دوسرا قسم زکوٰۃ کی آداب میں

زکوٰۃ کے معانی اور حقائق اور اسرار کے بارہ میں چند احادیث لکھی جاتی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کے پاس سونا۔ اور چاندی ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتا۔ قیامت کے دن اُس زر و نقرہ کی تختیاں بنا کر اُنکو دوزخ کی آگ میں تپاوینگے۔ اور اُس دولت مند کی پیشانی اور پیٹھ اور پہلو پر اُنسے داغ دینگے۔ اور اُسکی پیشانی پر ایسا داغ ہوگا کہ اُس داغ کا اثر اُسکی گدی سے دوسری طرف نکل آویگا۔ اور پیٹھ کا داغ سینہ پر معلوم ہوگا۔ یعنے ایک طرف کا داغ دوسرے پہلو پر نمودار ہوگا اور جب وہ تختیاں سرد ہوجاوینگی تو پھر انکو تپا کر داغ لگاوینگے۔ اور وہ دن اتنا لمبا ہوگا کہ قیامت کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ بعد ازاں لوگوں کو موقف حساب سے نکالا جاویگا۔ اور زیر محاسبہ صرف زکوٰۃ نہ دینے والے ہی ہونگے۔ اگر اللہ چاہے تو انکو معاف کردی اور چاہے تو دوزخ میں بھیجدے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جس شخص کے پاس اونٹ گائے بکریاں ہوں۔ اور وہ انکی زکوٰۃ ادا نکرے۔ قیامت کے دن وہ جانور بڑے بڑے اور موٹے تازے پیدا کیئے جاوینگے۔ اور زکوٰۃ دینے والے پر دولتیاں چلاینگے۔ اور اسکو پائمال کرینگے

بلکہ سینگوں سے بھی مارینگے۔ اور لتاڑتے لتاڑتے گذرتے جاوینگے۔ جب سب پچھلا جانور اسیطرح کرتے ہوئے گذرجاویگا۔ تو پھر از سر نو عمل شروع ہوگا۔ اُسوقت خلقت کا حساب سے چھٹکارا ہوگا

ابو ہریرہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالے نے جسکو مال دیا۔ اور اُسنے زکوۃ وا نہ کی۔ اللہ تعالے قیامت کے دن اس مال کو سانپ کی شکل میں متشکل کریگا جو نہایت ہی زہردار ہوگا۔ اور اسکی آنکھوں کے اوپر دو نقطے سیاہ ہونگے (یہ زہریلے سانپ کی علامت ہے) وہ سانپ اسکی گردن کا طوق ہوگا۔ اور اُسکے اعضاؤں کو دانتوں سے کاٹیگا۔ اور منہ سے کہیگا کہ میں تیرا وہی مال ہوں وہی خزانہ ہوں۔ جسکے خرچ کرتے میں تو بخیلی کرتا تھا اس موقعہ پر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑہی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ ای میرے محبوب آپ یہ خیال نہ فرماویں کہ لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو ہمنے ہی اُنکو دیا ہے۔ اور اس انکار سے جانتے ہیں کہ وہ بخل انکے حق میں فائدہ مند ہوگا۔ ہرگز ہرگز نہیں اور وہ بخل ہی عنقریب انکی گرفتاری کا باعث ہوگا۔ اور اُسکے مال کو اقرع سانپ (زہریلا سانپ ہوتا ہے) کی صورت پر اٹھاوینگے جو قیامت کے دن انکی گردنوں کا طوق ہوگا۔

اے میرے دوستو جائے غور ہے۔ کہ دنیا کا مال دراصل آخرت کا توشہ ہے۔ یہ فخر اور تکبر کیواسطے نہیں بنایا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ اور اس مولا کریم کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرو۔ اور اپنے پاؤں پر آپ ہی گھلاڑی نہ مارو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ بخل سے پرہیز کرو کیونکہ بخل ہی نے اُن لوگوں کو تباہ اور برباد کیا ہے جو تم سے پہلے تھے۔ اور اسی بخل نے انکو خون ناحق گرانے پر اور محرمات کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا۔ اور انکی اُلٹی سمجھ ہی انکے لیئے دوزخ کا ایندھن ہوگئی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول علیہ السلام سے پوچھا کہ یارسول اللہ

صدقوں سے کونسا صدقہ افضل ہے۔ اور ازروئے وزن گران ہے۔ آپنے فرمایا وہ صدقہ ہے جو تندرستی کی حالت میں دیا جاوے۔ اور خصوصًا جبکہ نفس بخل کر رہا ہو۔ اور ضروریات سے ڈر رہا ہو۔ اس حالت میں صدقہ دیا جاوے۔ اور بخل وہ ہے کہ نکلتے دم تک اس مال سے الگ نہو پھر مرتے وقت مجبورًا وصیت پر کمر باندہ لے۔ کہ اتنا فلانے کو دیدینا۔ اور اتنا فلانے کو۔ ایسی مجبوری کا صدقہ مفید نہیں پڑتا۔ افسوس کہ بعض نامراد اتنے سے بہی محروم رہ جاتے ہیں۔ اور حسرت اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں۔

ابو ذر غفاری نے روایت کی کہ میں رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کعبہ کے سایہ میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب آپنے مجھے دیکھا تو مجھے فرمایا۔ مجھے اس کعبہ کی رب کی قسم ہے کہ لوگ بہت ہی نقصان اٹھانیوالے ہیں۔ مینے عرض کی یارسول اللہ آپ پر میں اور میرے مانباپ قربان ہوں۔ وہ کون ہیں۔ آپنے فرمایا کہ ہمارا ذکر اُن دولتمندوں کی نسبت ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے مال کو آخرت کا توشہ اور زادراہ عقبے بناویں بہت ہی کم ہیں۔

اس زمانہ میں کیا ہر ایک زمانہ میں ہوئے اور ہیں اور ہوتے رہینگے کہ مال کی دوستی میں ایمان کو تباہ اور برباد کرتے ہیں۔ اور جو لوگ مال کو خدا کی راہ میں کوڑیوں کیطرح بیقدر اور بیمقدار سمجھکر قربان کرتے ہیں اور خداوندتعالےٰ کی رضا اور خوشنودی ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں۔ وہی رستگار ہونگے۔

ایعزیز آخرت کے سچے خواہشمندوں کو ضروری ہے کہ زکوۃ اور صدقہ کے دینے میں اور انکے آداب اور محافظت میں آٹھ باتوں کی ضرور رعایت ملحوظ رکھیں۔ اور وہ یہہ ہیں۔

ادب اول زکوۃ کی فرضیت کے سبب

ادب دوم زکوۃ کے ادا کرنے کے موقعہ سے پہلے کمربستہ اور تیار رہونا۔

ادب سوم زکوۃ کے دینے میں ریا سے بچتے رہنا۔

ادب چہارم۔ زکوۃ دینے میں خلقت کو ترغیب دلانا۔ اور ترغیب کا ہی مقصود ہونا۔
ادب پنجم جسکو زکوۃ دیجاوے۔ اوسپر احسان اور منت نہ جتلانا۔ بلکہ زکوۃ لینے والے کا مشکور رہونا۔
ادب ششم جسقدر زکوۃ دیجاوے اُسکی مقدار کو کم سمجھنا چاہیئے۔
ادب ہفتم جو چیز زکوۃ اور صدقہ میں دیجاوے اسکا صاف اور ستھرا اور پاک ہونا۔
ادب ہشتم زکوۃ دینے میں حقداروں اور متقیوں اور صالحین کی تلاش کرنا۔

باب اول

اَب ہم اُن آداب کی تشریح تفصیل وار لکھتے ہیں۔ کہ ادب اول میں اسبات کا اہتمام ہے کہ زکوۃ کا ادا کرنا اہل اسلام پر فرض ہے۔ اور زکوۃ کا ادا کرنا اسلام کی بناؤں سے ہے۔ حالانکہ زکوۃ کا دینا عبادتِ بدنی کے شمار میں نہیں آسکتا۔ پھر مسلمانوں پر اسکے ادا کرنے کا بوجھ کیوں ڈالا گیا ہے۔ اور تاکید مزید کیوں ہوئی۔ اور آیات قرآنیہ اسکی فرضیت پر کیوں نازل ہوئیں۔ اے صاحبان بصیرت امور بالا کے سمجھنے میں تین وجوہات کا مدنظر رکھنا معلوم ہوتا ہے۔

وجہ اول در معنے زکوۃ (پاک و صفائی) ہم نے یہ اخذ کیا ہے اور اسطرح استنباط کیا ہے کہ کلمہ شہادت جب منھ سے نکلتا ہے۔ تو توحید کا التزام پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ معبود برحق کی وحدانیت اور فردانیت کی شہادت کا اثبات اسمیں پایا جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جو چیز محبوب ہوتی ہے وہی معبود بنجاتی ہے۔ چنانچہ کسی اہل دل کا مقولہ ہے۔ کہ تو جس چیز کی محبت رکھتا ہے۔ در اصل تو اسکا غلام اور نوکر ہے۔ اور مخلوق الٰہی کی ہمتیں خواہ صوری ہوں۔ یا معنوی۔ محبت کے بارہ میں متفاوت ہوتی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ تمام آدمی باوجود علائق جداگانہ کے محبت اور یکتائی کا دم بھرتے ہیں۔ اور یہ بات تو الم نشرح ہے۔ محبت کے مراتب

کی تمیز محبوب کی محبت سے اندازہ کی جاتی ہے اِس ذات عالی مقدس نے حکمت کاملہ سے مال فانی کو خلقت کا محبوب بنا دیا۔ اور اسکے خرچ کرنے کا حکم صادر کیا۔ تاکہ اس تھوڑے سے امتحان سے معلوم ہوجائے کہ صادق المحبت کون ہے۔ اور کاذب کون۔ جو لوگ ارادوں کے ہیٹے اور ذات کے کمینے ہیں۔ وہ تو مال فانی کو قبلہ اور کعبہ مانتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ انکا یہہ خیال ہوتا ہے کہ قبلہ جائے تو جائے۔ مگر مال نہ جائے کسی کا قول نہ جائے

خوک باش وخرس باش واہنی باش و یہو ہرچہ باشی باش اما اندکے زردار باش

اور جو لوگ میدان ہمت کے شہسوار اور اپنے محبوب کی دروازے کی خاکسار ہیں وہ تو محبوبات مجازی کو محبوب حقیقی پر قربان کردینا ایک ادنے بات سمجھتے ہیں اور باوصف ایثار نفسی اور بدنی مالی کے اپنے آپ کو ایک عاجز اور بیکس خیال کرتے ہیں اور لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (ہرگز بھلائی کو تم نہ پاؤگے جبتک تم اُن چیزوں کو خرچ نہ کرو جنکو پیارا اور عزیز سمجھتے ہو) پر عمل کرنا عین سعادت اور رضائے مولے جانتے ہیں اور جب وہ یہہ سنتے ہیں۔ کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ (تحقیق اللہ مسلمانوں سے انکا نفس اور مال اور جان خرید کرلیتے لیکر اسکے بدلے میں بہشت دیتا ہے) سنتے ہیں۔ تو مال اور اسباب سے دلکو ہٹا کر راہ مولے میں خرچ کرکے خوش ہوتے ہیں۔ اور اسموقعہ کو غنیمت اور نہایت عزیز سمجھتے ہیں۔ اور وہ اپنی ملکیت ہی اس چیز کو جانتے ہیں جو راہ مولے میں خرچ ہوجاوے۔ بلکہ جان تک بھی فرق نہیں کرتے۔ اور اپنے سر کو ہتھیلی پر لیئے پھرتے ہیں کہ محبوب کا تیر انکو شہید کرے چنانچہ ایک بزرگ کا قول ہے۔

خبرم رسید کامشب کہ نگار خواہد آمد سر من فدائے راہے کہ سوار خواہد آمد
ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہد آمد

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اس لحاظ کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ اہل ایمان کے تین قسم ہیں۔

قسم اول کے تو وہ لوگ ہیں جو میدان تحقیق کے صادق اور خلق کے عرصہ کے شائق اور یار کے غمزوں اور کنایوں اور اشاروں کے عاشق ہیں اور اقرار توحیدی میں کامل۔ اور بازار وحدانیت

میں اکمل بلکہ کمل ہیں۔ انکا عمل تو یہ ہے کہ زکوۃ کا وجوب اپنے ذمہ پر قائم نہیں ہونے دیتے۔ اور اتنا غلہ جمع نہیں کرتے جسکا دسواں حصہ دینا پڑے اور اتنا نقد موجود نہیں کرتے جسکا مقرر حصہ ادا کرنا پڑے۔ جو کچھ انکے ہاتھ میں آگیا وہ بلا تامل اور بلا توقف راہ مولےٰ میں نثار کردیتے ہیں۔ اور عاجزوں اور بیکسوں اور خاکساران کی جماعت میں رہنا ہی باعث عزت سمجھتے ہیں۔ اور محبوب ازلی و مطلوب لم یزلی کی عاجزانہ دعا اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ پر دل و جان سے اور دین و ایمان سے پابند ہوتے ہیں۔ نقل ہے کہ۔

ابو القاسم جنید اور ابو الحسن نوری رحمہما اللہ تعالے کو لوگوں نے کسی امر میں متہم کرنا چاہا۔ اور اتمام حجت کے خیال دوڑانے لگے۔ چنانچہ آپ سے سوال کیا کہ زکوۃ کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ آپنے جواب دیا کہ مذہب عامہ میں تو دوسو درہم سے پانچ درہم دینے پڑتے ہیں۔ اور میرا عقیدہ یہ ہے۔ کہ اگر کسی فقیر کی ملکیت میں تمام دنیا ہو۔ اور وہ اس نعمت کو ایک لحظہ کی محبت اور معرفت الٰہی کے مقابلہ پر دیدے۔ تاہم میرے نزدیک وہ قصوروار ہی شمار ہوتا ہے۔

اور جب یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (وہ کون شخص ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کردیا۔ اور حضرت عمر بھی مال لائے مگر نصف۔ رسول علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ ماذا بقیت لعیالك (تم نے اپنے عیال کے واسطے کیا چھوڑا) آپنے عرض کی کہ صرف اللہ کو اور اسکے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول مقبول علیہ السلام نے سوال کیا تو اونہوں نے جواب دیا۔ کہ جسقدر لایا ہوں۔ اسیقدر گھر رکھ آیا ہوں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تم دونو کے مراتب کا فرق اتنا ہی ہے جتنا کہ تمہارے بات سے پایا جاتا ہے۔ یعنے تمہارا مرتبہ ابوبکر سے نصف ہے۔ وفا کا اصلی کام یہی ہے کہ حقیقی محبوب کا محب غیر محبوب کا ذخیرہ نہ بناوے۔ ہاں ذخیرہ وہ کرے۔ جسمیں محبوب حقیقی کے قرب کا قرب ہو جاوے۔

(قسم دوم) اس سے کم درجہ پر ایک اور گروہ ہے۔ کہ محبت کے میدان میں صادق ہونیکا دعوےٰ کرتے ہیں

مگر وفا کا حوصلہ پورا نہیں رکھتے اور مال حلال کا ذخیرہ صرف فراغ عبادت اور طاعت کیواسطے رکھ لیتے ہیں۔ اور اُس کی حفاظت میں اپنے ہاتھ کو صرف امانت کا ہاتھ ہی سمجھتے ہیں۔ اور اچھے اچھے موقعوں کے متلاشی رہتے ہیں اور صاحبان حاجت کی تاڑ رکھتے ہیں۔ جب کسی حاجتمند کو پاتے ہیں تو فوراً اسکی حاجت روائی پر کمر باندھتے ہیں بلکہ دلوں کے دروازوں پر جاگزین رہتے ہیں۔ صدقہ اور خیرات کے موقعہ کو غنیمت جانتے ہیں۔ صرف مقررہ زکوۃ کے ادا کرنے پر ختم نہیں کرتے بلکہ ہر دم کمربستہ اور تیار رہتے ہیں یہ درجہ متوسطین کا ہے۔

(قسم سوم) یہ درجہ عام مسلمانوں کا ہے کہ جو چیزیں انکو ضروری ہوتی ہیں۔ اور اونسے انکو چارہ نہیں ہوتا۔ انہی پر بس کرتے ہیں علاوہ ازیں اور کوئی خیال نہیں ہوتا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی وصف رکھتے ہیں کہ کسی کا نقصان نہیں کرتے۔ یہ درجہ ادنے ہے۔ اللہ تعالے کی حکمت کاملہ نے اپنی عنایت سے انکو مال کی جمع آوری کی لت نہیں ڈالی۔ اور نہ ہی انکے نفس کی لگام کو بخل کیطرف موڑا۔ چونکہ انکی محبت ابھی ضعیف ہی صرف اتنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ درصل یہ وقعات جو ان سے سرزد ہو رہے ہیں۔ یہ اونکے اوس اعتقاد کے ضعف کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو آخرت کے متعلق ہونے چاہئیں۔ اب اول کا نتیجہ یہ ہے کہ قاف قرب کی عالی ہمت عنقا کہاں۔ اور صحرائے شامت اور شومت کے الو کمینے کہاں۔ عالی ہمت اور مدارج عرفان کے شیفتہ اور محبت کے شیدا اور ایثار کے فریفتہ کہاں۔ اور سطحی خیالات اور کسی توہمات کے گرفتار کہاں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لیس شئ خیر من الف مثلہ الا المؤمن (ہزار سے کوئی چیز اچھی نہیں مگر مومن

درجہ دوم درمعنے زکوۃ

اس درجہ میں دل کے شیشہ کو جلا دینے کے بیان میں ہے۔ چونکہ بخل اُن بیماریوں سے ہے جو مہلک ہیں اسلئے بڑا ضروری کام یہ ہے کہ دل کو بخل کی خباثت اور سیاہی سے پاک کیا جاوے چنانچہ اللہ تعالے فرماتے ہیں وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (جسنے اپنے نفس کو بخل کی خباثت سے پاک کیا وہ نجات یافتوں سے ہے) اور رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے ثلث مهلکات احدهم شح مطاع (تین چیزیں آدمی کو ہلاک کرنے والی ہیں اور ایمان کو تباہ کرنے والی ہیں ان میں سے ایک تو بخل غالب ہے)

چونکہ بخل کی بیماری معنوی بیماری ہے اسلیئے اسکی تاثیر قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔ اور اس بخیل نفس کو ہلاک ابدی میں گرفتار کرکے دوزخ میں ڈالدے گی۔ اسلیئے اس بیماری کا علاج نہایت ضروری ہے۔ ہم تمکو کہہ دیتے ہیں کہ بخل کی بیماری کا علاج یہی ہے کہ جسقدر مال تمہیں ملے خدا کی راہ میں لُٹا دو۔ اور جو چیز تمہاری ملکیت میں آوے اُسکو راہ مولے پر قربان کردو تاکہ اس مرض کے خطرات سے تمہیں خلاصی نصیب ہو۔

(وجۂ سوم در معنے زکوٰۃ) مالی نعمت کا شکر زکوٰۃ دینا ہے۔ جب اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے ایک بندے کو دولت مال اسباب عنایت کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص میرا ہی ہم شکل نہایت عاجز اور محتاج ہے اور وہ بیچارہ فقر اور فاقہ میں گزارہ کر رہا ہے۔ اور اسکے بال بچے نہایت سقیم الحالی اور تنگدستی کے گرفتار ہیں۔ اور وہ شخص اس خدا داد نعمت سے اسکی دستگیری نہیں کرتا۔ اور اسکے بال بچوں کے بھوکا رہنے پر اسے ترس اور رحم نہیں آتا۔ تو اس سے زیادہ بدبخت اور سنگدل دنیا بھر میں اور کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اُسنے نہایت بے رحمی سے کام لیا ہے۔ اور وہ خشم جباری اور غضب آلہی کی گرفتاری کا سزاوار ہو گیا ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو موقف حساب میں پیش کرینگے۔ ذات پاک منزہ مطلق بیچون اور بیچگون اس سے پوچھینگے کہ دنیا میں ہمنے تم سے کھانا مانگا تھا۔ مگر تمنے نہ دیا۔ وہ عرض کریگا کہ اے مقدس مطلق تیری ذات ان باتوں سے پاک ہے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ خطاب ہوگا کہ میرا فلانا بندہ تیرے پاس کچھ لینے آیا تھا۔ مگر تو نے اسکے ساتھ ترشروئی کی۔ اور فلانے برہنہ تن نے تجھ سے کپڑا مانگا تھا۔ تو نے اُسکو نہ دیا پر نہ دیا۔ آج ہمیں اپنی عزت اور جلالت کی قسم ہے جیسا تو نے ہمارے بندوں کو محروم کیا تھا۔ آج ہم اپنے الطاف کریمانہ سے تجھے محروم رکھتے ہیں۔

(ادب دوم معنے زکوٰۃ میں ہے) جہانتک ہوسکے زکوٰۃ کے ادا کرنے میں جلدی کرنا چاہیئے اگرچہ جلدی کرنا امر معیوب ہے۔ مگر زکوٰۃ اور جنازہ اور نکاح دختر بالغہ میں مستحسن خیال کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کے جلدی ادا کرنے میں چند فوائد مرکوز ہیں۔

فائدۂ اول یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی زکوٰۃ کے ادا کرنے میں رغبت ہے۔ اور فرمان آلہی

کے ملنے میں ارادہ مستقل اور عزم بالجزم ہے اور فرمان الٰہی کی بجا آوری صحت ایمان پر دلالت کرتی ہے

فائدہ دوم یہہ ہے۔ کہ مستحقین کے دلوں میں خوشی ظاہر ہوتی ہے۔ اور فقرا کے دلوں کی فرحت اور راحت ہی اعمال ثقلین سے بہت زیادہ ہے۔ حدیث نبوی ادخال السرور فی قلب المؤمن یوازی عمل الثقلین (مومن کو دلمیں خوشی کا پیدا کرنا اعمال ثقلین کے برابر ہے) اسپر شاہد ناطق اور گواہ کامل ہے

فائدہ سوم یہ ہے کہ زمانہ کے حوادثات کا ظہور اس زکوۃ اور صدقہ سے رک جاتا ہے۔ (الصدقۃ رد البلاء) صدقہ بلاؤں کا روکنے والا ہے شہادت دے رہا ہے۔

فائدہ چہارم یہ ہے جو شخص داعی الی الخیر ہوتا ہے اسکو سوال کا جواب ملتا ہے۔ اور یہ دعا کرنیوالے ملائکہ کرام ہوتے ہیں۔ طالب آخرت کو لازم ہے کہ جب ادائے زکوۃ میں یہ فوائد ہیں تو ایسے وقت کو غنیمت سمجھے اور جہانتک ہوسکے اس مبارک وقت کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اور زکوۃ ادا کر کے شیطانی وساوس سے امین اور بیفکر ہو جاوے۔ کیونکہ اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے۔ الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء (شیطان تمکو فقیر ہو جانے سے ڈراتا ہے اور فحشاء یعنے بخل کا حکم دیتا ہے) غور سے پڑھے۔

اگر ادائے زکوۃ کا کوئی خاص اور مشہور وقت مقرر کیا جاوے۔ تو بہت مناسب ہے مثلاً ماہ محرم کو مقرر کرے کیونکہ اسی سے سال کا ابتدا شروع ہوتا ہے۔ یا رمضان شریف یا ماہ رجب۔ یا ماہ ذالحج۔ کیونکہ ذی الحج ذی کے عشرہ کے ایام میں برکت ہی ہے۔ اور حج بھی ہے۔ اور ایام معدودہ بھی ہیں۔

ادب سوم در معنے زکوۃ) مستحق کو اگر زکوۃ دیجاوے تو پوشیدہ دینی افضل ہے۔ جاننا چاہیئے صدقہ دیتے وقت جتنا اخفا سے کام لیا جاوے۔ افضل ہے بلکہ بمنزلہ احصا کے ہے۔ اور وہ ایسا قلعہ ہے جسمیں ریا اور جاہ طلبی کی آفات کو دخل بھی نہیں ہو سکتا۔ اور دینے والے کا اخلاص پایا جاتا ہے جو قبولیت کی دروازہ کی کلید ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب آدمی نیک کام کرتا ہے اور اوسکو پوشیدہ رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالے بھی اُسکو دفتر مخفیات یعنے محل قبول میں رکھ لیتے ہیں۔ اور اگر کسی طرح سے بھی اسکو ظاہر کر دیتا ہے تو پھر اسی کام کا دفتر مخفیات سے نکالکر دفتر ظاہرات میں رکھا جاتا ہے اور اگر دینے والا کسی کے سامنے بات بھی کر دیتا ہے تو ان دونو دفتروں سے نکال کر دفتر ریا میں لکھدیتے ہیں۔ اور ریا سب بلاؤں سے زیادہ

بلا ہے۔ اور عمل کے ضایع ہونے کے واسطے سخت وبا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جبکہ سورج کی گرمی تیز ہوگی۔ اور زمین سخت گرم ہوگی اسوقت سات آدمی اللہ کی عنایت کے سایہ میں آرام سے بیٹھے ہونگے۔ پہلا ان میں سے وہ ہوگا جسنے صدقہ داہنے ہاتھ سے دیا اور بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہوئی۔ اور بعض بزرگان دین کا یہ قاعدہ تھا کہ صدقہ کو تھیلی میں ڈالکر مستحقین کی رہ گزر میں رکھ دیتے تھے۔ انکا اصل منشا یہ ہوتا تھا کہ لینے والا دینے والے کو بالکل نہ جانے۔ اور بعض حضرات جنکو ریا کا اندیشہ نہ ہوتا تھا۔ وہ ایک وکیل کے سپرد کر دیتے تھے۔ انکا بھی یہی منشا ہوتا تھا کہ مستحقین دینے والے سے شرم نہ کریں۔ اور جو لوگ راہ گذر میں رکھ دیتے تھے۔ انکو یہی اندیشہ دامنگیر رہتا تھا۔ مبادا کہ بلائے ریا کے پنجہ میں گرفتار ہو جاویں۔ اور جب وہ سمجھتے تھے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا دینا مرض بخل کا عمدہ علاج ہے۔ اور ظاہر کرنا بھی ریا کا باعث ہے اور بخل اور ریا دونوں امراض مہلکہ سے ہیں! اسلیئے ایسی صورتیں پیدا کرتے تھے۔

حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں بخل کی شکل بچھو کیطرح متشکل ہوگی۔ اور ریا کی سانپ کیطرح اور کہتے ہیں کہ سانپ کا زخم بہ نسبت بچھو کے زیادہ خوفناک ہے۔ اسلیئے ان دونو بلاؤں کے دور کرنے کیواسطے اخفا میں مبالغہ کرنا چاہیئے

(ادب چہارم رمعنے زکوٰۃ) اگر صدقہ اور زکوٰۃ کے ظاہر دینے سے یہ مقصود ہو۔ کہ دوسروں کو ترغیب ہوگی۔ اور وہ اقتدا کرینگے تو ظاہر دینا چاہیئے۔ ظاہر دینا اکابران اور متقیوں کا کام ہے۔ جو اپنے آپ کو ریا کے شائبہ سے محفوظ رکھ چکے ہوں۔ اور سالہا سال سے نفس امارہ کو ریاضت کی بوتہ میں پگھلا چکے ہوں۔ اور دل کے شیشہ کو صفات مذمومہ کے غبار سے صاف کر چکے ہوں۔ اور خلقت کی تعریف اور عدم تعریف کا وجود انکے ترازوے خیال میں ایک ہی وزن رکھتا ہو اور عجب اور ریا کے عوارض سے بالکل سالم اور صحیح ہوں اور اللہ جلشانہ نے بھی اونکے وجود کو صرف لوگوں کی ہدایت کی واسطے ہی پیدا کیا ہو۔ اگر گروہ موصوفہ بالا زکوٰۃ اور صدقہ دینے میں اظہار کرے۔ تو نورانیت کے سوا اس سے اور کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اور لوگوں کو ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ اور عوام الناس آپکا اقتدا کرتے ہیں

جسکا نتیجہ یہہ ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں کے اعمال کا ثواب عام لوگوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہوتا ہے کیونکہ حدیث نبوی مصطفوی مَنْ سَنَّ سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا جسنے نیک سنت کو کیا اسکو اسکا بھی بدلہ ملتا ہے۔ اور جو شخص اسپر عمل کرتے ہیں انکا بھی اجر ملتا ہے۔) ناطق شاہد ہے۔ اگر مستحق اُس گروہ سے ہو۔ جو صدقہ یا زکوۃ کا ظاہر طور پر لینا منظور نہیں کرتا۔ اسکو بہر حال او رہر نہج پوشیدہ ہی دینا چاہیئے۔

آداب پنجم در معنے زکوٰۃ زکوٰۃ اور صدقہ دینے میں اسبات کا لحاظ ضرور ہی رکھنا چاہیئے۔ کہ جسکو کچھ دیا جاوے۔ اسپر احسان یا منت نہ جتلایا جاوے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے صدقات کو منت اور ایذا سے ضائع نہ کرو) منت اور اذے کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض تو منت کے یہہ معنے کرتے ہیں۔ کہ زکوۃ دینے والا مستحق کو اپنے زکوۃ دینے کے باعث کسی کام کو کرنے کا حکم دے اور تحکمانہ اس سے کام لے۔ اور اذے کا یہہ مطلب ہے کہ مستحق کو عیب لگائے۔ اور غریبی اور ناداری کے باعث اس سے عار رکھے۔ بعض کا بیان ہے۔ کہ منت یہہ ہے کہ اسپر تکبر جتلاوے اور اذے یہہ ہے کہ سخت اور سست باتیں کرکے مستحق کی دل آزاری کرے۔ بعض کا قول ہے کہ منت وہ ہے کہ دل میں صرف اتنا ہی دہیان رکھے کہ مینے اسکے ساتھ بھلائی کی ہے۔ اور اذے یہہ ہے کہ زبان سے بھی اسبات کو بیان کرے۔ یہ قول سب سے صحیح اور قوی ہے۔ کیونکہ اگر زکوۃ یا صدقہ دہندہ مستحق سے احسان چاہتا ہے تو چند وجوہات سے یہ خیال بالکل فضول ہے۔

وجہ اول یہہ ہے کہ مستحق صدقہ قبول کرکے معطی (زکوۃ دہندہ) کو ان ذمہ واریوں سے بچاتا ہے جو قابل مواخذہ ہیں

وجہ دوم یہہ ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے الصدقۃ تقع بید اللہ قبل ان تقع بید السائل (جو صدقہ دیا جاتا ہے سائل کے ہاتھ میں آنے سے پہلے وہ اللہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے) چونکہ مستحق اس صدقہ کو نیابت الٰہی کی صورت میں قبول کرتا ہے اور لیتا ہے اور صدقہ لینے کے وقت مستحق

نائب خدا ہوتا ہے۔ اور معطی کو باز پرس کے دن مواخذہ سے بچانے کا ذمہ وار ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ معطی مستحق کا مشکور اور ممنون رہے۔ کیونکہ وہ ایک بڑی ذمہ واری کا ذمہ وار ٹھیرایا گیا ہے۔

وجہ سوم یہہ ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں **ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق** جو کچھ تمہارے پاس ہے جانیوالا ہے اور جو کچھ اللہ کے خزانے میں رکھا گیا ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے) در اصل اس صورت میں مستحق ایک ایسا وکیل ناصح ہے جو وکالت کے ذریعہ معطی کے مال کو جو فنا کے سیلاب میں جلدی ہی ڈوبنے والا ہے۔ نہایت حفاظت اور مہربانی اور شفقت سے بچاتا ہے۔ گویا اسکی کشتی کا ملاح ہے۔ جو باد صرصر یا باد مخالف سے تھامے ہوئے امن اور امان کے پتن پر لگا دیتا ہے۔ اور اسکے دیے ہوئے کو نہایت حفظ کے ساتھ اللہ کے خزانہ میں جمع رکھتا ہے۔ اسمیں شک نہیں معطی کا حق نہیں کہ مستحق پر احسان جتلائے۔ بلکہ اگر مستحق معطی پر احسان جتلائے تو سزاوار اور انسب ہے۔ ان وجوہات کے باعث صلحا، اور نجبا، اور اولیاء کی ایک پاک جماعت زکوۃ کے مال کو اپنے ہاتھ پر رکھکر نہایت ادب سے اور انکسار اور عجز اور تواضع سے مستحق کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی یہہ دلمیں خیال رکھتے تھے کہ یا اللہ میری اس بضاعت مزجات کو خدائے وکیل (مستحق) قبول فرمائے۔ اور زکوۃ یا صدقہ کے مال کو پیش کرتے وقت یہ خیال مقدم رکھتے تھے کہ سائل کا ہاتھ اوپر ہوا اسلئے حضرت عمر اور ام سلمہ اور عائشہ کا یہہ قاعدہ تھا کہ جب مستحق دعا دیتا تھا۔ تو آپ مستحق کو قبول کرنے کی خاطر دعا دیتی تھیں۔ بلکہ مستحق کے ممنون اور مشکور ہوتے تھے

ادب ششم در دینے زکوۃ) جسقدر صدقہ یا زکوۃ دیجاوے اُسکی مقدار کو کمتر سمجھنا چاہیے اور یہہ خیال رکھنا لازم ہے کہ شاید کوئی ایسا مال ہو جسکی زکوۃ نہ دی گئی ہو۔ اگر مقدار صدقہ وغیرہ کو ایک رقم کثیر سمجھا جاوے تو ایک قسم کا عجب طبیعت میں پیدا ہوتا ہے اور یہہ وہ عجب ہے جو اعمال صالح کا ستیاناس کر ہوتا ہے۔ اگر مقدار صدقہ کم سمجھا جاوے تو عجب اور تکبر کا استیصال اس سے ہو جاتا ہے اور عجب وہ بلا ہے جسکو ہم صفا یا مہلکات کی بلا کہہ سکتے ہیں علما کا قول ہے کہ عبادت کو جتنا تھوڑا سمجھا جاوے اتنی ہی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور معصیت کو جتنا قلیل سمجھا جاوے اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے اور دولتمند اور مالدار دیندار کو لازم ہے۔ ان تین وجوہات مذکورۃ الصدر کے واسطے اپنے کو

ان تین وجوہات کے باعث پر تقصیر ھی خیال کرتا رہے۔

وجہ اول۔ آپ کیا اور گھر بار کیا اور اسکا مال و اسباب کیا۔ سبکے سب حوادثات کے طوفان کے راہ گذر پر ہیں اور فنا کے تھپیڑوں سے بہت جلدی غرق ہونے والے ہیں۔ اللہ جلشانہ نے اپنی رحمت عامہ او رفضل کاملہ سے انکے بچانے کا طریقہ سمجھا دیا ہے۔ اور حکم دیا ہے۔ کہ اگر تم بیفکر ہونا چاہتے ہو تو اس اسباب کو ہماری محفوظ مکان میں رکھدو۔ پھر یقین رکھو۔ کہ فنا کے حوادثات کا وہاں گزر ہی نہ ہوگا۔ اور جب تم یہاں سے انتقال کر کے اس مولے پاک کے حضور میں جاؤگے۔ تو وہ فرشتہ اسباب پھل پھول بنکرا ور حور اور قصور کی شکل لیکرا ور نعیم اور لذات کی صورت میں تمہارا استقبال کریگا۔ مگر بعض کم حوصلہ۔ کندہ ناتراش۔ کج فہم۔ حکم الہی کو طاق نسیان پر دھکر کچھ بھی نہیں بھیجتے۔ اور مولے پاک کی ہدایت کو امر فضول میں رکھتے ہیں۔ گویا اُن نالائقوں نے اپنے پاؤں پر آپ ہی کھلاڑی ماری۔ اور حقوق الٰہی کی شرطوں کیطرف بالکل خیال ہی نہیں کیا۔

وجہ دوم یہ ہے کہ عطا کرنے والا ایک فانی چیز کو کسی مستحق کو (جو خدا کا وکیل ہے) دیتا ہے اور اس عمل کو عوضانہ میں اس مالک الملوک کی بارگاہ سے سات سو گنا کا امیدوار ہے۔ اگر دینے والا اس امر کو وقعیت پر محمول کرتا ہے۔ اور اسکا موضوع الٰہی محبت ہے۔ تو ایسے معاملہ بڑھنے والے کو غنیمت سمجھے۔ اور جو کچھ رکھتا ہے اوس معطی مطلق کی جناب میں حاضر کردے۔ اور جب وہ دو سو سے پانچ اور چالیس سے ایک بھی نہیں دیتا۔ اور اگر دیتا ہے تو طبیعت کے اکراہ سے دیتا ہے۔ تو اپنے آپ کو قاصر ہمت سمجھے۔ اور یہ خیال نہ کرے کہ میرا یہ عمل کچھ وزن رکھتا ہے۔ یا اُسکی کچھ قدر ہے اگر فرض کوئی شخص ادا کرلے تو در اصل اسنے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ البتہ وہ بڑا کام ہے کہ نفلوں کو فرضوں سے زیادہ خیال پر ادا کرے۔

وجہ سوم یہ ہے کہ دنیا کا جو مال اور اسباب ہے۔ سب کا مالک خدا ہی ہے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جکی مستقلہ ملکیت ہو۔ اور جکو لوگ اپنا مملوک جانتے ہیں۔ وہ یا تو عاریت ہے۔ یا امانتی ہے۔ پس خداوند کریم دولتمندوں کی آزمایش کے واسطے مستحقوں کی آڑ میں (جو خدائی وکیل ہیں) اپنی امانت طلب

کرتا ہے۔ اور دولتمند ادائے امانت کی وقت صرف اتنا ہی دیتے ہیں جو عام معمول اور ادنے درجہ کا
مقرر شدہ ہے بلکہ بسا اوقات اسکے ادا کرنے میں بہی ٹال مٹول کرتے ہیں۔ اور باوصف اس دنائت کی انکو
شرم نہیں آتی اور ایسی عمل کو مقبول اور پسندیدہ سمجھتے ہیں یہ تمام باتیں اسلیئے کرتے ہیں کہ وہ اصل معاملہ سے جاہل ہیں۔

ادب ہفتم در بیعنے زکوۃ) اللہ کی راہ میں جو چیز دیجاوے۔ ستھری اور عمدہ اور پاک ہو۔ رسول
علیہ السلام نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا (اللہ پاک ہیں اور وہ کوئی چیز قبول نہیں کرتے مگر
جو عیب اور شبہ اور ریا سے پاک ہو) اللہ جلشانہ فرماتے ہیں اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ (جو
چیزیں پاکیزہ تمنے کمائیں۔ اور تم انکو عزیز بھی رکھتے ہو۔ ہماری رضا کے واسطے انہی چیزوں کو ہمارے
پاس بھیجو) اور ذات پاک یہہ بھی فرماتے ہیں وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ
اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ (یعنے جو تمہارے مال ردی ہیں ہمارے خوش کرنے کے واسطے ہماری راہ میں انکو خرچ
نہ کرو۔ کیونکہ اگر موقعہ پاکر وہی تمکو واپس دئے جاویں۔ تو تم ہی انکے لینے سے آنکھیں بند کروگے اور
ناک چڑھاؤگے)۔

در اصل یہہ بات ہے کہ جسقدر اللہ تعالے کی محبت کسی بندہ کے دل میں زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی
اسکے ایمان کی صحت پر دلالت کریگی۔ اور خدا کی کامل محبت کا یہہ نشان ہے کہ اس شخص کو سب سے
زیادہ اللہ صاحب ہی پیارے ہوں۔ جسکی تصدیق اصدق الصادقین کی زبان مبارک سے ہوتی ہے
لا یؤمن احدکم حتی یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما (کسی شخص کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔
جبتک اسکو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت سب چیزوں اور سب رشتہ داروں سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ اس
ایمان کا لب لباب ہے۔ کہ خدا کے راہ میں اس چیز کو صدقہ دینا چاہیئے۔ جو سب سے بہتر اور افضل ہو اور
جو لوگ ایسا نہیں کرتے۔ وہ منافقین کے گروہ میں محسوب ہونگے۔ چنانچہ اللہ جلشانہ منافقین کے بارہ میں
فرماتے ہیں ویجعلون للہ ما یکرھون (منافقوں کی یہہ پہچان ہے کہ انکا جو مال ردی اور گندہ ہوتا ہے
وہ اللہ کے متھے مڑھ دیتے ہیں۔ پھر اس کرتوت پر درجات کی امید پہ کمر باندہتے ہیں۔ ایعزیز اگر تمہارے
ہاں کوئی پیارا مہمان آجاوے۔ تو آپ نہایت ہی اہتمام کرتے ہو کہ اچھا کھانا تو اسکے سامنے لا رکھتے ہو

اور جو کم درجہ یا خراب کھانا ہوتا ہے۔ اسکو اسکے سامنے لانے سے بھی شرم کرتے ہو۔ بلکہ اسکو کہیں ایسی جگہ چھپا دیتے ہو۔ جہاں تمہارا خیال کہیگا کہ یہاں اُسکی نظر نہ پڑے گی۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ تم نہایت دلیری اور بیباکی سے وہ کھانا جو نہایت ردی اور بدبودار اور باسی ہوتا ہے۔ خدائی وکیل کے سامنے رکھدیتے ہو۔ جسکو ہم خدا کے نائب سے تعبیر کرتے ہیں

گویا تمنے خدائی وکیل کی نہ پرواہ کرنے سے یہ ثابت کر دیا کہ جسکا وہ وکیل ہے اس سے بھی شرم نہ کی۔ آپ ہی انصاف کریں کہ جو شخص مخلوق خدائی ہے اس سے تو شرم کرے اور خالق کے سامنے بیشرمی سے پیش آوے۔ یا ان الفاظ سے کہتا ہوں۔ مخلوق کی قدر خالق سے زیادہ جانے۔ کیا اس شخص کا ایمان کچھ قیمت رکھ سکتا ہے۔ یا اسکو ایسا بودا ایمان قیامت کو دن بچا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ الله جلشانہ ایسے آدمیوں کے بارہ میں فرماتے ہیں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ بعض آدمی ایسے کہ لقلقہ کی زبان سے کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم الله اور قیامت کے دن پر ایمان یقینی رکھتے ہیں۔ مگر مومن صادق نہیں ہوتے۔ اونکا یہ کہنا بجاے اسکے کہ موجب رہائی ہو الٹا باعثِ وبال ہو جاتا ہے۔

(شرط ہفتم در معنے زکوۃ) دولتمند پر واجب ہے کہ زکوۃ کے دینے کے وقت ایسے آدمیوں کی تلاش کرے۔ جو متقی اور صالح اور پرہیزگار اور دیندار ہوں۔ بلکہ مستحق زکوۃ لینے کا وہ شخص سمجھا جائے جسمیں پانچ اوصاف پائی جاتے ہوں۔ اول تقوے۔ دوم علم۔ سوم عفت۔ چہارم حرفت۔ پنجم قرابت۔ اب ان اوصاف کی بابت مختصر طور پر ہم لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ یہ ذمہ واری ہماری سے ساقط ہو جاوے۔

صفت اول تقوے دولتمندوں پر لازم ہے کہ ایسے آدمی کی تلاش کریں جو پرہیزگار ہو اور نماز کا تارک نہ ہو۔ اور جسمیں یہ اوصاف پائے جاویں۔ اسکو مستحق سمجھکر الله کا حق اسکے سپرد کر دے۔ زکوۃ فرض ہونیکا اصل مطلب یہی ہے کہ ارباب قلوب کے فاقہ کو روکا جاوے۔ اور اہل الله کے خرچ اخراجات کو دولتمندوں سے سبکدوش کیا جاوے تاکہ وہ اپنے تمام اوقات کو ذکر اذکار۔ ورد و اوراد او

عبادات میں خرچ کریں اور اپنے ظاہر اور باطن کو عبادت کے لیئے مستعد رکھیں۔ بلکہ وقف کردیں۔ اور سب
اور اکتساب دنیوی اور تجارت اور آمد و رفت کے دروازے کو تیغہ کردیں۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں رِجَالٌ
لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ کے بندے وہ شخص ہیں۔ جنکو تجارت اور بیع اللہ کے ذکر کی
مانع نہیں ہوتی) یعنے جن بہادروں نے اپنی جان اور مال اور وقت کو اُسی مولا پاک پر قربان کردیا
ہے۔ اور اُسکی یاد میں اِدہر اُدہر دم لینا بھی کفر جانتے ہیں اور قمری کیطرح اسی سرو خوش خاستہ کی یاد
میں کوکو کررہے ہیں۔ اور بلبل شیدا کیطرح حقیقی پھول کی یاد میں چہچہا رہے ہیں۔ اور ماہی بے آب کیطرح
دن رات تڑپ رہے ہیں۔ انکی فارغ البالی اور خوشحالی اور بے تعلقی کی خاطر اہل دنیا پر فرض کیا گیا ہے
تاکہ اللہ کا حق انکو ملجاوے۔ جو اللہ کی یاد میں مستغرق اور محو ہیں اور جنہوں نے غیریت کے پردہ کو جلاکر
صرف اللہ اللہ ہی اپنے دل میں رکھا ہوا ہے۔ اور دن رات اسی کے مشتاق ہیں۔ اور اس دنیائے دوں
میں یاد الٰہی کا اثر اتنا تو نمایاں ہو کہ انکے خیال فقر اور حاجت کی پریشانی سے بچے رہیں۔ اور پوری
ہمت اور کامل فراغت سے اپنے محبوب کے گلے میں چمٹے رہیں۔ اور مردان کارزار محبت کے پہلوانوں
کی برکت انفاس سے یہ لوگ دنیا دار گنہگار بھی خدمت کے وسیلہ سے انکی عبادت میں شریک ہوجاویں
اور اُن مقبولوں کے دعا سے اور عبادات کی برکت سے بیچارے گنہگاروں کا بیڑا بھی کنارہ نجات پر جا
پہونچے۔ اسیواسطے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے اطعموا طعامکم الاتقیاء (تم اپنا کھانا پرہیزگاروں
کو ہی کھلاؤ۔ جبتک اس کھانے کی قوت کھانے والے میں موجود رہتی ہے۔ جو کام کھانیوالا کرتا ہے
خواہ عبادت ہو یا معصیت کھلانے والا اسمیں حصہ دار ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام دنیاوی اسباب کے لحاظ سے غریب تھے۔ یعنی دنیا
کی کوئی چیز آپ کے پاس موجود نہ تھی۔ اور بنی اسرائیل کا یہ دستور تھا کہ ہر روز باری باری آپکو کھانا کھلایا
کرتے تھے۔ ایکدن موسے علیہ السلام اس حالت سے نہایت بیقرار اور بے چین ہوئے۔ اور نہایت شکستہ
دل ہوکر عرض کی کہ یا مولا یہ کیسی خواری اور بیعزتی کی بات ہے کہ ایک آدمی مجھے صبح کا کھانا
کھلاتا ہے۔ اور دوسرا شام کا۔ اسطرح تیرا بندہ تیرے بندوں میں ذلیل ہورہا ہے۔ اللہ جلشانہ نے

نے فرمایا اے عمران کے بیٹے ہم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ یہ ہماری سنت ہی کہ ہم اپنے پیاروں کی خوراک دنیادار غافلوں کے ذمہ ڈال دیتے ہیں۔ تاکہ وہ بدبخت سیہ کار بھی ہمارے دوستوں کو کھانا کھلاکر سعادت ابدی میں شریک ہوجاویں۔ اور سعادت اخروی میں مشرف ہوجاویں۔

(صفت دوم علم ہے) زکوۃ دینے والے کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ جسکو میں زکوۃ دے رہا ہوں وہ عالم اور صالح اور متقی ہے۔ اگر ایسے آدمی کو صدقہ دیا جاوے تو اسکا ثواب دگنا ہوجاویگا اس علم سے ہماری مراد علم معرفت اور علم آداب اور علم خدا شناسی کی ہے۔ اور وہ علم ہے جسکے ذریعہ سے بندہ الٰہی قرب میں متقرب ہوجاوے۔ اس علم سے وہ علم مراد نہیں جنسے حسد اور تکبر اور نخوت کے سوا اور کچھہ نہ ہو مثلاً علم فارسی۔ نجوم۔ جفر۔ ریاضی۔ طبابت۔ مجادلہ۔ خصوصاً وغیرہ۔ اس علم سے وہ علم مراد نہیں۔ جسکو دنیا کے مردار کیڑے علم سمجھتے ہیں۔ یہ علم حجاب اکبر ہوجاتا ہے۔ اور کامل موحد کی توحید کا یہ نشان ہے۔ کہ صدقہ اور زکوۃ کے وقت اسکے دل پر صرف مولے کی عنایت کا نور چمکتا ہو اور ایسی وحدت کی ناؤ پر سوار ہو کہ ملاح اور چپوں کی امداد کا اسے مطلق خیال نہو۔ گویا اسوقت اللہ پاک کے اوصاف کاملہ میں استغراق کامل رکھتا ہو۔ ہاں جب دریائے وحدت سے سیر کرتے کراتے اسکی کشتی کنارہ پر آلگے اور وسائل کے وجود کو بھی معتبر سمجھنے لگے۔ تو منعم مجازی کا بھی شکر کرلے۔

روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے کچھ صدقہ اہل صفہ میں سے ایک کے پاس کسی کے ہاتھ بھیجا اور اس لیجانے والے کو فرمایا کہ اس صدقہ کو لیتے وقت وہ فقیر جو کچھ منہ سے بات نکالے۔ اسکو یاد رکھنا اور ہمیں آکر بتلانا۔ کہتے ہیں کہ جب اس فقیر نے رسول علیہ السلام کی بخشش کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا کہ اس پروردگار کا شکر ہے۔ جو شخص اسکی یاد میں ہوتا ہے۔ اسکو وہ کبھی فراموش نہیں کرتا۔ اور جو اسکی نعمت میں قیام کرتا ہے۔ اسکو بھی وہ فراموش نہیں کرتا۔ مولا مجھے ان بندوں سے بنادے۔ جو تیری یاد میں ایک دم بھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ شخص رسول علیہ السلام کی خدمت میں واپس آیا۔ اور اس حال سے خبر دی۔ آپ نہایت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ میں جانتا تھا کہ وہ یہی کہے گا۔

نکتہ عجیب و غریب) یہہ اشارہ اسبات کا ہے کہ حضور اقدس کی جناب میں جب کسی اولیا اللہ کے حالات سے اطلاع موصول ہوتی ہے تو آپ کی روح میں خوشی اور قلب میں فرحت کمال درجہ پر ہوتی ہے اور اب بھی وہ حال بدستور جاری ہے اور جاری رہے گا۔ موحد کامل وہ ہوتا ہے کہ وہ باطنی صفائی کے باعث رویت شرک سے پاک ہوگیا ہو۔ اور اسکی التفات ماسوے اللہ سے منقطع ہوگئی ہو اور اسکے توحیدی ہار کے موتی شرک کی کدورت اور شکوک کی شبہات سے پاک ہوکر اسکے گلے کی حمائل بن گئے ہوں۔ اور طبیعت کی ماں سے اسکی روح مقدس اصلی ولادت سے پیدا ہوگئی ہو اور حادثات کے گرد وغبار سے بچکر اور ضلالت کی اندہیروں سے نکل کر الفت کے روحانی باغ مین سیر کرچکا ہو ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

صفت سوم عفت یعنے پاکدامنی ہے) عفیف اسکو کہتے ہیں کہ حتے الامکان اپنے آپ کو اور اپنے حالات کو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھے کر اور کسی کم ظرف اور کم حوصلہ کو اپنے حال سے مطلع نہ ہونے دے۔ اور کسی کمینہ ہمت دون خصلت کے روبرو اپنے فقر وفاقہ کی شکایت نہ کرے اور اپنے منہہ پر خاموشی اور حوصلہ کی مہر رکھے۔ اس گروہ عظیم الشان کے اوصاف سے اللہ پاک قرآن مجید میں خبر دیتے ہیں کہ یہ زکوۃ جو ہمنے دولتمندوں کے ذمے پر فرض ٹھیرادی ہے۔ یہہ اُن اللہ والوں کا ہی حق ہے جنہوں نے اپنے نفس کو آلہی رضامندی کی خاطر مٹی میں رلا دیا ہے۔ اور نفسانی خواہشات کی پورا کرنے کے واسطے دنیوی مردار پر کتوں کیطرح نہیں جاتے۔ اور اپنی آبرو اور عزت دینی کو نااہلوں کے روبرو خراب نہیں کرتے اور اپنے فقر وفاقہ کو ایسا چھپاتے ہیں کہ ناواقف انکو مستغنی المزاج اور خوشحال ہی خیال کرتے ہیں اگر ایسے آدمی کو ایک پیسہ بھی دیا جاوے۔ بے دینوں کو لاکھ روپیہ دینے کے ثواب کی برابر قدر رکھتا ہے۔ کیونکہ صلحی کو دینا باعث ثواب ہے۔ اور نااہلوں کو دینا موجب عذاب ہے۔

صفت چہارم ضرورت ہے) اور یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ سمجھدار آدمی ہی اس امر کو پہچان سکتے ہیں۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ کہ زمانہ کی گردش کے باعث یا کثرت عیال واطفال کے خرچ کے باعث یا مختلف بیماریوں کی وجہ سے یا اسباب کی عدم موجودگی کی صورت میں تنگ دارہ

ہو جاتے ہیں۔ تنگی اُٹھاتے ہیں سختیاں جھیلتے ہیں۔ اللہ جلشانہ کے سوا اور کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے
بعض تو ایسے مرد قوی دل اور قوی حوصلہ ہوتے ہیں۔ کہ اس رب العالمین کی درگاہ میں بھی اپنی حاجات
کو زبان پر آنے نہیں دیتے

بادشاہوں اور حکام اور اہل دول کا فرض ہے کہ انکے سالیانہ گذارہ کے موافق بیت المال سے
وجہ معاش کے طور پر کچھ رقم دیدیں یا انکا وظیفہ مقرر کردیں۔ اور اتنا دیں جو انکے گذارہ کے موافق ہو
رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے یعطے العطاء علے قدر العیال سائل کے عیال کے مطابق صدقہ خیرات
دینی چاہیئے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے

صفت پنجم قرابت) زکوٰۃ اور صدقہ ادا کرنے کے وقت یہ نہایت ضروری امر ہے کہ نہایت
قریبی حقداروں کا خیال مقدم رکھا جائے۔ اور اگر قریبیوں اور ہمسایوں میں کوئی حقدار ہو تو اسکو ان سے
محروم نہ کرنا چاہیئے۔ اور معہذا اگر اوسمیں اوصاف بالا بھی پائے جاویں تو اسکو سب سے ترجیح دیجاوے۔ کیونکہ حق
رحم اور حق جوار کو دینا چوگنے ثواب کا مستحق کردیتا ہے۔ اگر زکوۃ دینے والے کو ایسا مستحق ملجاوے جسمیں صفات
حمیدہ بالا موجود ہوں تو اسکو دینا ذخیرہ بے نہایت اور ثواب بے غایت ہوگا۔ یہ ذخیرہ قیامت کے دن معطی
کیواسطے ملک ابدی کا وسیلہ اور سعادت سرمدی کا ذریعہ ہوگا۔ ارباب قلوب اور اہل صلاح کی دلجوئی
کرنا اخروی سعادتوں کے حصول کا عظیم ذریعہ ہے۔

نقل ہے کہ شیخ جنید قدس سرہٗ کے زمانہ میں ایک دولتمند تھا جسکا اصول یہی یہی تھا
کہ اپنا صدقہ اور خیرات اور زکوۃ صالحوں اور متقیوں کو ہی دیا کرتا تھا۔ اور نیک بختوں کے سوا اور کسیکو
کچھہ نہیں دیتا تھا اس خصوصیت کی وجہ اس سے دریافت کیگئی۔ اسنے جواب دیا کہ یہ مخلصوں کا گروہ ہے
اللہ کے سوا انکا اور کوئی مقصود اور مطلوب نہیں ہے۔ اور اپنی خواہشات کو رضائے مولے کے تابع رکھتے
ہیں۔ اور رضاء الٰہی کی کوچہ سے ایک قدم باہر نہیں رکھتے۔ گو بھوک کے مارے انکی جان لبوں پر
آجاتی ہے مگر غیر اللہ کے روبرو اسکا ذکر بھی نہیں کرتے۔ میری رائے میں ان میں سے ایک کو فقر
فاقہ کی تکلیف سے بچانا۔ دوسرے ہزاروں سے بدرجہا اچھا ہے۔ یہ بات حضرت ابا یزیدؒ کے حضور

ہیں کسی نے بیان کی۔ آپنے فرمایا عزیزم تم نہیں جانتے وہ تو اولیاء اللہ سے ہے۔

قسم سوم روزہ کے آداب اور حقائق میں ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب رمضان کا مہینہ آجاتا ہے تو بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں۔ اور شیطانی گروہ زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔

اے عزیز ہر ایک آدمی کا میدان ہوتا ہے جہاں وہ دوڑتا ہے اور شیطان کا بھی ایک میدان ہے جہاں وہ جولان کرتا ہے۔ آدمی کے وجود میں خواہشات ہیں۔ اور شہوات کی قوت بھوک سے ٹوٹتی ہے اسلیئے شیطانی میدان کے رستے روزوں کی ریاضت سے ہی بند ہوئے ہیں۔ پس سعادت دینی کا طالب جبتک سینے کے میدان کو جو فرشتوں کے نزول اور الہامات ربانی کے ورود کا مقام ہے وسوسات شیطانی کی تاریکیوں اور شہوات نفسانی کی پلیدیوں سے بھوک اور پیاس اور جاگنے اور عبادت سے صاف نہ کرے وہ الٰہی اسرار کی نورانیت کی جلوہ پذیری کے قابل نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسول علیہ السلام فرمایا ہے۔ کہ اگر بنی آدم کے دل پر شیطان گھیرا نہ ڈالتا۔ تو انسان آسمانی فرشتوں کو کھلم کھلا دیکھ لیتا۔ روزہ کی یہ خاصیت ہے کہ ان شیطانوں کے رستے جو اس سعادت کیلئے سخت روک ہیں بند کر دیتا ہے اور نفس امارہ کے سر کو (جو دین کا جانی دشمن ہے) بھوک اور پیاس کی چھری سے کچل ڈالتا ہے۔ اور غضبی اور شہوت کی قوتوں کو (جو نور عقل کے لیئے غول ہیں) ریاضت کی قوت سے تابع کر لیتا ہے۔ اور دل کی شیشے کو مجاہدے کی سان پر چڑھا کر قابل اور لائق بنا دیتا ہے۔ اسی واسطے اللہ جلشانہ نے اس اسلامی رکن کو باقی چار ارکان سے یہ شرف عطا کیا ہے۔ کہ اسکی جزا کو اپنی ذات پاک سے منسوب کیا ہے اور اگر اُسکے آداب پورے ہو جاویں تو ثواب جزیل اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ جو نیکی بندہ سے صادر ہوتی ہے اسکی جزاء دس گنا دیجاتی ہے اور بعض آدمیوں کو نیت اور اخلاص کی برکت سے اسی عمل کی جزا سات سو تک دیجاوے گی۔ مگر روزہ

کی جزا، جو ہمارے دعفوں کا اتباع ہے۔ ہم اپنے ہاتھ سے دینگے۔ اور وہ بدلہ بے انتہا ہوگا۔

اور رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کے منہہ کی خوشبو اللہ پاک کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ ہے۔ ایعزیز یاد رکھنا چاہیئے کہ حکیم کامل نے انسان کے وجود میں دو قسم کا ادراک مرکوز کیا ہے ایک کو ادراک ظاہری کہتے ہیں۔ جسکا عملدرامد حواس خمسہ ظاہری (سننا چکھنا۔ دیکھنا۔ سونگھنا۔ ٹٹولنا) کے متعلق ہے۔ یہ ادراک عناصر اربعہ (آگ ہوا مٹی۔ پانی۔) کا نتیجہ ہے، دوسرا اسکو ادراک معنوی (قوئے قلبی۔ عقلی۔ سری۔ روحی۔ خفی) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ حقائق اور دقائق کا نتیجہ ہے۔ ان قوتوں میں سے ہر ایک کو اپنے مدرکات کے ذریعہ لذت یا درد پیدا ہوتا ہے۔ اور عالم معنوی کا وہ بیکران بحر ہے جسکے مقابلہ میں عالم ظاہری ایک قطرہ سے بہی کم ہے۔ چنانچہ رسول علیہ السلام نے یہ نسبت نہایت ہی عمدہ ادا سے بیان فرمائی ہے کہ عالم صوری کو عالم معنوی کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسا کہ ایک آدمی اپنی انگلی کو دریا میں ڈبو کر نکالے۔ اور پھر دیکھے کہ اُس انگلی پر دریا کا پانی کتنا لگ گیا ہے۔ جیسا کہ عالم صوری کو عالم معنوی کے مقابلہ پر خفیف سی نسبت پائی جاتی ہے۔ ایسا ہی اس عالم کے دردوں کو اُس عالم کے دردوں سے بھی ایسی ہی نسبت ہے۔

قوت باصرہ کو صورتوں اور رنگوں کے حسن اور قبح کے دیکھنے سے لذت یا درد حاصل ہوتا ہے۔

قوت سامعہ کو آوازوں کے سریلے یا وشکا سے لذت یا درد پیدا ہوتا ہے۔

قوت شامہ کو بوؤں کے اچھے یا بُرے ہونے سے متاثر ہونا پڑتا ہے۔ علے ہذا القیاس قوائے معنوی کی لذات اور آلام کا مؤثر ہونا اسی قسم سے ہے۔ چونکہ قلب اور سر اور روح قوائے معنوی سے ہیں اور خدائی اسرار کے بھید ہیں۔ انکے وسیلہ سے جو کچھہ بارگاہ الٰہی میں قبولیت پاتا ہے۔ ان قوائے کے باعث اُن لذات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ایسا ہی جب روزہ کی صفات مجاہدہ کے بوتہ میں پگھل کر روزہ کی برکت سے صاف ہو جاتی ہیں۔ اور کھانے اور پینے کی جدائی سے روزہ دار کی شہوانی پلیدیاں رفع ہو جاتی ہیں۔ اور بھوک کی آگ مومن کے عودی وجود کو جلا دیتی ہے۔ اور ریاضتوں کی انگیٹھی میں عطریہ مہکیں اور لپٹیں اُٹھکر دماغوں کو معطر کر دیتی ہیں، تو وہ شخص خدائی دربار میں داخل

ہوجاتا ہے۔ اور جاہ وجلال اور عزت اور اقبال کی کرسی پر متمکن ہوجاتا ہے۔

اب ہم مختصر طور پر ہم ان باتوں کا خلاصہ جنکو ہر ایک آدمی سمجھ سکے بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہی اس درگاہ عالی میں یہ سنت ہی کہ ہر ایک بندگی کا ایک خلاصہ ہوتا ہے جسکو عطر کہتے ہیں۔ اور وہ ایسا عطر ہوتا ہے۔ کہ جس کی خوشبو سے ملائکہ کرام نہایت خوش مزاج اور عالیدماغ ہوجاتے ہیں۔ چونکہ وہ اس بارگاہ عالی کے مقرب ہیں۔ اور جو امر مقربین کی نظر میں پسند ہوتا ہے وہ الہ العالمین کی جناب میں بھی درجہ قبولیت پر ممتاز اور سرفراز ہوجاتا ہے۔

اور ایسا ہی گناہوں کے خلاصہ سے ایک قسم کی غلاظت اور عفونت نمایاں ہوتی ہے جس سے ملائکہ متنفر ہوتے ہیں اور قاعدہ بالا کے رو سے اللہ جلشانہ بھی ناراض ہوجاتے ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جس بندگی میں صفائی کے آثار زیادہ پسندیدہ ہوں۔ اسکی مہکیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور وہ عابد بارگاہِ الٰہی میں زیادہ مقرب اور معزز ہوجاتا ہے۔

ان نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ عابدوں کے باطن کو زیادہ نورانیت بخشنے والی چیز روزہ کی عبادت کے سوا اور کوئی نہیں۔

اور اس عبادت کی تاثیر عابد کے دل پر متاثر ہوجاتی ہے۔ اور دل کو شہوات کے زنگار سے بالکل صاف کردیتی ہے۔ اور ساتھ ہی اسباب کے جھمیلوں سے طبیعت کو آزاد کردیتی ہے۔ بلکہ اخیر درجہ پر خدائی اوصاف سے موصوف کردیتی ہے بلکہ بساط قرب اور مقعد صدق پر اسکو بٹھادیتی ہی روزہ دار کے منھ کی خوشبو سے یہ مراد ہے۔ کہ روزہ کی استعدادی لیاقت ہی خوشبودار ہوجاتی ہی اور لیاقتی خوشبو ہی دربار الٰہی میں کستوری سے زیادہ مہک اور لپٹ پیدا کرتی ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کی حالت کو اللہ جلشانہ عالم علوی کے رہنے والوں کو دکھاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہمیں اُس جوان کی نسبت فخر ہے۔ جسنے جوانی کو عبادت میں گذاردیا۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ جلشانہ فرشتوں کو خطاب کرتے ہیں کہ اے میرے فرشتو اس آدمی کو دیکھو۔ میںنے دنیا میں اسکو کھانے اور پینے کا محتاج بنایا تھا۔ اور درحقیقی اسکی زیست کا مدار

بھی اسی پر اور جب درچند شہوات میں اسکو مبتلا کیا تھا اب وہ صرف ہمارے حکم سے اُن تمام خواہشات کو چھوڑ رہا ہے۔ اور میرے حکم کی اطاعت کمربستہ اور دست بستہ کھڑا ہوا ہے۔ تم گواہ رہو کہ میں اسپر نہایت ہی خوش ہوں

ابوسعید خدری نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اللہ کے حکم کے بموجب ایک دن روزہ رکھتا ہے۔ اللہ جلشانہٗ اسکو دوزخ سے اتنا دور کر دیتے ہیں۔ کہ تیز رو سوار ستر سال چلکر وہاں نہیں پہونچ سکتا۔

ابوایوب انصاری نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص نے رمضان کے پورے روزہ رکھے اور ساتھ ہی لگاتار شوال کے چھ روزے رکھ لیئے۔ تو اسکو سال بھر کے لیئے صائم الدہر لکھا جاتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ سوموار اور جمعرات کو میری امت کے احوال میرے سامنے پیش کیئے جاتے ہیں۔ ابوہریرہ کا قول ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اگر میں اسدن روزہ دار ہوں۔ تو کیا عمدہ نصیب ہونگے۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ عاشورہ کے دن کا روزہ ایک سال کے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے اور عرفہ کے دن کا روزہ دو سالوں کے گناہ سے (سال آئندہ اور سال گذشتہ) مراد ہے۔

سہل بن سعید سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو روزہ دار جھوٹ اور گلہ اور بہتان کو نہ چھوڑے۔ اللہ میاں اسکے نہ کھانے اور نہ پینے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ دار کو روزہ کے افطار کے وقت کھانا کھلا وے یا پانی پلا وے۔ اسکو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ جتنا روزہ دار کو۔ یا درہے روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ کا خزانہ اس کمی سے پاک ہے۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزیں روزے کو باطل کر دیتی

ہیں۔ جھوٹ۔ گلہ۔ سخن چینی۔ جھوٹی قسم۔ نامحرم کو دیکھنا۔ ظاہری دین کے مفتی یہانتک ہی پہونچ سکتے ہیں کیونکہ مولویصاحبان کے حکم توسب سے ادنے مدارج پر جاری ہو سکتے ہیں۔ اس بات کی حقیقت تب ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو کہ روزہ کے تین مدارج ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوجاویگا کہ ظاہری مولویوں کا مبلغ علم کہانتک ہے۔ اور کس کس فتوے کے قابل ہیں۔

درجہ اول عام ہے۔ اور عوام الناس کا درجہ

اس درجہ میں روزہ کی صحت۔ صرف بطن اور فرج کو کھانے پینے اور شہوات کے روکنے سے ہوتی ہے۔ جسکا وقت طلوع صبح سے لیکر غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ یہ درجہ ادنے سے ادنے ہے۔ اور فقیہوں اور مفتیوں کے احکامات کا نفاذ صرف یہاں تک ہی ہوتا ہے۔

درجہ دوم اتقیا اور صلحا اور ابرار کا ہے۔

اس مرتبہ میں روزہ کی صحت۔ آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں شکم۔ فرج کو برائیوں سے حفاظت میں رکھنا ہے۔ کانوں کو ناموافق سننے سے بچاوے۔ اور زبان کو جھوٹ اور گلہ سے روکے۔ اور ہاتھ اور پاؤں کو شرعی مخالفت سے ہٹاوے۔ اور چونکہ انسانی وجود میں سب سے بڑا شیطانی قاصد آنکھ ہے۔ اسکے روکنے کی کوشش کرے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے حواس اپنے اپنے مقامات پر قائم ہیں اور وہ اپنا کام نہیں کر سکتے۔ جبتک انکو کوئی خبر نہ پہونچاوے۔ آنکھوں کا قاصد ایسا شریر ہے کہ خواہ مخواہ دور و نزدیک کے گناہوں کو شکار کر لیتا ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شیطانی تیروں سے زہر میں بجھا ہوا تیر نظر سے دیکھنا ہے۔ جو شخص اپنی نظر کو نامحرموں سے بچاتا ہے۔ اللہ جلشانہ اُسکو وہ درجہ عطا کرتے ہیں کہ اسکے ثواب کا اثر اُسکا دل ہی جانتا ہے۔ زبان اسکے بیان سے قاصر ہے آنکھ سے نچلے درجہ پر زبان ہے۔ یہ زبان بھی عام خلقت کا ایک سرکش غلام ہے۔ زبان کو جھوٹ اور گلہ چغلخوری۔ دشنام۔ جھگڑے۔ بیہودگی سے بچانا بھلے آدمیوں کا کام ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اپنی زبان کو ناشائستہ کلام سے حفاظت میں رکھا۔ اللہ تعالے اسکی بد اعمالیوں کو دنیا اور آخرت میں پوشیدہ کر دیتے ہیں

اور جو شخص اپنے غصہ کو پی جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنا غصہ اسکے پاس بھی نہیں آنے دیتا۔
ر معاذ بن جبیل سے روایت ہے کہ ایکدن مینے حضور انور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتلا دیجیے۔ جو مجھے دوزخ سے بچاوے اور بہشت میں لیجاوے۔ رسول علیہ السلام نے افضل اعمال (نماز روزہ زکوٰۃ۔ حج) کی تشریح مفصل بیان فرمائی۔ پھر آپنے فرمایا کہ ہم تجھے ایسا عمل بتلاتے ہیں جو تمام عبادات کا سر اور سب نیکیوں سے افضل ہے۔ مینے عرض کی یا رسول اللہ آپ پر قربان ہو جاؤں آپنے اپنا ہاتھ زبان پر رکھا۔ اور فرمایا جہاں تک ہو سکے اسکو بیہودہ باتوں سے روکو۔ مینے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم جو باتیں کرتے ہیں اس سے بھی پوچھے جاوینگے۔ آپنے فرمایا۔ اے معاذ تیری ماں تجھ پر روتی ہے۔ دوزخ میں نہیں فخر پر اتنے آدمی نہ ڈالے جاوینگے۔ جتنی زباں کی بدلگامی پر معتوب اور معذب ہونگے۔

اس سے کم درجہ پر کان میں روزہ دار جسطرح آنکھ کو دیکھنے سے زبان کو کہنے سے بچاوے۔ اسیطرح کانوں کو بھی۔ جھوٹ اور گلہ سننے سے بچاوے۔ کیونکہ جسکا کہنا حرام ہے۔ اسکا سننا بھی حرام ہے قیامت کے دن سننے والے کہنے والے کے برابر ہوگا۔ رسول علیہ السلام نے للغتاب والمستمع شریکان فی الاثم گلہ کرنے والا اور سننے والا دونو گناہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سننے والے کی رغبت قایل کو زیادہ کہنے پر آمادہ کرتی ہے۔ کیونکہ سننے والے نے شرارت کو شروع کیا ہے۔ اسلیے قائل کی نسبت وہ زیادہ مواخذہ کے قابل ٹھیرا۔

(درجہ سوم) یہہ درجہ مقربوں اور صدیقوں کا ہے۔

اس گروہ کے روزہ کی صحت آئینہ دل کے صفا رکھنے کے متعلق ہے۔ یعنے آئینہ دل کو خواہشات نفسانی کے غبار اور لذات جسمانی کے ابھار اور امور فانی کی ٹھوکروں اور غیر حق کی لغزشوں سے بچانا مراد ہے۔ اور دوامی مراقبہ ان کا کام ہوتا ہے۔ اور غیر حق کیطرف سے باگ موڑ لینا۔ اور دنیا کی لذات سے منہ پھیرنا انکا اصل مقصود ہوتا ہے۔ بصیرت کاملہ کا حاصل کرنا۔ اور ان تھک ہمت سے خداوند کی عنایات پر خیال دوڑانا اسی گروہ کا خاصہ ہے۔ اگر وہ ان اسباب کے وسائل کو معبود ٹھہراویں۔ تو انکے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ غیر کیطرف التفات کرنا اس گروہ کے وجود کی آلائش ہو جاتی ہے۔ اور دونو

جہان کا تعلق انکے نزدیک گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ جب میرے سر میں خطرات دنیاوی کا خیال پڑتا ہے وضو کرتا ہوں۔ اور اگر دل میں آتا ہے تو غسل کرتا ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پانچ سال تک بارش نہ ہوئی تمام خلقت قحط کی بلا میں مبتلا ہوگئی۔ لوگوں کے کہنے سے موسے علیہ السلام نے چند دفعہ دعائے استسقا مانگی مگر پانی کی ایک بوند بھی زمین پر نہ گری۔ بنی اسرائیل تنگ آکر موسےؑ پر بھی طعن و تشنیع کرنے لگے۔ موسے علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ یا اللہ آپ اپنی ہی مخلوق کی دعا کی اجابت نہیں فرماتے اسمیں کیا حکمت ہے۔ اللہ جلشانہ نے وحی کی اے میرے پیغمبر میں اس قوم کی دعا کو کسطرح قبول کروں جو اپنے بدنوں کو گناہوں کی غلاظت سے آلودہ کر رہے ہیں۔ اور زبانوں کو جھوٹ اور گلہ کی گندگی سے گندہ کر رہے ہیں اور ہاتھوں کو گناہوں میں ڈبویا ہوا ہے۔ اور انکے پیٹ کیا ہیں حرام کا خزانہ ہو رہے ہیں۔ ایسے گمراہوں کی دعا میری درگاہ تک عروج ہی نہیں پاتی۔ اور نہ ہی دفتر قبولیت میں مقبول ہوتی ہے۔ ہاں میرا ایک نہایت ہی خالص بندہ ہے۔ اگر وہ میری جناب میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھاوے۔ تو مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ ان ہاتھوں کو کبھی رد نہ کرونگا۔ اور نہ خالی پھیردونگا اس سختی کو آن کی آن میں خوشی سے بدل دونگا۔ موسےؑ عرض کی یا اللہ اسکا نام کیا ہے۔ اور اسکی پہچان کیا ہے۔ جواب آیا۔ کہ اس کا نام تو برخ ہے۔ رنگ کا کالا۔ کپڑے پھٹے ہوئے۔ بال بکھرے ہوئے رکھتا ہے اور اسکے منہ پر گرد اور غبار پڑا ہوا ہے۔ مگر دل پردرد اور رنگ زرد آہ سرد رکھتا ہے موسےؑ ایک دن جنگل میں اسکی تلاش میں پھر رہے تھے کہ موجودہ اور معہودہ حلیہ کا بندہ آپکو ملا۔ آپنے پوچھا۔ آپکا نام کیا ہے۔ اسنے کہا کہ میرا نام تو برخ ہے۔ موسےؑ نے کہا کہ میں تمہاری تلاش میں پھر رہا ہوں اور تمہیں ایک بات کہنی چاہتا ہوں۔ اسنے کہا اے کلیم اللہ آپ کلیم ہیں۔ اس عاجز ناکارہ کے متعلق آپ کا کیا کام۔ آپنے فرمایا کہ تم دعا کرو۔ کہ رب العالمین ابر رحمت کو قطرہ باری کی اجازت بخشے تاکہ بنی اسرائیل کی سوکھی ہوئی کھیتیاں سرسبز اور تازہ ہو جاویں۔ عرض کی یا حضرت آپ یہاں سے ذرا ادھر ہو جاویں

تاکہ میں اپنے مولے کی خدمت میں عرض کرلوں۔ موسے وہاں ذرا فاصلہ پر چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اسنے سر آسمان کیطرف اُٹھایا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ میرے مولے شاید تیرے خزانہ میں اب کچھ نہیں رہا۔ یا بادل آپکے حکم سے سرکش ہوگئے ہیں۔ اور بادل تیرا کہنا نہیں مانتے۔ یا تجھے یہ خوف لگ گیا ہے۔ کہ قیامت کے اتنے جم غفیر کو عذاب نہ دیسکوں۔ اب ہی ان کو فرداً فرداً عذاب دیلوں۔ اگر یہ امر نہیں ہی تو پھر اپنے بندوں کو کیوں ترسا رہا ہے۔ مینھ کیوں نہیں برساتا؟ کہتے ہیں کہ بادل فوراً آگیا۔ اور موسلا دھار بارش ہونے لگی حتٰی کہ ایکدن کی بارش سے گھاس گھٹنوں تک پہنچ گیا۔ موسے بہت حیران ہوے اور عالم تحیر میں ہی تھے کہ جبرئیل عم نے حاضر ہوکر عرض کی کہ اے موسے آپ پر اللہ سلام اور درود بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ جس بندہ نے دعا کی ہے۔ یہہ ہمارا نہایت ہی پیارا اور خالص اور اچھا بندہ ہے۔ لیکن اس میں ہی ابھی تک تھوڑی سی کسر باقی ہے۔ وہ یہہ ہے کہ جب صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ اور نسیم سحر کے دلفزا اور جانفزا جھونکے آتے ہیں۔ تو کروٹ پر لیٹ کر تھوڑا سا آرام کرلیتا ہے۔ اے موسے ہماری محبت کے بادشاہ نے جس سینہ کے میدان میں خیمہ نصب کردیا ہے۔ وہاں کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہتی۔ اللہ اکبر

تیسرا باب حُسن اخلاق میں ہی

اور اسمیں یہہ بھی ذکر ہے۔ کہ بادشاہوں اور حکام وقت کو خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین کی روش پر چلنا چاہیئے۔

خلفائے رشدین تمام خلقت کے بادشاہ۔ اور بادشاہوں کے مقتدا اور پیشوا اور راہنما ہیں۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں خُذِا لعَفْوَ وَاْمُرْ بِالمعْرُوْف وَاَعْرِضْ عَنِ الجَاھِلِین (عفو کو پکڑلے اور معروف کا حکم کر اور جاہلوں سے کنارہ کش ہوجا) جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے رسول علیہ السلام سے اسکی تفسیر پوچھی آپنے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر یہہ ہے۔ کہ جو شخص بے رحمانہ تجھ سے قطع کرے تو مہربانی سے اسکے ساتھ مل۔ اور جو تجھکو بھلائی سے محروم رکھے تو حتے الوسع اسپر ایثار ہی کرتا رہ۔ اور جو تجھپر ظلم کرے تو اسکے ساتھ وفاداری سے برتاؤ کر۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ بندہ کے اعمال کی میزان میں قیامت کے دن جو چیز پہلے پہل دھرا جاویگا۔ وہ حسن خلق ہی ہوگا۔ یا سخاوت۔ اللہ تعالے نے جب ایمان کو پیدا کیا تو اسنے کہا یا اللہ مجھ کو قوت دیجاوے تو اسکو حسن خلق اور سخاوت کی چاشنی دیگئی۔ اور جب کفر کو پیدا کیا تو اسنے بھی یہی کہا تو اسکو بخل اور بدخلقی سے قوی کیا گیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر ایک آدمی کی سخاوت اُسکے دین کے اندازہ پر ہوتی ہے۔ جو زیادہ دیندار ہوتا ہے۔ اسکی بخشش کا قدر عزیز ہوتا ہے۔ اور خدا کے بارگاہ میں اسکا احسان اور مروت زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ عقل کو کامل ہونیسے آدمی چاہتا ہے کہ میں جو کچھ احساناً خرچ کر رہا ہوں۔ اسکا اندراج سعادت ابدی کے دفتر میں ہو جاتا ہے اور ہر ایک آدمی کی شرافت اور بزرگی خلق کے اندازے پر ہوتی ہے۔ یعنے جو شخص علم و تقوے۔ و وفا عفت میں زیادہ ہوتا ہے۔ وہی خلقت کے دلوں میں مقبول اور خدائی دربار میں منظور ہوتا ہے

اُسامہ بن شریک نے روایت کی کہ میری موجودگی یا میرے روبرو عربوں کی ایک جماعت نے رسول علیہ السلام سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ جو چیز اللہ تعالےٰ نے بندے کو سب سے اچھی عطا کی ہے وہ کیا ہے آپنے فرمایا وہ حسن خلق ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین اوصاف میں سے جسمیں ایک بھی نہ ہو۔ اسکا عمل مقبول نہیں ہوتا۔ خواہ وہ کیسا ہی عمل کرے۔ اول پرہیزگاری ہے جو اسکو اپنی ذاتی معصیت سے بچائے۔ دوم حوصلہ ہے جو جاہلوں کی جہالت کی ڈھال بنا رہتا ہے۔ سوم نیک خلق ہے جو اسکی مدد سے خلقت کی درمیان اپنا چند روزہ وقت گذار لے۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بندہ نیک اخلاق کے ذریعہ درجات عظیم کو حاصل کرتا ہے اور خدا کی جناب میں اسکو لفظ امکان ملتا ہے۔ خواہ اسکی عبادت مقدار میں کم ہو

عائشہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ بخیل اور بدخلق اور بدخو بہشت میں داخل نہ ہونگے۔

ابو درداء نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائیگی وہ نیک خلق ہی ہوگا۔ اللہ تعالےٰ بدگو اور لبسیار گو کو برا سمجھتے ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ نیک خلق قائم اللیل اور صائم النہار کے مدارج کو حاصل کر لیتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ نے روایت کی۔ کہ رسول اللہ علیہ السلام اکثر یہ دعا پڑھتے تھے۔ یا اللہ مجھے تندرستی اور آرام اور نیک خلق نصیب کر۔

نقل ہے کہ ایکدن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے نوکر کو چند بار بلایا۔ مگر نہ بولا۔ آپنے کھڑے ہو کر دیکھا تو یہ معلوم ہوا۔ کہ وہ زمین پر اوندھا پڑا ہوا کھیل رہا ہے۔ آپنے فرمایا۔ کیا تونے میری آواز نہیں سنی اُسنے عرض کی۔ حضرت کیوں نہیں سنی۔ آپنے فرمایا باوجود مکرر سہ کر بلانے کے پھر جواب کیوں نہ دیا۔ اسنے کہا اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے سزا نہ دینگے۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ مولے کی رضا کیواسطے مینے تجھے آزاد کر دیا جہاں تمہاری مرضی ہے چلے جاؤ۔ سبحان اللہ وجہہ مردان خدا کا حوصلہ اسی قسم کا ہوتا ہے۔ عزیز و نصیحت پکڑو

نقل دوم ایکدن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورتوں کے حق مہر زیادہ نہ باندھا کرو۔ اگر حق مہر کی زیادتی میں فوقیت اور عزت متصور ہوتی۔ تو حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ سے اور کون زیادہ معزز ہے اسی مجلس میں ایک عورت نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے عمر تونے غلط کہا ہے۔ اللہ جلشانہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو ہزار مثقال سونا دیا جاوے۔ تو اوس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ حضرت عمر نے کہا۔ کہ عورت نے اس مسئلہ کو سمجھ لیا۔ افسوس کہ مرد نہ سمجھ سکا۔ اللہ اکبر۔

نقل سوم ایکدن عمر بن عبد العزیز نے کسی شخص کو خلاف شرع امر پر تعزیر کا حکم لگا دیا۔ اس شخص نے عمر کو گالی دینی شروع کیں۔ آپنے فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو۔ حاضرین نے عرض کی۔ یا امیر المومنین اب تو یہ شخص دو قصوروں میں مرتکب ہوا ہے۔ آپ اسکو کیوں چھوڑتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ میں اسکو خدا کے حکم کے بموجب سزا دینے لگا تھا جب اسنے مجھے گالیں دیں۔ تو میری طبیعت میں طیش آگیا ہے۔ اگر میں اسوقت اسکو سزا

دوں تو میرے نفس کی نفسانیت ہی اسمیں ملجاتی ہے۔

نقل چھا درحدیث میں آیا ہے کہ لقمان کے بیٹے نے باپ سے سوال کیا۔ اگر بندہ کو بارگاہ الٰہی سے ایک نعمت کے چُن لینے کا اختیار فرمایا جاوے۔ تو کونسی نعمت اختیار کرے۔ آپنے فرمایا۔ دین۔ اگر دو کا اختیار دیا جائے تو پھر کون۔ آپنے فرمایا دین اور مال حلال تا کہ اسکا دین طمع کی آفت سے محفوظ رہے۔ اسنے کہا کہ اگر تین کا اختیار دیا جاوے تو پھر آپنے فرمایا کہ دین اور مال حلال اور سخاوت۔ سخاوت سے سعادت کی بنیاد مضبوط ہوجاتی ہے۔ پھر اسنے کہا کہ اگر چار کا اختیار دیا جاوے۔ تو آپنے فرمایا۔ دین۔ مال حلال۔ سخاوت اور حیا۔ تا کہ حیا کی برکت سے اپنے مال کو خدا کی مخالفت میں خرچ کرنے سے شرم آوے۔ پھر اسنے کہا کہ اگر پانچ کا اختیار دیا جاوے تو آپنے فرمایا۔ دین۔ مال حلال۔ سخاوت۔ حیا۔ اور خلق نیک۔ پھر اسنے کہا کہ اگر چھ کا اختیار دیا جاوے تو آپنے فرمایا کہ اے نور چشم جسمیں پانچ اوصاف پائے جائیں۔ وہ خدا کے برگزیدوں سے ہے۔ وہ اور کیا چاہتا ہے

اے عزیز انسان کو اللہ تعالٰے نے دو اوصاف سے مخلوق کیا ہے۔ صورت جسکو ظاہر کہتے ہیں۔ اور سیرت جس سے باطن مراد ہے۔ انمیں سے ہر ایک کو خوبی اور بدصورتی لازم ہے۔ جیسا کہ ظاہر کو ظاہری اعضاء کی خوبصورتی لازم ہے۔ مثلاً آنکھ۔ کان۔ رخسارہ۔ ابرو۔ منھ۔ ہونٹ۔ ہاتھ پاؤں اور قد کا مناسب ہونا۔ ایسا ہی حسن سیرت جسکو حسن خلق بھی کہتے ہیں۔ مثلاً علم۔ حکمت۔ تقوٰے۔ شجاعت۔ حلم۔ تواضع۔ تابعداری۔ پاکدامنی۔ عدل کا موزون ہونا ہوتا ہے۔

ان اوصاف کو کمی اور بیشی سے بچا کر حد اعتدال میں رکھنا ہی موزونیت اور مطبوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کا اوصاف بھی افراط تک یا تفریط سے پیوستہ ہوجاویں۔ وہ ہی باطنی خوبیوں کی برائی ہوجاتی ہے چنانچہ گو سخاوت کا کرنا فعل محمود ہے۔ مگر حد سے زیادہ کرنے کو اسراف اور تبذیر سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسا ہی حالت کمی میں اسی کو امساک اور تقتیر کہتے ہیں۔ در اصل دونو اطراف ہی ناشائستہ ہیں کیونکہ ایک پہلو سے تو حسن سیرت کا کمال اور دوسرے رخ سے نقصان کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ انکی درمیانہ حال پر رہنا ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ باقی اوصاف کا اندازہ اسی انداز اور قیاس پر کرلینا چاہیئے۔

حسن سیرت جسکو حسن خلق بھی کہتے ہیں۔ وہ انسانی وجود سے ایک ایسی حالت نمایاں ہوتی ہے جسکو

ذریعہ سے انسانی قرب اعتدال کیطرف بہت جلد ہو جاتا ہے۔

ان کج فہموں کے قصور کا حال

ایک گروہ جاہلوں اور زندیقوں اور ملحدوں کا ہے۔ جو بوجہ کمی فہم کے اس معاملہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور نہایت ابلہی سے یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ حسن خلق کے یہ معنے ہیں کہ نفسانی خواہشات اور غضبانی خیالات کی جڑھ کو (جو بری صفتوں کے مادے ہیں اور اخلاق ردیہ کے مصدر ہیں) قطعاً استیصال کیا جاوے۔ یہ طریق ردی اور مذموم ہے۔ اسلیئے جو جو کوششیں انکے استیصال میں کرتے ہیں۔ وہ بالکل اکارت اور فضول جاتی ہیں اور وقت کا ضائع ہونا علاوہ بر اں خیال کیا جاتا ہے۔ ان کج فہموں نے نفس کی باگ کو اس طریقہ سے پھیرنا چاہا۔ کہ شرعی حدود کی احکام کو بھی پس پشت ڈالدیا۔ اور گمراہی کے جنگل میں خوار اور مارے مارے پھرتے ہیں۔ وہ نالائق خود ہی گمراہ نہیں ہوئے۔ بلکہ اور کئی ناواقف اور نادان بیچاروں کو لے گلے۔ اور فضلّوا واضلّوا کی مصداق ٹھیرے۔ اہل بینش اور ارباب بصیرت پر واضح ہے کہ صفات کا تبدیل ہوجانا ایک امر ممکن ہے۔ اور عادات کو کمی اور بیشی سے بچا کر حد وسط پر لے آنا عقلی اور نقلی دلائل سے قرین قیاس ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو انبیا اور کتب اور اولیاء اللہ اور واعظین وغیرہ کا پیدا ہونا امر فضول ہوتا اور تمام آداب شرعی اور احکامات بادشاہی بالکل فضول اور لچر ہو جاتے

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم اپنے اخلاق کو درست کرو۔ اور شہوت اور غضب کی قوتیں اگرچہ مذموم اور ردی ہیں۔ مگر انسانی وجود کی بنیاد بھی انہی پر ہے۔ کیونکہ اگر خواہشات کا وجود نہ ہو۔ تو غذا کا سمبھالنا (جس پر انسانی حیات کا دارومدار ہے) ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر قوت غضبی نہ ہوتی۔ تو ہم دشمنوں کے حملوں کو اپنے آپ سے ہرگز دفع نہ کر سکتے۔ ان دونو قوتوں کو افراط اور تفریط سے بچانا اور درجہ اعتدال پر لاکر ان سے کام لینا امر خوبصورت اور موزون ہے۔

ان دونو اوصاف کے اعتدال کا یہ نشان ہے کہ انکا عمل درآمد آداب شرع کے مطابق ہو۔ اور انکی تعمیل مولے کے حکم اور رضاء الٰہی کے موافق ہو۔ اور سعادت اخروی کے طالب اس بات کے دلدادہ ہیں کہ ان صفات کو افراط تفریط سے بچاتے ہوئے مقام اعتدال پر لے آویں۔ اور ایسا کرنے کی کوشش نہ کریں کہ انکی مادہ کی جڑہ کو اکھیڑنا چاہیں۔ یہ امر غیر ممکن ہے بلکہ محالات سے ہے۔

اللہ جلشانہ فرماتے ہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اگر فریق دوم کا خیال درست و
مناسب ہوتا تو والکاظمین کی جگہ والقالعین والفاقدین کا محل توارد ہوتا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا
ہے کہ ان اوصاف کا درجہ اعتدال پر لانا مراد ہے۔ نہ جڑھ سے اکھیڑنا۔ اور یہ جو اہل ہنود کے سادھو یا مسلمانوں
کے بے قید فقیر ایسا کرتے ہیں۔ ہاتھ یا ٹانگ کو سوکھا دیتے ہیں۔ بالکل خراب ہے۔ اور بے اصل ہے۔ کھجور کی
گٹھلی اور انگور کے دانہ میں ایک ایسی قوت پوشیدہ ہے۔ جو تدریج سے تربیت سے وہ پھل دار درخت بنجاتا ہے
ایسا ہی مومن کے وجود میں بھی ایک بھید مخفی ہے۔ جو اللہ کی عنایات سے اور تربیت سے حکمت اور ولایت کے
درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ انسان کی تربیت تین درجوں پر ہے۔

اول زمانہ لڑکپن جسمیں حق اور باطل اور نیک اور بد کی تمیز نہیں ہوتی۔ اور بچے کے دل کا شیشہ
فاسدہ خیالات اور باطل اعتقادات سے بالکل صاف ہوتا ہے۔ اور ابھی اسکا نفس شہوات کی متابعت پر
پکا نہیں ہوتا۔ اسحالت میں ناصح کی نصیحت بہت ہی جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ اور مرشد کا حکم اسکی طبیعت
کی تختی پر نقش کالحجر ہو جاتا ہے۔ جو کبھی مٹ نہیں سکتا۔

زمانہ دوم وہ ایسا شخص ہوتا ہے۔ باوجودیکہ نیک و بد کی امتیاز کر لیتا ہے۔ مگر شہوات کے غلبہ سے نیک
کام پر استقامت نہیں کر سکتا۔ اور طاعت کی برداشت پر دل نہیں دھرتا۔ اور کام کرنے سے دل چراتا ہے
لیکن باایںہمہ اپنے قصور کا معترف ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا حال پہلے زمانہ والے سے ذرا مشکل ہے۔ مشکل ہونیکی
وجہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی تندرستی کے واسطے پہلے اندر کا مادہ اکھیڑنا پڑتا ہے۔ پھر نیا خیال جمانا پڑتا ہے۔
جس سے اسکی اصلاح ہو جاتی ہے۔

زمانہ سوم۔ وہ شخص ہے۔ جسکے خیالات کی تربیت اور پرورش خیالات فاسدہ پر ہو چکی ہے۔
اور اسکا دل اعتقادات باطلہ پر جم چکا ہے۔ اور غضب یہ کہ اعتقادات باطلہ کو صحیح مانتا ہے۔ یعنی
باطل کو حق اور رات کو دن سمجھتا ہے۔ اور بد کو نیک جانتا ہے۔ اور کڑوے کو میٹھا۔ اور برے کاموں
کے کرنے پر فخر کرتا ہے۔ ایسے بد اعتقاد کا درست ہونا پہاڑ کو ناخن سے کھودنا۔ یا سرد لوہے کو کوٹنا۔ یا آگ
کو پانی سمجھنا ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کی اصلاح میں اہل عرب یہ مثال دیا کرتے ہیں اشد التعذیب تھذیب

الذئب (بھیڑیے) کا درست کرنا سخت مشکل ہے) کیونکہ اسکی عادت جبلی ہو جاتی ہیں۔

ایعزیز اہل تحقیق کے نزدیک روح اور دل کی صحت کا معیار حسن خلق ہی ہے۔ جیساکہ آدمی کے ہر ایک عضو کے واسطے صحت بھی ہے اور بیماری بھی ہے۔ اور ہر ایک عضو کی بیماری کا یہ نشان ہے کہ وہ عضو اپنے افعال سے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آنکھ دیکھنے سے۔ کان سننے سے۔ زبان کہنے سے رہ جاتے ہیں بلکہ الٹا کھیلنے لگتا ہے۔ اور رسمی عادات اور ظاہری رسومات کا پیار اُسپر غالب ہو جاتا ہے۔ ایسے آدمی کی مثال ہم اسطرح بھی دے سکتے ہیں۔ کہ ایک شخص کھانا پینا تو چھوڑ دے۔ مگر مٹی کے کھانے کا کمال مشتاق ہو جاوے جو اسکی ہلاکت کا باعث ہو گا جسکو اس بات کی سمجھ آجاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے۔ کہ عامہ خلائق کے دل اس بیماری سے مبتلا ہیں۔ افسوس کہ ایسی بیمار دل کو اتنا پتہ نہیں ہوتا کہ اس بیماری نے ہمیں ہلاک ابدی تک پہنچا دیا ہے۔ اور جب انکو موت کا پیام ملتا ہے۔ تو پھر آنکھیں کھولتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں مگر کیا حاصل پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت ٭ ایسی حالت میں وہ کہینگے کہ افسوس کہ جو چیز ہماری ہلاکت کا باعث ہوئی اس سے ہم بے خبر تھے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیماری پر تو مطلع ہو جاتے ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے انکو حکیم و طبیب حاذق نہیں ملتا۔ اور اگر طبیب مل بھی جاتا ہے تو اسکی تجویز کی پرواہ نہیں کرتے اور پرہیز کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں۔ یاد رکھو کہ دل کی بیماریوں کے طبیب علما اور مشائخ زمانہ ہوتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ ہمارے طبیب جب آپ بھی بیمار ہیں۔ تو ہم بیماروں کا علاج کیا خاک کرینگے۔ اور جب راہنما آپ ہی راستہ بھول چکے ہیں۔ تو ہمارے اندھوں کی راہنمائی کسطرح کرینگے ؎ شاد باش اے مرگ جیسے آپ ہی بیمار ہیں ٭ اے گدڑیا پہننے والے۔ اگر ذرا دم کے دم کے واسطے روضہ مطہرہ سے چہرہ مبارک نکالو۔ اور بیچارے اندھوں اور رستہ سے بھولوں بھٹکوں کی دستگیری کرتے ہوئے امن اور آرام کے مکان پر پہونچا دو۔ تو آپ کی شان ارفع اور اعلے سے کیا بعید ہے۔

بعض کم حوصلہ اور کم درجہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نفس کا مقابلہ اور ریاضت کا حوصلہ نہیں رکھتے اور دل کے ایسے بیمار ہوتے ہیں۔ کہ اپنی ردی خیالات سے ایکدم بھی الگ نہیں ہوتے۔ اگر ان کو طبیب حاذق مل بھی جاوے۔ تو اسکی کڑوی اور کسیلی دوا کے پینے سے انکار کرتے ہیں۔ اور طبیب سے

منہ موڑ لیتے ہیں۔ اسلیئے وہ نبض شناس اور طبیعت فہم تھے۔ ایسے بدبخت اور بدنصیب بیماروں کا منہ نہیں دیکھنا چاہتے اور غیرت کے پردہ میں چھپ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ زمانہ حال میں دین کے حقائق لوگوں سے چھپ گئے اور ہدایت کا چراغ گل ہو گیا ہے۔ اور بے ادب جاہلوں سے عبادت کے طریقے چھپ گئے ہیں۔ اور زمانہ کے خود غرضوں نے اپنی بیماری کو بھلا دیا ہے۔ اور علوم معنوی سے منہ موڑ لیا ہے۔ اور مال اور مرتبہ دنیاوی کے بندہ ہو گئے ہیں۔ اور دین کے کاغذوں کو شہوات اور خواہشات کے دریا میں غرق کر دیا ہے گو بظاہر یہ لوگ صالح اور ابرار دکھائی دیتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنے عمر کے سرمایہ کو ظاہری آرایش میں گنوا دیا۔ اور عبادت کے قیمتی موتی کو ریا کے کیچڑ میں ملا دیا۔ یہ علامات جو ہمنے لکھی ہے۔ مرض معنوی کے علامات سے ہیں۔ اب ہم صحت دل کی علامات لکھتے ہیں کہ سعادت کے طالب کو لازم ہے کہ اپنی بیماری کے علاج میں اصلی درجہ کی کوشش کرے۔ اور بیماری کے زور اور غلبہ کا دھیان از راہِ انصاف کرے۔ اور اپنی بیماری کا علاج ضد کے طریق پر کرے (العلاج بالضد) کا عامل رہے۔ چنانچہ بخل کا علاج خرچ سے۔ حرص کا صبر سے تکبر کا تواضع سے۔ غضب کا حلم سے۔ حسد کا نصیحت سے۔ ریا کا اخلاص سے کرے اور علاج کرنے میں اعتدال کی حد کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ دل کے اوصاف جو ہمنے بیان کیئے ہیں۔ انکے خلاف پیدا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ بیماری کی حالت ہے۔ اور دراصل دل کی صحت ان صفات اور ان صفات کی اضداد کے بین بین ہے۔ اگر انمیں سے ایک کو فوقیت دیجاوے۔ تو اسکو محبت کہتے ہیں۔ اور اگر دل کا رجحان ایک طرف حد سے زیادہ ہو جاوے۔ اسی کو حجاب کہتے ہیں۔ اور یہ فضول محبت جسقدر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ حجاب کا ڈل بھی اتنا ہی موٹا ہوتا جاتا ہے۔ اور جو تم ہر روز سورہ فاتحہ میں اہدنا الصراط المستقیم پڑھتے ہو۔ اعتدال کی حقیقت اسی میں درج ہے۔ اور یہی راستہ کی روح دوزخ کی راہ (پلصراط) ہے اور اس اعتدال کی حقیقت بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ جو شخص اس صراط پر سیدھے قدم لگائیگا وہ اس صراط سے بیفکر عبور کر جائیگا۔ بلکہ بجلی کی چمک کیطرح گذر جائیگا۔ اور جسنے اس دنیا میں استقامت نہیں کی۔ کل اسکا پاؤں اس صراط سے لغزش اور ٹھوکر کھائیگا۔ خدا جانے پھر انجام کیا ہو۔

اگہ در دنیا نرفتی بر صراطِ مستقیم
در قیامت بر صراطے جائے تشویش است دیدم

قلب زر اندودہ نفستانند در بازار حشر   خالصے باید کہ از آتش بروں آید سلیم

اسی رستہ کے بچاؤ کے لیئے اللہ جلشانہ نے اپنے بندوں کو دن بھر میں سترہ دفعہ صراط مستقیم پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جو شخص اس صراط کی محبت سے خالی ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ دوزخ کی آگ سے بچا رہے اللہ جلشانہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا کوئی آدمی ایسا نہ ہوگا کہ قیامت کے دن اسکا گذر پشتِ دوزخ پر نہ ہوگا یعنی ہم سب کو دوزخ پر لنگھاوینگے۔ بعد ازاں ہم پرہیزگاروں کہ جنکے دل کا شیشہ غیریت کی غبار سے صاف ہوگا۔ انکو نجات دینگے۔ اور ظالموں اور بداطواروں کو ہم وہاں ہی رہنے دینگے۔ یا اللہ تیرا فضل تیرا رحم۔ تیرا کرم۔

نقل ہے کہ اکابر تابعین سے ابو میسرہ قدس سرہ نے تیس سال تک اپنا پہلو زمین پر نہ لگایا جب رات اپنا ڈیرہ ڈالدیتی تو آپ زار زار روتے۔ یہانتک کہ آپکے رخساروں پر آنسوں کے چلنے سے گڑھے پڑ گئے۔ آپ کی والدہ نے انکو ایکدن کہا۔ کہ بیٹا تو نے اب تک کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ تیری ساری عمر عبادت میں گذر گئی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ تو مسلمان ہے اور مسلمانوں کا بچہ ہے۔ پھر تو اتنا کیوں روتا ہے عرض کی اے میری خیر خواہ ماں۔ جب مجھے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قیامت کے دن سب کو ایکدفعہ پل صراط سے گزرنا پڑیگا۔ اور جو نیک اعمال ہونگے وہ پار اتر جاینگے، اور جو بدبخت ہونگے وہیں رہینگے۔ تو خوف کے مارے کانپ جاتا ہوں۔ اور اندیشہ پڑتا ہے کہ خدا معلوم قیامت کے دن کس فریق سے ہو جاؤنگا اس مثال کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے رستہ پر استقامت کا ملنا آلہی فضل اور کرم کے سوا ممکن نہیں۔ جو شخص اپنے اخلاق کو برائیوں سے پاک کرلیتا ہے، اور روح کو نیک صفتوں سے آراستہ کرلیتا ہے وہ استقامت کی دیوار کے قریب آجاتا ہے۔ بلکہ صراط کا گذرنا اسکو خدا کے فضل اور مولے کے رحم سے آسان ہو جاتا ہے اللھم اجعلنا منھم بحرمت النبی صاحب الجود الکرم پوشیدہ نہ رہے کہ کمال اوصاف کے اصول دس ہیں، تمام اوصاف عمدہ انہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ علم۔ حیا۔ حلم۔ سخاوت۔ تقوے۔ شجاعت عدل۔ صبر۔ صدق۔ یقین۔ ان صفتوں کا کمال، اور انکا مجموعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات

پاک کے سوا اور کسی وجود میں نہیں اور باقی انبیا اور جملہ اولیاء کے روح کا قرب جسقدر ذات محمدی کو ساتھ ہوتا ہے۔ اتنا ہی آپکو حصہ ملتا ہے اور یہی محمدی رابطہ ہے جو قرب الٰہی کا باعث ہوتا ہے۔ یعنے جو شخص اون اوصاف سے متصف ہوتا ہے وہ منظور بارگاہ الٰہی ہوتا ہے۔ اور مقربین سے شمار ہو جاتا ہے۔

وہ آدمی نہیں ہوتا بلکہ وہ فرشتہ ہے۔ جو آدمیوں کی شکل میں ہے۔ وہی زمانہ کا پیشوا اور مقتدا ہوتا ہے اور جس مردود کا وجود ان اوصاف سے برہنہ ہے۔ اسکی بابت احکام بالا بھی برخلاف اثر پیدا کرتے ہیں۔ گویا وہ شکل تو آدمیوں کی رکھتا ہے مگر شیطان ہے۔ اسکا یہ کام ہوتا ہے کہ اغوا کرتا ہے دہوکہ فریب دیتا ہے۔ بندوں کو بگاڑتا ہے۔ شہروں کو اجاڑتا ہے۔ انمیں پہلا آدمی تو محبت اور قرب الٰہی کا مستحق ہے اور پہلا شہر اور مردودیت کے لائق۔

اے عزیز ارباب قلوب اور اہل تحقیق کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ حسن خلق ایمان کو ہی کہتے ہیں اور بدخلقی کو بے ایمانی ان ہر دو صفات کیواسطے معیار یہی ہے جس سے انکی پرکھ ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدائی دربار کے مقرب اور مخلص دنیاوی مصائب کو خوشی خوشی جھیلتے ہیں۔ اور جو شخص تکالیف کے موقعہ کو ثابت قدمی سے منظور کرتا ہے اور قضا کے جاری ہونے کو خوشی سے برداشت کرتا ہے اسکو مومن صادق اور موحد کامل کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور حسن خلق اور مکارم اخلاق کی خلعت اسکو پہنائی جاتی ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومن ہمیشہ زمانہ کی پانچ مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ پہلا تو یہ کہ مسلمان اسپر حسد کرتے ہیں۔ دوم منافق بھی اسکو دشمن جانتے ہیں سوم کافر اسکے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔ چہارم شیطان چاہتا ہے کہ اسکو گمراہ کرے۔ پنجم اسکا نفس چاہتا ہے کہ اسکو خواہشات نفسانی میں مبتلا کرے۔ مگر وہ خدا کے حکم کے بموجب نفس کو ڈانٹتا ہے۔ انہیں باتوں میں اگر وہ حوصلہ کرے تو اسکے ابدی وسیلہ کا باعث ہو جاتی ہیں۔ شیخ ابوبکر وراق فرماتے ہیں۔ جسنے اعضاء کی باگ کو شہوات کے میدان میں ڈھیلا کر دیا گویا اسنے اپنے دل کے باغ میں ندامت کا درخت بو دیا جسکا پھل حسرت اور رسوائی کے سوا اَور کچھ نہ ہوگا۔ وہب بن ورد فرماتے ہیں۔ جسنے لذات دنیوی کو نہایت خوشی سے چاہا اسکو آخرت کیواسطے تیار رہنا چاہیئے۔

روایت ہے کہ جب عزیز مصر نے زلیخا کو صرف اسلئیے طلاق دیدیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کی محبت میں ہمیشہ مستغرق رہتی ہے۔ تو زلیخا کا کام یہ تھا۔ کہ جو شخص یوسف علیہ السلام کا نام اسکے روبرو لیتا اسوقت جو کچھ اسکے پاس موجود ہوتا تھا اسپر قربان کر دیتی۔ حتے کہ سخت نادار اور غریب اور محتاج ہو گئی۔ ایک راہ گذر پہ بیٹھکر بھیک مانگتی تھی۔ جب وہ زمانہ بھی آگیا کہ یوسف علیہ السلام بادشاہ ہو گئے۔ اور انہوں نے زلیخا کو نکاح میں لے لیا تو زلیخا نے ایک دن بیان کیا کہ اس زمانہ محبت اور ہجر میں مجھے یہ اچھی طرح سے معلوم ہو گیا کہ حرص کی کثرت بادشاہوں کو غلام بنا دیتی ہے۔ اور صبر اور تقوے بندوں کو بادشاہ بنا دیتا ہے تقوی ایسا کام ہے جسکو ہم اوصاف حمیدہ کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں اور جو شخص اپنے آپکو امور شرعی کے تابع بنالے وہ متقی ہے اللہ کی بارگاہ میں وہ بندہ مقبول اور معزز ہو جاتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

عائشہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارہ میں پوچھا گیا۔ آپنے فرمایا کہ حضور انور کا خلق قرآن مجید ہی تھا۔ یعنے جو اوصاف قرآنمجید میں آئے ہیں وہ آپکی عادت میں قائم دائم تھے جن باتوں کو اللہ جلشانہ نے منع کیا ہے۔ انسے آپ ایسے دور رہتے تھے کہ انکو دیکھ ہی نہ سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ کی طبیعت پر کسی قسم کا ملال نمودار ہوتا تھا۔ تو آپ بلال کو فرماتے تھے اے بلال مجھے غموں سے بچالے۔ اور نماز سے خوش کر۔ دراصل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشی عبادت میں اور آنکھوں کی روشنی نماز میں ہوتی تھی۔ آجکل کے مسلمان جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ انکی خوشی گناہوں میں اور آنکھوں کی ٹھنڈک بدکاریوں میں اور قرب الہی زمانہ کی زینت میں ہوتا ہے۔ اور آئین محمدی کو دین محمدی جانتے ہیں اور زبان کے تلفظ کو ایمان سمجھتے ہیں۔ اور رسومات بیہودہ کو اسلام کے رکن جانتے ہیں گویا وہ اسلام کو سلام کر چکے ہیں۔

سر عشق از سر زبان دور است — شرح این آیت از بیان دور است
ہر خسے کے رسد باوج کمال — طالب نام زین نشان دور است
اے بجز حرص و ہوا کمر بستہ — این حکایت ازین میان دور است

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے جب اپنے بندے کو نیک کرنا چاہتے ہیں تو اسکو اپنے

عیبوں پر بینا کر دیتے ہیں۔ پس بندہ کی سعادت کا یہ نشان ہے کہ وہ اپنے عیبوں سے واقف ہوجاوے کیونکہ جبتک وہ اپنے عیبوں سے واقف نہ ہوگا۔ اپنے نفس کو ان عیوب سے پاک نہ کرسکے گا۔ اس مذاق کے آدمی ہر زمانہ میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ اکثر پائے جاتے ہیں۔ کہ اپنے عیبوں سے نابینا ہیں اور دوسروں کے عیبوں سے بینا ہوتے ہیں شہوات اور لذات کی سرخی نے لوگوں کی عقلمندی کی آنکھ کو سرخ انگارا بنا دیتا ہے۔ اور دنیاوی لغزشوں نے انکو اصل مقصود سے دور پھینکدیا ہے۔ بڑا افسوس ہے کہ وہ ناجائز چیزوں کو جمع کرتے ہیں۔ اور انصاف اور ظلم کے درمیان آگئے ہیں۔ اور جو طالب صادق کے قدم سے نفسانی خواہشات کی گھاٹیوں کو قطع کرتے ہیں۔ اور صفائی کے صیقل سے دل کے شیشہ کو ردیہ اوصاف کے غبار سے پاک کرتے ہیں۔ اُن میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔

بعض آدمی ایسے ہیں۔ کہ شیخ کامل ناصح کے وجود کو اپنے اعمال کا آئینہ ٹھیراتے ہیں یعنے جس بات سے انکو شیخ نے منع کیا ہے فوراً چھوڑ دیتے ہیں۔ شیخ کو بھی چاہیئے کہ اس تصرف کیواسطے شریعت کی احکام کا عالم ہو اور طریقت کے آداب کا ماہر اور حقیقت کے اسرار کا عارف ہو ایسے شیخ کا وجود زمانہ میں نادر ہوتا ہے بلکہ کم ملتا ہے۔ اسیواسطے اکثر مرید جہالت کی جنگل میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔ اور مطلوب کا رستہ کو گم کر بیٹھے ہیں۔ اور مقصود سے خالی ہوجاتے ہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے۔ کہ انکو عارف کی قدمبوسی تو نصیب نہیں ہوئی۔ مگر انہوں نے ایک دوست عقلمند بصیر۔ اور دیندار اور مہربان۔ اور ناصح کو ڈھونڈھ لیا۔ اور اسکو اختیار دیدیا کہ میری احوال افعال اور اقوال میں جو نقص دیکھو اس سے مجھے فوراً اطلاع دیتے رہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حذیفہ۔ سلمان۔ ابو درداء سے اپنے عیوب پوچھتے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اس مرد پر رحم کرے۔ جو میرے عیبوں کو میرے روبرو ہدیہ کے طور پر لاوے۔ افسوس کی یہ بات ہے۔ کہ اکثر آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عیبوں کا اظہار بھی صحیح طور پر نہیں کرتے۔

دریغ ایں عمر در امر سہم ندیدم — امید وصل بود ایں ہم ندیدم
ازاں کار مرا سست است بنیاد — کہ عہد دوستاں محکم ندیدم

ایک گروہ اور بھی ہے۔ کہ عام لوگوں کے وجود کو اپنے روزگار کا آئینہ بنا لیتے ہیں۔ المؤمن مرآۃ المؤمن

انکا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جو کام خلقت کا بُرا یا اچھا ہو دیکھتے ہیں۔ اس بُری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عیسے علیہ سلام سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپنے ادب کس سے سیکھا۔ آپنے فرمایا بے ادبوں سے لوگوں نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپنے فرمایا کہ جاہلوں کا جو کام مجھے ناپسند آیا۔ اسکو مینے چھوڑ دیا۔ مولا کے طالبوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ دشمنوں کی عداوت کو بھی غنیمت سمجھا۔ انکے خیال شریف میں یہ آیا کہ دوست تو عیب ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور دشمن عیب کو نکالکر آگے رکھ دیتے ہیں جسکے اظہار سے واقفیت ہو کر اصلاح ہو جاتی ہے۔ یہ امر نہایت ہی غنیمت ہے۔ اور صرف دینی اہتمام کی خاطر دشمن کو غنیمت سمجھا
اللہ اکبر۔

نقل ہے کہ کسی شخص نے سلمان ؓ کو گالیں دیں۔ آپنے فرمایا۔ کہ اگر قیامت کے دن میری بُرائیوں کا پلڑا بھاری نکلا تو اس سے بدتر ہوں جو تونے کہا۔ اور اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ تو پھر تیرا کہنا میرا کیا نقصان کرتا ہے؟

نقل ہے کہ کسی نے حضرت ابو بکر صدیق کو بُرا بھلا کہا۔ تو آپنے صرف یہی فرمایا کہ میرے عیب تجھ سے بہت چھپے ہوئے ہیں۔

نقل ہے کہ کسی نے مالک دینار کو کہا۔ اوریاکار۔ آپنے فرمایا کہ بصرہ میں تیرے سوا مجھے کسی نے نہیں پہچانا الحمد للہ کہ میرا عیب مجھے معلوم ہوگیا۔ میں تیرا ممنون ہوں۔

یہ لوگ صراف کامل اور جوہری اعلے درجہ کے تیز بیں تھے۔ انکو دینی امور کے اہتمام نے ایسا مشغول کر رکھا تھا کہ انکو یہ خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ کہ دشمنوں کی دشمنی اور دوستوں کی دوستی کیا ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ اسی دُھن کی پکے تھے۔ کہ کوئی خیر خواہ ہمیں ہمارے عیب پر اطلاع دے۔ اور وہ عیب بتانے والے کو حقیقی دوست جانتے تھے۔ آج ہم میں ہوا پرست اور بدبخت کہ جو شخص ہمیں ہماری عیبوں پر مطلع کرے اور اسکا اصل مطلب یہ ہو کہ ہمیں اسکے نقصان سے بچاوے۔ تو ہم اسکو سخت دشمن جانتے ہیں۔ یہ امر ہمارے ضعف ایمان کی نقارہ کی چوٹ سے دلالت کر رہا ہے۔ بلکہ ہماری عین بے ایمانی ظاہر کرتا ہے۔ اب ہم کھلے طور پر ہم ایک اور طرح سمجھاتے ہیں۔ کہ ایک شخص بے خبر ہے۔ اور اسکے کپڑوں میں سانپ یا بچھو گھس گیا ہے۔ دوسرا آدمی

سکو جگاتا ہے اور خبردار کرتا ہے۔ کہ میاں تیری کپڑے میں سانپ ہے۔ جب اسکے کپڑے سے سانپ نکلتا ہے۔ تو کہنے والے کا نہایت مشکور ہوتا ہے اور احسان مانتا ہے۔ العزیزو اوصاف ذمیمہ مثلاً تکبر۔ حرص۔ بخل عجب حقد حسد۔ ریا یہ سب کے سب معنوی سانپ ہیں یا بچھو۔ جو ابد تک قبر ہیں۔ دوزخ میں عذاب چکھاتے رہینگے۔ جائے غور ہے کہ اگر کوئی مہربان ان صفات کی آفات سے آگاہ کرے بجائے اسکے کہ اسکا شکر گذار ہو الٹا دوست برا ماننا۔ لڑنا۔ جھگڑنا۔ عداوت کرنا۔ ایمانداری سے کوسوں دور ہے۔ بلکہ بے ایمانی کا صریح نشان ہے۔ اسکی وجہ ہم بیان کرتے ہیں کہ سانپ اور بچھو وغیرہ سے تو صرف حیات فانی کا نقصان مفہوم ہوتا ہے اور یہ معنوی سانپ اور بچھو جنسے حیات ابدی اور زوال سرمدی اور گرفتاری اور ہلاکت کا باعث ہیں۔ جن میں اور انمیں تمیز نہیں کرتا تو وہ کس پایہ کا مسلمان ہے اگر اسکو معاملہ آخرت پر یقین ہوتا تو احسان بھی اور شکر گذار بھی ہوتا۔ بلکہ تا دم زیست ورم ناخریدہ غلام سمجھتا۔ اس ناعاقبت اندیش قوم کے بارہ میں اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ۔ یہ لوگ دنیا کی ظاہری نمود پر ہی مر رہے ہیں اور جانیں دے رہے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

جعلنا اللہ ممن حقق ایمانہ فنعل بمقتضاہ وحسن سلامہ وفاض برضاہ مولاہ وانہ

قریب مجیب

باب چہارم

والدین اور زوج اور زوجہ اور اولاد اور نوکروں اور قریبیوں اور دوستوں کے حقوق میں ہے

اللہ جلشانہ فرماتے ہیں وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا تم بندوں کی ہم مالک اور پروردگار ہیں۔ ہمنے حکم دیا ہے کہ ہمارے جناب کبریا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ اور ماں باپ کے بارہ میں احسان کرو۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مینے رسول علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ باپ کی خوشنودی بہشت کا دروازہ ہے۔ اگر تمکو بہشت کی تمنا ہے تو اس دروازہ کی حفاظت کرو۔ اگر مرضی نہیں تو اسکو ضائع کرلو۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ مینے رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں کسکے ساتھ بھلائی کروں آپنے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ پھر مینے عرض کی یا رسول اللہ بعد ازاں کسکے ساتھ۔ آپنے فرمایا ماں کے ساتھ۔ پھر مینے عرض کی یا رسول اللہ بعد ازاں کسکے ساتھ آپنے فرمایا ماں کے ساتھ پھر مینے عرض کی یا رسول اللہ بعد ازاں کسکے ساتھ آپنے فرمایا باپ کے ساتھ۔

الغرض بموجب دلائل شرعیہ کی روسے قریبیوں اور ذوی رحم کے حق ضروری ہیں۔ جو طرف رحم کے قریب ہیں اُسکا حق بھی ضروری ہے اور یہ نسبت خصوصاً ولادت کے متعلق ہے۔ اسلیئے ماں کی حقوق کی فوقیت سب سے زیادہ ہے۔ چونکہ ماں نے باوجود ضعف اور عجز کے حمل اور رضاعت اور تربیت کی مشقت زیادہ اُٹھائی ہے۔ اسلیئے اسکا حق باپ کی نسبت زیادہ ہے

مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ہم رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ بنی سلمہ کی قبیلہ سے ایک شخص نے بھی رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ دونو مر گئے اور انکے بہت سے حق میری ذمہ واجب الادا ہیں۔ کیا میں اُنکو اب ادا کر سکتا ہوں۔ آپنے فرمایا کیوں نہیں۔ انپر دعاے خیر کرو اور انکی آمرزش اللہ سے مانگو۔ اور انکی وصیتوں پر عمل کرو۔ اور انکے دوستوں کی عزت بجا لاؤ۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خوابگاہ سے ایسی حالت میں اُٹھے کہ اسکے ماں باپ اُسپر خوش ہوں۔ تو اسدن بہشت کے دروازے اسپر کُھل جاتے ہیں۔ اگر ماں یا باپ سے ایک زندہ ہو تو ایک ہی کھلتا ہے۔ اور جو شخص صبح کو والدین کی ناراضی میں اُٹھتا ہے۔ تو اسپر دوزخ کے دروازے اسپر کھلتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک زندہ ہو تو ایک ہی کُھلتا ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خوابگاہ سے ایسی حالت میں اُٹھے کہ اسکے ماں باپ اسپر

خوش ہوں۔ تو اُسدن بہشت کی دروازے اسپر کُھل جاتے ہیں۔ اگر ماں یا باپ سے ایک زندہ ہو تو ایک ہی کھلتا ہے۔ اور جو شخص صبح کو والدین کی ناراضی میں اُٹھتا ہے۔ تو اسپر دوزخ کے دو دروازے کھلتے ہیں۔ اگر انمیں ایک زندہ ہو تو ایک ہی کھلتا ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ بہشت کی خوشبو میں ایک خاصہ ہے۔ کہ پانچ سو سال کی راہ کی فاصلہ سے اُسکی خوشبو ناک میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر عاق اسکو نہیں سونگھ سکتا۔ یعنے عاق دور ہی رہتا ہے۔ خواہ ماں باپ کا ہو یا اُستاد کا یا مرشد کا۔ رسول کا عاق تو جہنمی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جلشانہ نے موسی علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ اے موسے جو شخص ماں باپ کی خدمت نہایت محبت اور پیار سے بجالاتا ہے۔ اور ہماری عبادت سے غافل ہو جاتا ہے ہم اسکا نام نیکوں کے زمرہ میں لکھدیتے ہیں۔ اگر وہ ہماری عبادت میں قصور نہ کرے۔ اور ماں باپ کی خدمت سے دل چرائے تو اسکا نام بدکاروں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے۔

حکایت عجیب

زمانہ گذشتہ میں اہالیان ملک مصر کا شیوہ تھا کہ مصر کا بادشاہ جب زیب آرائے تخت بادشاہی ہوتا تھا۔ اگر وہ اُسحالت میں کسی آنیوالے کی تعظیم کیواسطے تخت سے سرو قد کھڑا ہو جاتا تو امرا اسکو تخت شاہی سے اتار دیتے تھے۔ صرف اس خیال پر کہ اُسنے سلطنت کی رعب وداب اور شان وشکوہ کی پرواہ نہیں کی۔ یعنے سلطنت سے خود بخود بیزار ہو گیا ہے کہتے ہیں کہ جس دنوں حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے دیدار کیواسطے مصر میں تشریف لائے تو یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ باپ کی تعظیم کے واسطے سرو قد کھڑے ہوں۔ مگر امرا وزرا کا خیال اس تعظیم کا مانع ہوا یعنے یوسف علیہ السلام نہ اُٹھے۔ اللہ جلشانہ نے فوراً جبریل کو بھیجکر حکم دیا کہ ہمارا پیغام یوسف علیہ السلام کو سنادو کہ تمنے ملک فانی کی مصلحت کیواسطے باپ کی عزت اور تعظیم میں کوتاہی کی۔ ہمیں اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ ہمنے تیرے پشت سے نور نبوت نکال لیا ہے۔ یعنے ہم آیندہ تیری پشت سے کوئی پیغمبر پیدا نہ کرینگے

روایت دوم کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ملاقات کو آئے

یہ دونو حضرات گھوڑوں پر سوار تھے۔ یعقوب علیہ السلام فرط محبت کے مارے گھوڑے سے نیچے اتر پڑے مگر یوسف علیہ السلام گھوڑے پر سوار رہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گھوڑے سے نیچے کیوں نہیں اُترے۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کی کہ میں فرط خوشی سے بھول گیا ہوں۔ جبرئیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بھول وول نہیں جانتے۔ ہم نے اس لغزش کی عوض تمہاری نسل سے پیغمبری کا نور اُڑا دیا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے عاصی تو شرمندہ نہیں ہوتا۔ افسوس کہ باپ تو پیادہ ہو۔ اور بیٹا گھوڑے پر سوار ہو۔ ذرا اوپر دھیان کرو کہ تمام فرشتے اس نظارہ کو محو ہو رہے ہیں۔

یوسف علیہ السلام بیخود ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ اور باپ کے قدموں پر سر رکھدیا۔ مگر حکم آلٰہی وہی ہا جو ہو گیا۔ جیسا کہ باپ کو بیٹے کی ہدایت ضروری ہے۔ اسیطرح بیٹے کے ذمے بھی باپ کی ہدایت ہے۔ اسکو احتساب کہتے ہیں۔ مگر دو چار صورتوں میں اختلاف ہے۔ وہ پانچ قسم پر ہے۔ اوّل تعریف۔ دوم نصیحت بہ وعظ۔ سوم منع بہ فعل۔ چہارم درشتی۔ پنجم ضرب۔ باپ کی درستی اور اصلاح کیواسطے بیٹوں پر بھی پہلے دو قسموں کا احتساب جائز ہے۔ اور چوتھا اور پانچواں بالکل ناجائز ہے۔ البتہ تیسرے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگر اس معاملہ میں بیٹے سے ایسا کام صادر ہو۔ جو باپ کی تکلیف کا موجب ہوا ور ناراضی کی وجہ تاہم درست ہے۔ چنانچہ آلات سرود کا توڑنا۔ یا شراب کا لنڈھا دینا۔ یا نامشروع کپڑوں کو اُتار لینا اور کسی اور کو دیدینا یا چھنا ہوا مال انسے لیکر اصل مالک یا حقدار کو دیدینا۔ اگر والدین ایسی اصلاح سے بیٹے پر ناراض ہو جاویں تو انکا یہ غصہ ناجائز ہوتا ہے۔ اور بیٹا عاق متصو نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسنے اللہ کے حکموں کو ناجائز حقوق پر مقدم رکھا۔ اللہ جلشانہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ جو لوگ ایماندار ہیں انکو چاہیئے کہ اگر انکے باپ اور بھائی کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں تو انکو اپنا رشتہ دار نہ سمجھیں۔ لیکن جو والدین اللہ کے حکم کے تابعدار ہوں۔ اور شرع کی مخالفت نہ کرتے ہوں تو انکو خوش رکھنا جملہ عبادات سے افضل ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ماںباپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا نماز روزہ۔ عمرہ جہاد سے بدرجہا اچھا ہے۔

تنبیہ والدین کا وجود فرزند کی وجود کا سبب اول ہے۔ کیونکہ عالم دنیا میں بیٹے کا وجود انہی کے ذریعہ

سے پیدا ہوا ہے۔ اور بیٹے کے وجود میں ذاتی اور صفاتی نورانیت صرف انہی کی پیدائش سے ظہور پاتی ہے۔ لڑکپن کے زمانہ میں جب بچہ نہایت ہی ناتوان ضعیف اور بے سہارا تھا تو اسوقت ماں باپ کی محبت اور شفقت اور دلداری اسکی حامی اور مددگار تھی۔ اور جن ضروریات کو وہ بیان نہیں کرسکتا تھا۔ وہ انکو مہیا کردیتے تھے اور یہ بھی پروردگار کی رحمت ہے۔ کہ پرورش اور مہربانی اور جسم در پردہ ان کی ذریعہ سے نمودار ہو کر انکے طبعی آئینہ میں عکس اندازی کرتے ہوئے صورت پذیر ہوتی تھی۔ ان صفات کی نتائج ہی مولود کے وجود کو نقصان کے مقام سے کمالیت کی درجہ پر چڑھا دیتے ہیں۔ اسلیئے پروردگار عالم نے انکی اطاعت اور خدمت اولاد پر واجب کردی (اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ)

قسم دوم اس باب کا دوسرا قسم ہے جسمیں نکاح کے آداب اور خاوند اور بیوی کے حقوق کا بیان ہے قال اللہ تعالے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّۃً اب سے پہلے ہمنے رسول بھیجے اور انکے واسطے عورتیں اور بال بچے بنائے) رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے مَنْ نَکَحَ لِلّٰہِ وَاَنْکَحَ لِلّٰہِ اِسْتَحَقَّ وَلَایَۃَ اللّٰہِ جسنے آپ نکاح کیا صرف اسخیال سے کہ اپنے دین کو محفوظ کرلے اور اپنے نفس کو محرمات اور گناہوں کے حملوں سے بچائے یا اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح کسی مسلمان دیندار کے ساتھ صرف خدا کے واسطے باندھا تاکہ اُسکا دین محفوظ رہے وہ شخص اللہ کے قرب اور دوستی کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ نکاح کرنا میری سنت ہے۔ جو شخص میری ساتھ محبت رکھتا ہے۔ اور وہ میری سنت کو سنت مانتا ہے۔ اور جو شخص میری سنت سے روگردانی کرتا ہے نہ وہ میرا ہے۔ نہ میں اسکا ہوں۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمکو جسکے دین اور امانت پر بھروسا ہو اور وہ تمہارے پاس آوے۔ اور نکاح کی خواہش کرے۔ اور اگر تم اسکی خواہش کو پورا کرسکتے ہو تو اُسکو نکاح کردو۔ اگرچہ ایسا آدمی بظاہر نادار ہو تو اسکی تنگدستی کا خیال نہ کرو۔ اسکے تقوے اور دیانت کو ہی غنیمت سمجھو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو تمہارا نام زمین کے مفسدوں میں لکھا جاویگا۔ اور فساد عظیم کے بانی قرار پاؤگے۔

اے عزیز چونکہ نکاح کرنا دینی خوبیوں۔ اور لشکر شیطانی کی روک اور امت رسول علیہ السلام کی زیادتی

اور گروہ اسلامی کی کثرت کا باعث ہے۔ اسلیئے جملہ اہل اسلام کو لازم ہی کہ نکاح کے شرائط کی معرفت اور اسکی حقوق اور احکام اور مقاصد اور آداب سے ضرور واقف ہوں نکاح کی شرطیں سات ہیں۔ شرط اول معاشرت دوم سیاست۔ سوم غیرت۔ چہارم نفقہ۔ پنجم تعلیم۔ ششم قسمت۔ ہفتم تادیب۔ انکا مفصل حال بیان کیا جاتا ہے

شرط اول معاشرت اللہ جلشانہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ نیکی اور خوش خلقی سے گذارہ کرو۔ رسول علیہ السلام کی آخری وصیت جو تھی وہ یہ تھی۔ میاں نماز کو قائم رکھنا۔ نوکروں پر شفقت کرنا۔ خدا سے ڈرنا۔ عورتوں کے حقوق کی رعایت رکھنا۔ کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں۔ پس ان حقوق کی جو عورتوں کو مردوں پر ہیں سب سے بڑا یہ ہے۔ کہ انکو قولی اور فعلی امور میں سختی سے ایذا نہ دیں۔ بلکہ انکی بدخوئی اور شتابہ زدگی کو حلم اور صبر کی قوت سے برداشت کریں۔ ترشروئی بالکل نہ کریں۔

روایت ہی کہ رسول علیہ السلام نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ ای عائشہ میں تیری رضامندی اور غصہ کی تمیز کر لیتا ہوں۔ عائشہ نے عرض کی۔ کہ آپ کسطرح سمجھتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے۔ تو قسم کے وقت بخدائے محمد کہتی ہے۔ اور جب غصہ میں ہوتی ہے۔ تو بخدائے ابراہیم کہتی ہے۔ عائشہ نے سنکر عرض کی۔ واللہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایکدفعہ غصہ کی حالت میں آپکے سینہ مبارک پر دو ہاتھ رسید کیئے اور کہا کہ تو وہی ہے۔ جسکا یہ دعوے ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ آپنے تو صرف مسکرا ہی دیا۔ اور کچھ نہ کہا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ عورتوں کی محبت میں اپنے رسول کا اتباع کریں۔ اور یہ طریق مقرر کرے کہ اپنی عقل کو عورتوں کے ناقصہ عقل کے موافق رکھے۔ اور خوش طبعی۔ اور خوش مزاجی سے انکا دل خوش رکھے۔

نقل ہے کہ لقمان علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ مرد اپنے اہل کے پاس چھوٹے بچوں کیطرح بھولا بھالا ہو جاوے۔ اور جب قوم میں آوے۔ تو اپنے آپ کو ثقہ۔ معتبر۔ اور عقلمندوں کا نمونہ بناوے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام کا خلق تمام دنیا سے اعلے پیمانہ پر تھا خصوصاً اپنے ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت ہی خوش خلق اور خوش مزاج ہوتے تھے۔ ایکدن آپنے فرمایا کہ ای عائشہ آؤ ہم دونو ملکر دوڑیں۔ اور دیکھیں کہ ہم دونوں میں سے کون زیادہ دوڑتا ہے۔ اتفاقاً دوڑ میں اسدن

رسول اللہ علیہ السلام مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ کچھ مدت کے بعد پھر آپنے مجھے بھی فرمایا۔ کہ آج ہم دونو پھر دوڑیں اتفاقاً اسدن میں آگے نکل گئی۔ آپنے ہنسکر فرمایا ھذہ بتلک اُسدن کی بازی آج برابر ہوگئی۔

شرط دوم سیاست یعنی رعب و داب ہے } غیرت مند مسلمان کو چاہیئے کہ حسن خلق اور حوصلہ کو بھی اتنا بھی لمبا نہ کرے۔ کہ عورتیں بیہودہ خواہشات کو پورا کرنے لگ جاویں۔ اور خوش مزاجی بھی ایسا تنگ نہ کرے۔ کہ فساد تک نوبت پہونچ جاوے۔ یعنے مرد کا رعب ہی اُنکے دلوں سے اُٹھ جاوے۔ اور گستاخی اور شوخی تک نوبت پہونچ جاوے۔ تو پھر ضرور ہے کہ جب عورات سے کوئی کام خلاف شرع دیکھے فوراً زجر اور تہدید اور تادیب کو کام میں لاوے۔ اور سیاست اور خوف کے دباؤ سے انکو اپنا مقہور اور زیردست بنالے خصوصاً دینی امور میں انکا مامور نہ ہو جاوے۔ اور انکے مشورہ کی پرواہ نہ کرے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ عورتوں کے ساتھ مشورہ کرو۔ مگر اُن کی رائے کی مخالفت میں جم جاؤ۔ کیونکہ انکی رائے کی خلاف میں برکت ہے۔

نقل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کام کرنا چاہا آپکے حرم اس سے مانع ہوئی۔ آپ فرمانے لگے۔ کہ تو میرے گھر میں ایک کھیلنے کا کھلونا ہے۔ جب تیری طرف خیال پڑ گیا۔ تو کھیل لیتا ہوں۔ ورنہ تیرا کام یہ ہے کہ گھر کے کونہ میں پڑی رہ۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی نجات نہ پاویگی۔ جو عورتوں کے کہنے پر چلتی ہے۔ الغرض تمام جہان کا قیام عدل پر ہے۔ اور حد اعتدال سے تجاوز کرنا فساد اور نقصان کا موجب ہے۔

شرط سوم غیرت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ بھی غیرت کرتے ہیں۔ اور مومن بھی غیرت کرتا ہے۔ اور غیرت الٰہی اس شخص پر وارد ہوتی ہے۔ جو حرام فعل کو اختیار کرتا ہے۔ آپنے فرمایا ہے۔ کہ میں غیور ہوں اور جو شخص غیور نہیں ہوتا۔ وہ دیوث ہوتا ہے۔ اور مومن کی غیرت اس بات پر تقاضا کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے گھر میں غیر محرموں کو قدم نہ رکھنے دے۔ اور اپنی مستورات کو قبرستان اور مساجد اور مجالس اور ولیمہ میں جانے کی ہرگز اجازت نہ دے۔ اور جس مجلس میں مرد اور عورت اکٹھی بلا پردہ بیٹھے ہوں۔ وہاں جانے سے منع کرے اور باوصف اِن باتوں کی عورت کے حق میں بدگمانی نہ کرے۔ اور انکے حالات کی استفسار میں حد سے زیادہ مبالغہ نہ کرے۔ اور انکے عیوب کا خواہ مخواہ سراغ

نہ نکالے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ عورت کا وجود پہلو کی ہڈی یعنی پسلی کیطرح ہے اگر تم اس سے فائدہ لینا چاہتے ہو۔ تو اسکو اپنے چال پر رہنے دو۔ اگر تم اسکی کجی کو درست کرنا چاہو گے۔ تو ٹوٹ جائیگی۔ عقلمند کو چاہیئے۔ کہ عورتوں کے اقوال اور افعال سے جہاں تک ہو سکے چشم پوشی اور اغماض کرے اور ایسا تلطف اور چاپلوسی برتے۔ کہ وہ اسپر راضی ہوجاویں۔ جسطرح ہر ایک آدمی کو تمنا ہے کہ میرا نفس دوزخ سے بچ جاوے ویسا ہی اُنکے بچانے کا بھی خیال رکھے اور انکو عالم آخرت کے خطروں اور آراموں سے واقف کرتا رہے۔

شرط چہارم نفقہ ہے اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ کہ اہل نجات اور صاحب درجات وہ لوگ ہونگے۔ جو خرچ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اتنا بخل بھی نہ کرو۔ کہ تجھے بخیل ہی کہنے لگیں۔ اور ایسے شاہ خرچ بھی نہ بنجاؤ کہ تجھے فضول خرچ کہنے لگیں نفقہ کے پیدا کرنے اور لباس کو حرام اور شبہات سے بچاوے اور جو حاجت سے بھی زیادہ ہو وہ مستحقوں اور محتاجوں کو دیدے۔ اگر نفقہ اور لباس کے حاصل کرنیمیں کچھ تو حلال سے ملتا ہے۔ اور کچھ شبہات سے اور ایسے شبہات ہیں جنسے وہ بچ نہیں سکتا تو ایسی صورت میں ایسا کرنا چاہیئے کہ جو آمدنی حلال اور صاف ہے اسکی خوراک بناوے اور شبہات سے کپڑے بنوالے۔ کیونکہ جو گوشت مشتبہ اور حرام سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ دوزخ کی آگ کے لائق ہوتا ہے۔

شرط پنجم تعلیم ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں اے ایمان والو جیسا تم اپنی جان کو آگ سے بچانا چاہتے ہو۔ ایسا ہی اپنے اہل و عیال کو بھی بچاؤ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ دینی امورات کی تعلیم اہل سنت والجماعت کے قواعد کے مطابق کرے۔ جس طریق اور امام کا مرد معتقد ہے۔ اسی پر آپنے اہل کو ہدایت کرے۔ اور انکو بھی آخرت کے عذاب اور گرفتاری عاقبت سے بچائے۔ اور بندگی اور عبادت کی غفلت کے نقصانوں اور آلٰہی مخالفت کے عذابوں سے آگاہ کرے۔ اور وضو، غسل، نماز، روزہ، حیض، نفاس اور استحاضہ کے مسائل اچھیطرح سے سمجھاوے۔ اگر کوئی مرد ان امور میں قصور کریگا وہ گناہگار ہوگا۔ اور عورت پر واجب ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ رکھے۔ بلکہ کسی مولوی یا عالم غیر محرم کے پاس بھی نجاوے

شرط ششم قسمت ہے یہ شرط اس مرد کیواسطے ہے جسکی عورتیں ایک سے زیادہ ہوں مرد پر واجب ہے کہ انکی محافظت اور مجامعت اور نفقہ وغیرہ میں مساوات کو مدنظر رکھے۔ اور ہم بستری کو ایک ہی طریق پر رکھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس مرد کی دو بیویاں ہوں۔ اور وہ انہیں مساوات نہ رکھے قیامت کے دن وہ مفلوج اُٹھے گا۔ رسول علیہ السلام ازواج مطہرات کے درمیان بستری اور نفقہ اور لباس کو مساوات پر رکھتے تھے۔ مگر عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے مولے جتنا مجھ سے ہوسکتا ہے اسمیں تو میں مساوات کو ملحوظ رکھتا ہوں لیکن میں کیا کروں میرا دل تیری قدرت کے قبضہ میں ہے۔ وہ میرے بس میں نہیں۔ اگر انہیں سے کسی کو زیادہ دوست رکھوں تو مولا فضل سے اسکا مواخذہ نہ کرنا۔

شرط ہفتم تادیب ہے جو عورتیں تمہارے روبرو اکڑپن کریں پہلے تو انکو نصیحت سے سمجھاؤ۔ اگر نصیحت اور وعظ مفید نہ پڑے تو انکو خوابگاہ سے الگ کردو۔ اگر یہ بات بھی فائدہ مند نہو تو پھر مار کر ادب سکھلاؤ۔ مگر ایسا نہ مارنا جس سے کوئی اعضا ہی ٹوٹ جاوے۔ یا اس کا وجود ناقص ہوجاوے اور جب وہ اطاعت اور صلاحیت اختیار کرلیں۔ تو پھر اُنپر کسی قسم کی نکتہ چینی نہ کرو۔ اگر مرد مصلحتً عورت کے ساتھ دس روز یا ایک مہینہ گفتگو بند کردے تو جائز ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول علیہ السلام ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں تشریف رکھتے تھے آپ کے واسطے کھانا لایا گیا۔ آپنے اس کھانے سے تھوڑا سا کھانا زینب کیطرف بھیجدیا۔ زینب نے غیرت کے مارے اسکو نہ لیا۔ بلکہ واپس کردیا۔ واپس لانے والی عورت نے عرض کی۔ کہ یارسول اللہ اس نے ایسی ہی گویا زینب نے آپکی اہانت کی ہے۔ آپ کی مزاج میں آثار غصہ نمودار ہوا۔ اور کہا تم سب کی سب اللہ کے دربار میں زیادہ خوار ہو۔ جو میری اہانت کی روادار ہو۔ اس بنا پر آپنے تمام ازواج مطہرات کو مہینہ بھر مہجور کردیا جسقدر ہمنے بیان کیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ عورت کے حقوق خاوند پر کتنے ہیں۔ اب ہم یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خاوند کے حقوق عورت پر کسقدر ہیں۔

ہم پر مقدم یہ بات ہے کہ اول بیان کریں کہ نکاح کیا ہے۔ اور نکاح کا غایت مقصود کیا ہے۔ دراصل

نکاح کرنا غلام خریدنے کے اقسام سے ایک قسم ہے۔ شرع میں ملکیت دو قسم پر ہے۔ اول کا نام ملک یمین ہے۔ دوسری کا نام ملک نکاح ہے۔ جسطرح غلام کو اپنے آقا کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ ایسا ہی بیوی کو اپنے خاوند کی۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر میں کسی کو دوسرے کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرتی۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے سفر جاتے وقت اپنی عورت کو کہا کہ میرے آنے تک گھر سے قدم باہر نہ رکھنا۔ بلکہ چوبارہ سے نچلے مکان میں بھی نہ اُترنا کہتے ہیں کہ اس عورت کا باپ نچلی منزل میں رہتا تھا اتفاقاً وہ بیمار ہو گیا۔ اس عورت نے رسول علیہ السلام کیخدمت میں عیادت کے بارہ میں کہلا بھیجا۔ آپنے فرمایا کہ خاوند کے حکم کی تابع رہ یہانتک کہ اسکا باپ فوت ہو گیا۔ پھر اس عورت نے ماتم کی شمولیت کی اجازت رسول علیہ السلام سے پوچھی آپنے فرمایا۔ کہ خاوند کی اطاعت میں رہ۔ کہتے ہیں کہ اس عورت کے باپ کو دفن کیا گیا مگر وہ نیچے نہ اتری رسول علیہ السلام نے یہ ماجرا سنکر فرمایا کہ اس عورت کی اطاعت نے یہ قبولیت پیدا کی ہے کہ اسکا باپ بخشا گیا ہے۔

دوم عورت پر خاوند کا حق ہے کہ اگر خاوند کی رغبت عورت کیطرف ہو تو عورت پر لازم ہے کہ جس حال میں ہو اسکی مانع نہ ہو۔

سوم خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔

چہارم خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ رکھے۔ **پنجم** خاوند کے عیب اپنے رشتہ داروں پر ظاہر نہ کرے **ششم** حاجت سے زیادہ چیز کی طلبگار نہ ہو۔ **ہفتم** خاوند کی خوشی کو خوشی اور غم کو غم سمجھے **ہشتم** خاوند کے بارہ میں بدگمانی نہ کرے۔ **نہم** ہمیشہ اپنے آپ کو پاکیزہ رکھے۔ جس فعل کو خاوند مکروہ سمجھتا ہے۔ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔

تیسرا قسم اس باب کا یہہ ہے کہ بیٹے کا حق ماں باپ پر کیا کیا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ایک شخص نے رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی

یا رسول اللہ میں نیکی کس کے ساتھ کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ماں اور باپ کے ساتھ اس نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ تو فوت ہو گئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا اپنے فرزندوں کے ساتھ جیسا کہ ماں باپ کا حق تیرے ذمہ ہے ویسا ہی بال بچوں کا حق تیرے ذمے ہے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بچوں کا ساتویں دن عقیقہ کرو۔ اور جب وہ سات سال کے ہو جاویں۔ اور نماز نہ پڑھیں تو انکو سزا دو۔ اور جب سولہ سال کا ہو جاوے تو اسکا بیاہ کرو۔ پھر اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکو کہہ دو۔ کہ میں نے تجھے ادب سکھایا۔ تعلیم دی۔ اور نکاح بھی کیا اب تم جانو اور تمہارا کام۔ تیرے فتنہ سے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

ایعزیز اولاد ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت ہے قیامت کے دن انکے حقوق کا ماں باپ پر مطالبہ ہو گا۔ اس امانت کا وجود شیشہ کیطرح ہے جو بھلائیوں اور برائیوں کو قبول کرنے والا ہے۔ اور اس امانت کا حقیقی جوہر جدہر چاہو جھک سکتا ہے۔ اگر ماں باپ اور استاد نیک اور صالح ہیں تو بچوں میں بھی وہ نشانات نمایاں ہونگے۔ اور علم اور تقوے پر انکی خو پکی ہو جاوے گی۔ بلکہ وہ دونو جہان میں نیک بخت ہو جاوینگے۔ اور ماں باپ اور استاد ثواب میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ استاد ہی فاسق اور جاہل اور غافل ہوں۔ تو انکی بدوضعیوں کے آثار بچوں کی طبیعت میں قائم ہو جاوینگے۔ جو دونو جہان کی بدبختی کا باعث ہونگی۔ جنکا نتیجہ ظلم اور بدکاری اور فتنہ اور فساد اور عجب اور تکبر ہو گا۔

اور ماں باپ اور استادان بداطواریوں کے حصہ دار ہوتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ فطرتی دین پر پیدا ہوتا ہے۔ اور تمام عیوب سے پاک ہوتا ہے۔ بعد ازاں جو کچھ وہ سیکھتا ہے خواہ اچھا ہو یا برا وہ ماں باپ سے ہی سیکھتا ہے۔ یعنے اگر ماں باپ یہودی ہیں تو اسکو یہودی اور اگر عیسائی ہیں تو اسکو عیسائی اگر بت پرست یا مجوسی ہیں تو اسکو بت پرست اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ والدین کا قاعدہ ہے کہ زمانہ طفولیت میں بچوں کو پانی آگ وغیرہ سے بچاتے رہتے ہیں اگر انکو ہلاک ابدی اور عذاب سرمدی سے اسیوقت بچانا شروع کریں تو کیا اچھا ہو ہلاک ابدی سے بچانے کا یہ طریقہ ہے کہ انکو بچپن کے زمانہ میں نیک عادات سکھا دیں۔ اور بداطوار

ہم نشینوں کے میل ملاپ سے بچاویں اور دنیاوی آرایش اور زیبایش پر انکا خیال نہ جمنے دیں اور دنیا کی نعمت اور آرام سے انکو ہٹاتے رہیں۔ ابتدائے زمانہ دودھ پینے کا ہے۔ جو دایہ بے نماز حرام خور ہو اوسکا دودھ اوسکی غذا نہ بناویں۔ جس بچے کی پرورش حرام کے لقمہ سے ہو۔ اس حرام کی خاصیت اسکی طبیعت کو خراب اور سیاہ کردیتی ہے۔ جوانی کے ایام میں اسکی طبیعت کا میلان شرارتوں اور بدعمالیوں کیطرف ہوجاتا ہے۔ جب لڑکا حد تمیز کے زمانہ پر آجاوے تو اسکے حال کے سخت نگاہبان رہیں۔ سعادت کی پہلی نشانی حیا ہے۔ اگر لڑکا اس زمانہ میں باحیا ہو تو غنیمت سمجھیں اور اسکی پرورش میں کوشش کریں۔ اور برے اوصاف سے جو صفت بچوں میں ظاہر ہوتی ہے وہ حرص ہے۔ اسلیئے مناسب ہے کہ پہلے پہل بچے کو کھانا کھانے کے آداب سکھاویں۔ اور بہت کھانے اور بے طرح کھانے کے عیب اسکو کسی خاص طریق سے دکھلادیں۔ اور کھانے کے ذخیرہ کرنے سے منع کریں بلکہ اس عادت کو مضبوط کریں کہ کھانے سے جو کچھ بچ رہے وہ کسی اور حاجتمند کو دیا جاوے۔ اور جو بچے زیادہ کھانے والے ہوں انکو اسکے روبرو ذلیل کریں تاکہ اسکو عبرت کا مادہ حاصل ہو۔ اور ریشمی اور رنگین کپڑوں کے پہننے سے اسکو منع کریں۔ اور یہ بات اسکے ذہن نشین کردیں کہ اس قسم کا لباس عورتوں اور ہیجڑوں کا ہے۔ اور بچے کو ان لڑکوں کی صحبت سے بچانا چاہیئے۔ جو ابریشمی اور رنگین کپڑے پہنتے ہیں۔ اگر ان معاملات میں کوتاہی کیجاویگی تو بچے میں جھوٹ اور چغلخوری اور حسد اور تکبر اور حرص اور بخل اور مکر اور فریب کی بدعادتیں مضبوط ہوجاویںگی۔ اور جب لڑکے کی تعلیم کا زمانہ آجاوے تو اول اسکو قرآن مجید ایسے استاد سے پڑھائیں جو صلاح اور تقوے میں موصوف اور ادائے مخارج میں استاد ہو۔ اور قرآن مجید کی تعلیم کے بعد رسول علیہ السلام کی احادیث اور علماء اور مشائخوں کے موعظ۔ اور صالحوں اور اولیاء اللہ کے حکایات اسکو سناویں اور یاد کرادیں۔ اور ان غزلیات کے پڑھنے سے روکیں جنمیں زلف اور خال اور معشوق کا ذکر ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی باتوں سے بچوں کے دل کے کھیت میں فساد کا بیج بویا جاتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاردار جھاڑیاں وہاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور تعلیم کے زمانہ میں بچے کو ایک گھنٹہ کھیلنے اور ورزش

کرنے کی اجازت دینی چاہیئے تاکہ اسکے دل کی خواہشیں افسردہ نہ ہوجاویں۔ اوراسطرح سے اسکی طبیعت معتدل رہیگی۔ اوراسکی قوت فہم باطل نہ ہوجاوے۔ اوراسکو گالیں دینے اورفحش بکنے۔ اور لعنت کہنے۔ زیادہ گوئی۔ اوربہت ہنسنے سے منع کریں اوراسکو ہدایت کریں کہ بزرگوں کے حضور میں مودب ہوکر بیٹھا کرے۔ اورسات سال کی عمر تک تو اسکو متنبہ کریں۔ کہ دوسرے دواؤں کیطرح کھانا بھی ایک دوا ہے۔ جسطرح خاص بیماری کا علاج بھی خاص ہوتا ہے۔ اسیطرح بھوک کی بیماری کی دوا غذا ہے۔ اوریہ دوا صرف اسلیئے مقرر کیگئی ہے۔ کہ بدن کے گھوڑے سے بھوک کا ضعف ہٹایا جاوے تاکہ روح کا سوار بدنی گھوڑے پر چڑھ کر عبادت الٰہی کے میدان میں خوب دوڑ دھوپ کرے۔ اوراللہ پاک کی معرفت کا ہرن شکار کرسکے۔ اورسعادت ابدی کا بیج دنیاوی کھیت میں بوسکے دنیا ایک کبوتر خانہ ہے جو موت کے جنگل میں بنایا گیا ہے۔ یا ایسا بے بقا گھر ہے۔ جسکو ایک ادنے سا جھونکا بھی تباہ اوربرباد کردیتا ہے۔ اس دنیا کی تمام نعمتیں اس مکان کی طرح ہیں جو فنا کے طوفان کے کراڑے پر بستے ہیں۔ افسوس کہ یہ سب کے سب اجل کے جھکڑ سے اُجڑ جاوینگے۔ آدمی کی موت ہر ایک لحظہ پر قدم آگے بڑہا رہی ہے۔ اورقریب ہے کہ قریب آکر گلا گھونٹ لے۔

عقلمند وہ آدمی ہے۔ جو اس دنیا کو آخرت کا توشہ بنالے۔ اوردولت فانی کو بقا کا لباس پہنا کر الٰہی خزانہ کے سپرد کردے۔

الغرض جب بچوں کی پرورش اسطرح کیجاوے۔ جس صورت پر ہمنے لکھی ہے تو یقین کامل ہے کہ جب حد بلوغ پر پہنچیگا۔ اسکے ظاہر میں تو کیا بلکہ باطن کے انوار چہرہ پر درخشاں ہونگے۔ اوراہل خیر اوراہل صلاح کے سوا کسی اورجگہ دہیان ہی نہ کریگا۔ اورشریروں اورمفسدوں کے بدصحبت سے ضرور ہی کنارہ کش ہوگا۔ اوراگر بچوں کی پرورش اس طریق پر نہ ہو جیسا ہمنے بیان کیا ہے۔ تو اہل غفلت اوراہل ہوا کیطرف اسکا رجوع ہوجائیگا۔ اورکھیل کود۔ بیہودگی۔ بے شرمی۔ مکروفریب۔ دغا۔ حرص کھانے کا طمع۔ لباس کی زینت اوربڑائی کے خیالات باطلہ کا وہ عادی ہوجائے گا۔ اوراسکا سن بلوغ ہی قبول حق سے خالی ہوجاویگا اوروعظ اورنصیحت کا اثر اسکے دل پر مطلق نہ ہوگا۔ اوراسکی تمام ہمت

فسق اور فجور اور معاصی اور شرور اور شقاوت ابدی اور خسران سرمدی میں ضائع ہو جاویگی۔ اور اخیر یہ ہوگا کہ ان سب برائیوں کا نتیجہ ماں باپ کیطرف ہی پھرے گا۔

نقل ہے۔ کہ سہل بن قشیری نے بیان کیا۔ کہ میں ابھی تین سال کا بچہ ہی تھا۔ کہ اپنے ماموں محمد بن سوار کو رات کے وقت عبادت کرتے دیکھا کرتا۔ اور رات کو جب میری آنکھ کھلتی تو انکو عبادت ہی میں پاتا۔ ایکدن آپنے فرمایا کہ اے سہل جس پروردگار نے تجھکو پیدا کیا ہے۔ اسکا نام لیا کر۔ مینے عرض کی کسطرح۔ آپنے فرمایا۔ عزیزا جب تیری آنکھ نیند سے کھلے تو دل میں تین بار یہہ کہدیا کر۔ میرا مولا میرے ساتھ ہے۔ میرا مالک مجھے دیکھتا ہے۔ پر میاں خیال رکھنا۔ کہ صرف زبان سے ہی نہ کہنا۔ چنانچہ آپ کے فرمان کے بموجب چندرات مینے وہ لفظ پڑھے۔ اور پھر مینے عرض کی۔ آپنے فرمایا۔ کہ اب سات دفعہ پڑھا کر۔ پھر چندروز بعد مینے عرض کی آپنے فرمایا۔ اب گیارہ دفعہ پڑھا کر۔ گیارہ دفعہ پر جب نوبت آگئی تو میری طبیعت میں کچھ لذت پیدا ہونے لگی۔ بلکہ عالم محویت کا نظر آنے لگا۔ پھر تو میں لوگوں سے بھاگنے لگا۔ حتے کہ ہمیشہ خلوت میں بیٹھا رہتا۔ اور خلوت نشینی مجھے پسند آنے لگی۔ اب میرے والدین نے مجھے مکتب میں بھیجنا چاہا۔ پر میری طبیعت لڑکوں کی صحبت سے نفرت کرتی تھی۔ اور باہر نکلنے پر آمادگی کرتی نہ تھی مجھے یہی ڈر رہتا تھا۔ کہ میری طبیعت لڑکوں کی صحبت سے کہیں اکتا نہ جاوے۔ والدکی خدمت میں عرض کی کہ آپ استاد جی کی خدمت میں میری طرف سے یہ عرض کردیں۔ کہ مجھے صرف ایک گھنٹہ ہی پڑھایا کریں۔ پھر مجھے چھوڑ دیا کریں۔ جب میں سبق سے فارغ ہوتا تھا۔ یا میں ہوتا۔ یا گوشہ تنہائی ہوتا۔ چھ سال کی عمر میں قرآن مجید مینے یاد کرلیا۔ اور روزے رکھنے لگا۔ جب میری عمر تیرہ سال کی ہوئی۔ تب مجھے حقائق اور دقائق میں ایک ایسا عقدہ پڑگیا۔ کہ وہ میرے استاد سے حل نہ ہوسکا۔ پھر تو میں بصرہ چلا آیا۔ اکثر علما اور مشائخ سے اس مسئلہ کے بارہ میں سوال کیا۔ ہرچند انہوں نے جواب تو دئے مگر میرے دل کو اطمینان نہ ہوا۔ وہاں سے میں شہر عبادان میں گیا۔ اور حمزہ بن عبداللہ عبادانی سے اس امر کی بابت سوال کیا آپنے مجھے ایسا جوابدیا۔ جس سے مجھے پورا اطمینان ہو گیا۔ کچھ مدت تک آپکی خدمت میں رہا۔ اور دل کے شیشہ کو آپکی ہدایات کے بموجب روشن کرتا رہا۔ اور طریقت کے آداب سیکھتا رہا۔ بعد ازاں

میں اپنے شہر کو واپس چلا آیا۔ اور سال کے شروع میں ایک درم کے جو خرید لیتا تھا۔ اور پیسکر انکا آٹا بنا لیتا۔ وہی آٹا میری سال کی خوراک میں کافی ہوتا تھا۔ بیس سال تک اسیطرح کرتا رہا۔

اس حکایت کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ لڑکے کی ابتدائی حالت صاف شیشہ او سادہ تختی کیطرح ہوتی ہے جو صورت اسکے سامنے آوے یا اسپر جو حرف لکھا جاوے۔ وہی نظر آویگا۔ اور وہی قائم رہے گا۔ اگر کوئی لڑکا کسی عارف کامل کیخدمت میں تربیت پاویگا۔ تو امید ہے کہ اولیاء اللہ کے گروہ سے ایک ولی ہو جاویگا۔ معاذاللہ اگر کسی فاسق شریر کی صحبت میں پڑگیا تو شیطان کیطرح مردود ہو جاویگا۔ بلکہ شیطان کا بیلی ہو جاویگا المرء علی دین خلیلہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

اس باب کا چوتھا قسم اس بارہ میں ہے۔ کہ آقا پر نوکروں اور چاکروں کے حق کون کون سے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ تمہارے ملک اور تصرف میں ہیں۔ انکے حق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرو۔ جیسا آپ کھاتے ہو۔ ویسا ہی انکو کھلاؤ۔ اور جیسا لباس تم خود پہنتے ہو۔ ویسا ہی انکو پہناؤ۔ اور جس کام کے کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ اُن سے نہ کراؤ اور جنکو تم پسند کرتے ہو انکو تو رکھ لو۔ اور جنکو تم پسند نہیں کرتے انکو بیچ دو۔ اللہ کے بندوں پر عذاب نہ کرو۔ کیونکہ جو تمہارے تصرف میں ہیں۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح ہیں۔ اگر انکو تمہارا مالک بنا دے تو اس قادر مطلق کی قدرت میں تمہارا کیا چارہ ہے۔ اللہ تعالے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور وہی صحیح ہوتا ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ دھوکے باز۔ اور فریبی اور خیانت کرنے والا اور نوکروں پر جبر کرنیوالا اور عاجزوں کو ستانے والا کبھی بہشت میں داخل نہ ہوگا۔

ابن عمر نے کہا کہ رسول علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کی۔ یا رسول اللہ میں اپنے نوکروں کو دن بھر میں کتنی دفعہ معافی دوں۔ تھوڑی سی دیر تک خاموش ہو کر فرمایا۔ کہ دن بھر میں ستر بار۔

ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں ایکدن اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا۔ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی او ابو مسعود کیا دیکھتا ہوں کہ لولاک کے مالک تشریف فرما ہیں۔ میں نے چابک کو ہاتھ سے فوراً پھینکدیا آپ نے فرمایا مجھے اللہ کی قسم ہے اگر تو ایسا نہ کرتا تو تیرا منہ آج دوزخ کی آگ میں جھلس چکا تھا۔ مولا پاک تجھپر

اتنی قدرت رکھتے ہیں۔ کہ تو اتنی طاقت اور قدرت غلام پر نہیں رکھتا۔

روایت ہے کہ ابو درداء کے ہاں ایک لونڈی تھی۔ جو دن رات آپ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔ ایکدن اس لونڈی نے ابو درداء کو کہا کہ ایکسال کا عرصہ گذر رہا ہے کہ مینے تجھو زہر ہلاہل دی تھی۔ مگر اس زہر نے آپکے وجود پر ذرا بھی اثر نہیں کیا۔ میں حیران ہوں کہ یہ معاملہ کیا ہوا۔ ابو درداء نے کہا۔ بھلا تو کہو۔ کہ یہہ کام تونے کیا کیوں؟ اسنے کہا کہ مینے صرف اسی خیال پر کیا تھا۔ کہ تو مرجاویگا۔ اور میں تیری غلامی سے آزاد ہو جاؤں گی۔ ابو درداء نے کہا صرف اسیواسطے اچھا مینے تجھکو آزاد کر دیا۔ جہاں تیری مرضی ہو چلی جا

نقل ہے کہ عون بن عبداللہ کا غلام نہایت بدمزاج تھا۔ اور وہ بسا اوقات بے ادبانہ پیش آتا تھا جب کبھی کبھار عون کو غصہ آہی جاتا تو صرف یہی کہتے کہ یہہ غلام اپنے مالک کیطرح ہی ہے۔ یعنے میری نافرمانی اتنی نہیں کرتا جتنی کہ میں اپنے مالک کی کرتا ہوں۔ اور کبھی لوگ جب آپکو یہ کہتے تھے۔ کہ اس سرکش غلام کو بیچدو۔ تو آپ یہہ فرماتے تھے۔ کہ اگر میں اسکو بیچدوں۔ تو میرے نفس سرکش کی بدخوئی کو کون روکیگا۔ الغرض جو شخص غلاموں کا مالک ہے اسکو قیامت کے دن غلاموں کے حق ادا کرنے کے بارہ میں ضرور سوال ہوگا۔

یاد رکھو کہ آقا پر غلام کے سات حق ہیں۔ اول کھانے اور لباس میں غلام کو اپنے برابر رکھے۔ (دوم) اُنکی ہمت سے زیادہ انکو کام نہ بتلائے (سوم) شرعی احکام اور حدود کی انکو تعلیم کرے۔ (چہارم) تمام دن جب وہ کام کرتے رہے ہوں تو رات کو انکو کوئی کام نہ بتلائے۔ پنجم حقارت کی نظر سے ان کیطرف نہ دیکھے ششم نماز پڑھنے کے وقت انکو ایسا کام نہ بتلائے جس سے انکی نماز میں حرج ہو۔ ہفتم اگر نوکر کے کام سے دین کا نقصان نہیں تو اسکو ضرور تھے معاف کردے۔ اور ستار ہے

قسم پنجم اسمیں برادری کی صحبت اور حق بیان کیے جاوینگے۔ اور ضمناً صداقت کا بیان بھی ہوگا۔

اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے کہ تمپر لازم ہے۔ کہ صبح اسحالت میں کرو کہ تمہارے بھائی تمپر راضی ہوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن عرش کے

اردگرد نورانی منبر ہونگے اور ان منبروں پر ایک قوم متمکن ہوگی۔ جنکے کپڑے چمکتے ہونگے۔ اور انکے چہرے نورانی ہونگے۔ حالانکہ وہ لوگ پیغمبر یا شہید نہ ہونگے۔ مگر انکی نورانیت پر پیغمبروں اور شہیدوں کو رشک ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ وہ کون لوگ ہونگے۔ آپنے فرمایا۔ یہ وہی ہونگے۔ جنکی محبت صالحوں اور متقیوں کے ساتھ صرف خدا کیواسطے تھی۔ اور صرف الٰہی محبت کے واسطے صلحاء کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ کی بارگاہ میں جسکی بہتری منظور ہوتی ہے اسکے دوست نیک بخت اور صالح ہوتے ہیں۔ اگر وہ کبھی دین کا کام بھولنے لگتا ہے۔ تو اسکو وہ یاد دلاکر راہ راست پر لے آتے ہیں۔ اور جب وہ اللہ کی یاد میں ہوتا ہے تو اسکے معاون اور مددگار ہوتے ہیں یہانتک کہ اسکے تمام امور دینی آراستہ ہوجاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ جلشانہ نے داؤد علیہ السلام کیطرف وحی نازل کی کہ اے داؤد تجھے کیا ہوگیا ہے میں تجھے گوشہ تنہائی میں اکیلا پڑا دیکھتا ہوں۔ تو کسی کے ساتھ میل جول کیوں نہیں رکھتا عرض کی یا اللہ صرف تیری رضا کے واسطے دنیوی مردار کے کتوں کو دشمن جانتا ہوں۔ حکم ہوا کہ اے داؤد اے نفس کی بچاؤ کے واسطے دینی برادران اور حقیقی دوستوں کو بھی پیدا کرو۔ اور جو تیرا دوست ہماری رضا میں تمہارے ساتھ موافقت نہ کرے۔ اسکو دوست نہ رکھنا۔ کیونکہ وہ تیرا دشمن ہے۔ اسکی صحبت تیرے دل کو سیاہ کردے گی۔ اور تجھے ہمارے قرب سے دور ڈالدے گی۔ اللہ جلشانہ نے عیسے علیہ السلام کیطرف وحی نازل کی۔ کہ اے عیسے اگر تم ہماری عبادت اتنی کرو جتنی کہ آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے کرسکتے ہیں۔ تو وہ عبادت تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گی جسحالت میں تمہارا کوئی دوست صالح نہ ہو۔ یا ہماری رضا کیواسطے تمہارا کوئی بدعتی یا فاسق دشمن نہ ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ کہ تمپر فرض ہے کہ تم دینی برادروں کو پیدا کرو۔ کیونکہ وہ دین اور دنیا میں تمہارے معاون ہیں۔ اور آخرت میں بھی مددگار ہیں۔ تم نہیں پڑھتے۔ کہ اللہ جلشانہ دوزخیوں کا حال اسطرح بیان فرماتے ہیں۔ جب اُن سے پوچھا جاویگا۔ کہ تمسے کوئی بھی عذاب دوزخ سے خلاصی نہیں پاتا۔ تم سبکے سب عذاب ابدی میں گرفتار ہوگے۔ وہ اگر جواب دینگے تو یہی دینگے کہ ہمنے دنیا میں کوئی

برادر دینی یا دوست صالح نہ بنایا۔ جو آج ہماری شفاعت کرتا۔ یا ہمیں اس عذاب سے بچاتا۔

نقل ہے کہ ہارون الرشید زمانہ خلافت سے پہلے۔ صالحوں اور ارباب خلوص کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور دنیا کی مذمت اور برائیاں بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سفیان ثوری کے ساتھ آپکا گاڑہا پیار تھا جب موسے محمد بن الہادی کا انتقال ہوگیا۔ اور ہارون الرشید تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے تو عراق عرب نے تمام علماء اور صلحاء اور مشائخ مبارکبادی کیواسطے آئے۔ مگر سفیان نہ آئے۔ ایکدن ہارون الرشید نے سفیانؒ کیخدمت میں خط لکھا۔ جسکا مضمون یہہ ہے۔

آپکو یہ معلوم ہے۔ کہ مجھے ملک اور خلافت کی بالکل رغبت نہ تھی۔ لیکن اس مولے نے میری کوشش کے بغیر اہل اسلام کی سلطنت میری تحویل میں دیدی ہے۔ اب میرا ارادہ ہے۔ کہ خلافت کی حقوں کو پورے طور پر بجالاؤں۔ مگر جانتا ہوں کہ یہ کام علمائے دین کی امداد اور ہمت کے بغیر بہم نہیں پہنچ سکتا۔ امید ہے کہ آپ بھی برادری کا حق نگاہ فرماکر اس کار خیر میں میرے مددگار اور معاون ہونگے۔ سفیانؒ نے جواب میں لکھا کہ مینے تیرے ساتھ رشتہ برادری کا رابطہ اس شرط پر مربوط کیا تھا کہ تو حرص اور لالچ کو اپنا خدا نہ بنائے گا۔ اور دنیا کے مردار کو اپنے پیٹ کی خوراک نہ ٹھیرائیگا۔ اور اللہ کے سوا تیرا اور کوئی قبلہ نہ ہوگا۔ اور اللہ کی بندگی کے مقابل شیطانی خدمات کو فوقیت نہ دیگا۔ میاں جب تمنے اُن شرائط کو توڑ دیا۔ تو ہمنے بھی اس رشتہ برادری کو توڑ ڈالا بلکہ دنیا اور آخرت میں تجھسے بیزار ہوگئی۔ تمکو لازم ہے کہ اس سے پیچھے۔ نہ ہمیں کبھی یاد کرنا۔ اور نہ میرے پاس آنا۔ بلکہ میرا نام بھی نہ لینا۔ ہارون نے جب یہ جواب پڑھا۔ تو زار زار رونے لگا۔ رات کو وقت غریبانہ لباس میں پھٹے اور پرانے کپڑے پہنکر سفیان کے دروازے پر جا بیٹھا۔ حتے کہ نماز صبح تک وہیں بیٹھا رہا جب سفیان گھر سے باہر آئے تو ہاروں نے کھڑے ہوکر السلام علیکم کہا سفیانؒ نے اُس سے منہ موڑ لیا۔ اور کہا تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھ غریب کو ساتھ تمہارا کیا وسطہ اور کیا کام۔ ہاروں نے رو کر عرض کی قبلہ اگر آپ اس عاجز سے بیزار ہوجاویں۔ تو آسان بات ہی۔ کیونکہ آپکا دنیا کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں مگر میں آپکا دامن چھوڑکر کدہر جاؤں۔ مجھے آخرت کا فکر ہے۔ اور وہ آپ کی امداد کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

نقل دوم۔ ملک شام کو بادشاہوں سے ایک بادشاہ تھا جسکا نام صالح تھا۔ اُسکا قاعدہ تھا کہ رات

تن تنہا شہر میں پھرتا تھا اور رعایا کا حال دریافت کرتا۔ اور مساجد اور مقابر اور بازاروں میں پھرتا ہوا غریبوں اور مسکینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایکدن دیکھا کہ مسجد میں ایک فقیر برہنہ جاڑے میں کانپ رہا ہے۔ اور یہہ کہتا ہے کہ اے اللہ اگر قیامت کے دن یہ غافل بادشاہ جو تیری نعمتوں کو نفس اور ہوا کا سرمایہ جانتے ہیں اور فانی دولت کو نخوت اور تکبر کا اسباب سمجھتے ہیں۔ اور بیچارے ضعیفوں کے حال سے ناواقف اور بیخبر ہیں) بھی بہشت کیطرف آے۔ تو مجھے تیری جلال لازوال کی قسم ہے کہ میں تیری بہشت میں ہرگز قدم نہ رکھونگا۔ بادشاہ صالح نے یہ بات سنتے ہی ایک عمدہ پوشاک اور بدرہ اشرفیوں کا فقیر کے حضور میں پیش کرکے عرض کی کہ مینے سنا ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ بہشت کے بادشاہ وہ لوگ ہونگے جنکو دنیا میں نہ خوراک ملی نہ لباس نصیب ہوا۔ اور وہ اس حال میں اپنے مولے پر خوش رہے۔ آج میری بادشاہت کی نوبت کھڑکتی ہے۔ آپکے دروازہ پر صلح کے لیئے حاضر ہوا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں۔ کہ کل جب آپ کی بادشاہت ہوگی تو لڑائی کا دروازہ مجھ پر نہ کھولنا۔ اور حمایت کے سایہ کو میرے سر سے نہ اٹھالینا۔ اور شفاعت کے فیض سے اس ناکارہ سائل کو محروم نہ رکھنا۔

ایعزیز جب تونے اخوت اور محبت کی بزرگی کو سمجھہ لیا۔ تو اب یہہ جاننا چاہیئے۔ کہ جو شخص تجھے اپنا بھائی بناتا ہے۔ وہ دین کا بھائی بھی ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ حب فی اللہ کی خلعت ہر ایک دوست کے قد پر راست نہیں آسکتی۔ اور محبت کی ہما کے سایہ کو پرہیزگاروں اور نیکبختوں کی آنکھ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اور معنوی محبت کا عنقا ہر فاسق اور جاہل کے مردار پر نہیں بیٹھتا۔ اسواسطے دین کے بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ صحبت نہ رکھے۔

اول احمق۔ جاہل۔ دوم بدخو متکبر۔ سوم فاسق مصر۔ چہارم مبتدع معاند۔ پنجم حریص بخیل۔

(۱) جاہل احمق۔ جاہل اور احمق کا فرق۔ جاہل اسکو کہتے ہیں جو اپنے مقصود کا رستہ جانتا ہی نہیں۔ اور احمق وہ ہے جو خلاف کو عین مقصود سمجھے۔ جو شخص احمق کے ساتھ نشست برخاست کرے۔ وہ خدا سے دور جا پڑتا ہے۔ اسیواسطے شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ احمق کا میل ملاپ خدا سے جدائی ہے سفیان ثوری نے فرمایا ہے کہ احمق کیطرف دیکھنا ہی گناہ ہے۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ ہم اسکو خلق

کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ نیک خلقی سیرت کی خوبی ہے۔ اور خلق اسکو کہتے ہیں کہ اوصاف ردیہ
اُسپر غالب ہوں۔ ایسا ہی جب آدمی چاہے کہ کسی دینی امر کو شروع کرے تو اوصاف ردیہ نیکی
عقل کی آنکھ کو تیرہ و تاریک کر دیتی ہیں۔ اور وہ شخص منزل مقصود سے دور جا پڑتا ہے۔ فاسق مصا
کی صحبت اعتبار کے لائق یعنے معتبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اخیر پر وہ رسوائی کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ظاہر
ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے۔ اسکو حق کی مخالفت کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اگر وہ خدا سے نہیں ڈرتا
تو وہ دین و دنیا میں صحبت کے لائق ہی نہیں۔ اور مبتدع کی صحبت کا خطرہ یہ ہے کہ اُسکی بدعت اثر کر جاتی
ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ قیامت کو دن ہر ایک شخص اپنے دوست کے دین پر اٹھایا جائیگا۔ جب
اصحاب شرع نے مومن کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ مبتدع کی اہانت کرو۔ تو پھر یہ امر کب ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ مومن
ایسے بدعتی کی صحبت کو اختیار کرے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ پانچ آدمیوں کی صحبت
سے کنارہ کرو۔ اول دروغگو۔ کیونکہ وہ اس سراب کیطرح ہے جو ظاہر میں کچھ اور ہی دکھا کر دھوکھے میں ڈالدیتا
ہے۔ اور درحقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ از دست مقصود کے سخت برخلاف ہوتا ہے۔

دوم صحبت احمق۔ وہ اپنی حماقت سے ہر چند تجھے فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ مگر اخیر پر نقصان کے
گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔

سوم بخیل۔ اگر سالہا سال تک وہ پیار کرے۔ مگر جب تجھے احتیاج رونما ہو گی۔ وہ منہ پھیر لیگا
اور نہایت بے شرمی سے تیری حمایت کو چھوڑ دیگا۔

چہارم کم حوصلہ اور ڈرپوک۔ ایسے آدمی کا خاصہ ہے۔ کہ مصیبت کے وقت تجھے اپنی بچاؤ کیخاطر تجھے دشمن
کے حوالے کر دیگا۔

پنجم فاسق۔ یہ ایسا ذات شریف ہوتا ہے کہ تجھے ایک لقمہ کے عوض میں بیچ لے گا۔ عبداللہ بن ہارون
مامون جو بنی عباس کا نواں خلیفہ ہے کہتا ہے۔ کہ خلقت تین قسم پر ہے۔

قسم اول غذا کیطرح ہے۔ انکی صحبت ضروری ہے۔ وہ ارباب قلوب میں کیونکہ انکا وجود
علم اور تقوے کا مجموعہ ہے۔ اور اکثر ہوتا ہے۔ کہ غافلوں کے مردہ دل انکی نصایح سے زندہ ہو جاتے ہیں

قسم دوم دوائی کیطرح ہیں کہ ایام بیماری میں انکی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔
قسم سوئم مرض کیطرح ہیں کہ کبھی ان سے احتیاج پڑتی ہی نہیں۔ ہاں کبھی کبھی آدمی ہمیں مبتلا ہوجاتا ہے۔ جب صحبت اور اخوت کا واسطہ مسلمانوں کے درمیان ایک شریف رابطہ ہے۔ اور اہلِ دنیا اور اہل صفا کا طریقہ انہی حقوق کے متعلق ہے۔ اسواسطے انکا بیان کرنا ضروری ہے۔ اخوت کے سات حق ہیں۔

اول حق مال میں ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ اُن لوگوں کی تعریف کرتے ہیں۔ جو باوجود اپنی ضرورتوں کے برادرانِ دینی پر ایثار سے کام لیتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ دو دینی بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کیطرح ہے جسطرح ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے۔ ایسا ہی ایک دینی بھائی دوسرے بھائی کی ضروریات کو پورا ہی نہیں کرتا۔ بلکہ مقدم رکھتا ہے۔

نقل ہے کہ خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ اکابر تابعین سے تھے۔ اعلےٰ درجہ کے سخی اور صاحب جود تھے۔ ایکبار بصرہ میں قحط پڑ گیا۔ آپنے ستر ہزار درہم قرض اُٹھاکر غریبوں میں تقسیم کیے۔ انکا برادرانہ تعلق مسروق کیسے ساتھ تھا۔ اور مسروق نے بھی ایسا ہی کیا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ خیثمہ نے اپنا قرض ادا کرنے سے پہلے مسروق کا قرض ادا کر دیا۔ اور مسروق نے خیثمہ کا۔ مگر دونوں کو اس معاملہ سے کچھ خبر نہ تھی۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہا۔ کہ میں آپکے ساتھ برادری کا سلسلہ جاری کرنا چاہتا ہوں۔ آپنے کہا کہ کیا تجھے برادری کے شرائط معلوم ہیں۔ اسنے عرض کی آپ فرما دیجئے۔ آپنے فرمایا کہ برادری کا پہلا ادنےٰ ترحق تو یہ ہے کہ تیرے مال میں میرا اختیار تجھ سے زیادہ ہو۔ اور حکمائے عرب نے یہ بھی لکھا ہے کہ محبوب کی رضا میں اگر دوست اپنے مال کو خرچ کردے تو اسکی محبت کا اندازہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے مال کو لوگوں کا محبوب بنا دیا ہے۔ اور آدمی ان علاقوں کے ہوتے ہوئے پھر محبت کا دعوے کرتا ہے۔ سچی محبت کا نشان یہ ہے۔ کہ محبوب ثانی کو محبوب ثانی پر نثار کردے۔ اور حق دوم معاونت ہے اسکے یہ معنے ہیں۔ کہ محبوب کے حاجات روا کرنے میں اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے پہلے درجہ کا مستند پاوے۔ اور طرفہ یہ کہ پھر احسان جتلانے کا نام تک بھی زبان پر نہ لاوے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ پاک کے نزدیک وہ دل بہت ہی پیارا ہے۔ جو اپنے بھائیوں

پر زیادہ نرم اور زیادہ مشفق ہے۔ ابوحسن بصری فرماتے ہیں کہ دینی بھائی میرے نزدیک بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔ کیونکہ بیٹے کا وجود تو دنیا کی یاد دلاتا ہے اور دینی بھائی کا وجود آخرت کی۔ تابعین کے زمانہ میں ایک بزرگ اپنے دینی بھائی کی وفات کے بعد چالیس سال تک اسکے بال بچوں کی خبر گیری کرتے رہے۔ اور جو ضرورت انکو پیش آتی رہی اسکو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے حق سوم زبان کا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ بھائی کے حضور اور غائب میں اسکے عیوب کا ذکر نہ کرے اسکے پوشیدہ بھیدوں کو ظاہر نہ کرے۔ اگر دوست کی باتوں میں کسی قسم کی خطا سرزد ہو۔ تو اسکو لڑائی اور جھگڑے سے پیش نہ لاوے۔ اور جو اسکی نسبت بری باتیں ہوں وہ نہ سناوے۔ اور اسکی خوبیوں کو پوشیدہ نہ رکھے۔

حق چہارم۔ اسمیں تصرف اور حمایت کا بیان ہے۔

محبت دینی اور پیار حقیقی کی صحت کی یہ علامت ہے۔ کہ مومن کو چاہیئے۔ کہ برادر دینی کی غیبت میں ہمیشہ رعایت کرنے والا ہو۔ اور جب ایک جماعت اسکے بھائی کی غیبت کا ارادہ کرے خواہ کنایہ یا اشارہ۔ یا صریح طور پر ہو اسکے منع کرنے۔ اور مخالفت اور رد کرنے میں غفلت نہ کرے۔ اور سکوت اور تحمل کو ایسے موقعہ پر روا نہ رکھے۔ اور جو شخص برادر دینی کا گلہ دوسرے سے سنے۔ اُسکی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی اپنے بھائی کو دیکھتا ہے کہ وہ آدمی خوار کتوں کے قابو آگیا ہے۔ اور وہ کتے اسکو کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں۔ اور اُسکے چمڑے اور گوشت کو چباتے ہیں۔ اور وہ چپ چاپ کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اور شفقت اور برادری اسکو نہیں اُبھارتی۔ کہ اُن کتوں سے اسکو بچاے یا کتوں کو ہٹانے اور اسمیں شک نہیں کہ گوشت اور پوست کے کھانے سے عزت اور آبرو کی خرابی نفس پر زیادہ دوبھر ہے۔ اسیواسطے اللہ جلشانہ نے گلہ کرنے والوں کو مردار خواروں سے نسبت دی ہے۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ۔

حق پنجم۔ مومن پر ضروری ہے کہ مومن کو تعلیم اور نصیحت کرے۔

مومن شفیق پر لازم ہے کہ جسطرح برادر دینی کے مال پر غمخواری کرتا ہے۔ اسیطرح مومن کے شفیق
واسطے تسلیم و ارشاد کو جو فوائد اخروی و نصیحت دینی پر شامل ہو لازم سمجھے اور اسکو عیوب نفسانی
سے آگاہ کرے اور شہوات مہلکات کے اختیار کرنے سے منع کرے اور نصیحت کے موقعہ پر نہایت نرمی اور
مہربانی کو مدنظر رکھے اور اپنے بھائی کی بدعادات کو عام خلق میں ملا کہنے سے احتراز کرے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص
ایسے عیب میری سامنے نیک نہادی سے ہدیہ کے طور پر لاتا ہے یعنے میرے عیب مجھے دکھاتا ہے خدا اسپر رحم کرے اور اسکو جزا
خیر دے۔ جو مسلمان اپنے برادر دینی کا عیب دیکھے اور اسکو مطلع نکریگا۔ گویا اسنے اسکی دین میں خیانت کی۔ قیامت کے دن اسکی مواخذہ
میں گرفتار ہوگا + **حق ششم** لغزشوں اور بیہودگیوں کی معافی ہے۔

یہ امر دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو حقوق اخوت کی قصور کے باعث ہوگی۔ یا امور دین کے تساہل کیوجہ
سے۔ قسم اول بہر صورت اور بہر حال قابل عفو ہے۔ اور قسم دوم کی معافی میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اختلاف
ہے۔ ابو ذر غفاری کہتے تھے۔ جب تو نے کسی شخص کو اصلاح اور علم کی وجہ سے دوست بنایا۔ جب وہ اس حال سے پھر جاوے
اور اللہ کی مخالفت میں کمر باندھ لے۔ تو اسکو صرف خدا ہی کے واسطے دشمن سمجھ تاکہ تیری دشمنی اور دوستی خدا
کے واسطے ہو جاوے۔ عمرؓ اور علیؓ اور ابو درداء اکثر بزرگوں نے اسکے برخلاف اختیار کیا ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے
تھے۔ کہ اپنے بھائی کو بسبب گناہ کے مہجور نہ کر۔ شاید آج گناہ کرتا ہے۔ کل توبہ کر لے۔ اللہ جلشانہ صرف امت کی
آگاہی کے واسطے رسول ع کو خطاب فرماتا ہے۔ اگر ہمارے فرمان سے اور تمہارے نصیحت سے نافرمان ہو جاویں
انکو کہدو کہ میں تمہاری کاموں سے بیزار ہوں۔ جو تم کرتے ہو۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں تم سے بیزار ہوں
اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ابو درداء سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپکا بھائی گناہوں میں مشغول ہے۔
اسکو تو دشمن رکھتا ہے یا نہیں، آپنے جواب دیا میں اسکے فعل کو دشمن رکھتا ہوں۔ نہ اسکی ذات کو کیونکہ
وہ میرا وہی بھائی ہے۔ یہ طریق ابو درداء کے طریق سے بہت عمدہ ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دلجوئی
اور نرمی اور برادرانہ نصیحت۔ اور تلطف اسکو خجالت اور حیا۔ اور توبہ کیطرف لے آوے۔ اور اس سے
بالکل قطع کرنا غالبا اسکے اصرار کا سبب ہو کر ہلاک سرمدی میں اسکو پہنچاوے۔ امر دوم یہ ہے کہ جب
اخوت کا عقد قرابت معنوی پر دلالت کرتا ہے۔ تو اسکے حقوق زیادہ موکد ہیں۔ اور عقد کے بموجب وفا

کرنا ضروری ہے۔ اور وفا کی شرط ہے کہ فقر اور حاجت کی حالتمیں برادر دینی کو نہ چھوڑدے۔ اور احتیاج اُخروی کار و کنا دنیاوی احتیاج کے روکنے سے۔ اور دینی مصیبت مالی اور بدنی مصائب سے بہت زیادہ ہے۔ پس چاہیئے کہ ان حالات میں برادر سے رعایت اور معاونت کو نہ ہٹالے۔ اور اسکی معاونت اُن حالات سے بچانے کے لئے مقدم سمجھے۔

حق ہفتم حقوق اخوت کو حیات اور ممات کے بعد دعائے خیر سے یاد کرتا ہے۔ اور اسکی اولاد اور اہل کے حق میں احسان کرتا ہے۔

اخوت کی شرط یہ ہے۔ کہ جو دعا اپنی ذات کے واسطے کرے۔ اُسمیں اپنے بھائیوں کو شریک کرے اور اُسکے مرنے کے پیچھے اُسکو دعا اور استغفار میں خصوصیت دیتا رہے۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی برادر دینی کی عدم موجودگی میں کسی قسم کی دعا کرتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے۔ جیسی تو نے اپنے بھائی کے حق میں دعا کی ویسے تیرے ساتھ ہو۔ محمد بن یوسف اصفہانی یوں کہتے ہیں۔ کہ برادر صالح دینی اور بیٹوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ تیرے اہل اولاد تیرے مرنے کے پیچھے تیرے مال کو تقسیم کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ اور تیرا دینی برادر دن اور رات تیرے حال میں فکرمند رہتا ہے۔ اور تیرا ہی غم کھاتا ہے۔ اور اندھیری رات میں دعا خیر کا ہدیہ تیرے پاس بھیجتا رہتا ہے۔ اور تجھے قبر کی مٹی کے نیچے خوشی اور لذت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ بعض دینی بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ زندگی کی زمانی میں اُسکی ضروریات کو بہم پہنچاتے رہے۔ اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکے بال بچوں کی ضروریات کو بھی اہتمام سے نباہتے رہے۔ علماء متقدمین میں سے بعض ایسے بھی گذرے ہیں کہ دینی بھائی کے فوت ہونے کے بعد چالیس سال تک اُنکے گھر کے دروازے پر آتے رہے۔ اور اسکے بال بچوں کے خرچ اخراجات کی بابت پوچھکر ضروریات موجود کرتے رہے۔

نقل ہے کہ سفیان بن عیینہ نے اپنے باپ سے پچاس ہزار دینار میراث حاصل کی۔ سب روپیہ کو دوستوں اور دینی بھائیوں میں تقسیم کر دیئے لوگوں نے کہا کہ اُس مال سے تو نے اپنے بال بچوں کیواسطے کیوں ذخیرہ نہیں رکھا۔ اُسنے جواب دیا کہ میں خدا تعالیٰ سے ہر دم اور ہر وقت دینی بھائیوں کیواسطے بہشت مانگتا رہتا ہوں

ناکارہ دنیا کو اُن سے کسطرح چھپا رکھوں۔ واقعی صدق محبت کا نشان بھی یہی ہے۔ اور یہ ہی نشانات غافلوں کی تنبیہ اور طالبوں کی ترغیب کے واسطے کافی ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عاصیوں کی دشمنی کی بابت دوست بنالو اور اُن سے دور رہنے کی برکت سے اپنے آپ کو اللہ تعہ کے نزدیک کرلو۔ اگرچہ وہ غصے ہوں۔ تو اُسی کی رضا سمجھو۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے لوگوں نے سوال کیا۔ کہ یا حضرت ہم کس کے پاس بیٹھیں۔ آپنے فرمایا۔ تم اُسکے پاس بیٹھا کرو جسکے دیکھنے سے اللہ تعہ کا لطف اور قہر یاد آجائے۔ اور اُسکی باتوں کی نصیحت سے تمہارا عمل اچھا ہوجائے۔ اور اوسکے عمل تمکو آخرت کی رغبت بناویں۔

اے عزیز جاننا چاہیئے کہ اہل تحقیق کے نزدیک حقیقی محبت وہ ہے جو نصیحت اور تقوےٰ کے پہلو بہ پہلو ہو۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جو دوستی تقوےٰ کے نزدیک ہو۔ اُسکا نتیجہ عداوت تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن متقیوں کے سوا اکثر دوست آپس میں دشمن ہوجاوینگے۔ اور شریروں کی محبت اور بدکاروں کی ہمنشینی قیامت کے میدان میں اس فریاد کے سوا اور کچھ نہ ہوگی۔ کہ افسوس میرے اور تیرے درمیان مشرقین کی دوری ہوتی۔ اور قیامت کے محشر میں اس بات کا کہنا کہ افسوس میں نے نیکوں کو دوست نہ بنایا کچھ فائدہ نہ دیگا۔ اہل اللہ کی محبت کا پورا نشان یہ ہے۔ کہ اُنکی ہمنشینی اور اُن کا نامہ اور پیام صرف دینی نصیحت پر مبنی ہو۔ یہ امر نہایت ضروری ہے۔ کہ برادر دینی کی ہدایت کیواسطے غفلت کو پاس نہ آنے دیں۔ اور اوسکو اسباب نجات کی اطلاع دینے میں کوتاہی نہ کریں۔ چونکہ حضرت انسان کو مطالب دنیوی کے حاصل کرنے اور لذات کے قائم رکھنے اور خیرات سے فائدہ حاصل کرنے میں دوست کا ہونا ضروری ہے۔ خاصکر حاکم اور بادشاہ کو کیونکہ بادشاہی امور لائق وزیروں اور راستی پسند امیروں اور دیندار نوکروں اور سمجھدار منشیوں کے بغیر تمام نہیں ہوسکتے۔ اسلیئے حاکم اور بادشاہ کو ضروری ہے۔ کہ بادشاہی کاموں کی تدبیر کیواسطے امرا اور وزرا ایسے تلاش کرے کہ اُنکا ظاہر برے کاموں کی برائیوں سے پاک ہو اور اونکا باطن نامقبول اعمال کی کدورتوں سے صاف ہو۔ پھر اس ملک میں کسی قسم کے خلل اور اندیشہ

کا گذر نہ ہوگا۔ یقیناً جاننا چاہیئے کہ جاہلوں کی صحبت اور فاسقوں اور گمراہوں کی ہمنشینی سے دینی کاموں کے قواعد بالکل فراموش ہو جاتے ہیں اور ملک داری کے تمام قانون خراب ہو جاتے ہیں۔ اور شریروں کی ہمنشینی کی شامت سے دین اور دنیا کے اصول کا شیرازہ کھل جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے

شاخ امل بزن کہ چراغیست زود میر — بیخ ہوس بکن کہ درختیست کم بقا
از کوئے رہزنان طبیعت بریدہ شو — واز خوئے رہروان طریقت طلب صفا

باب پنجم

پانچویں باب میں ولایت اور سلطنت اور رعایا کے حقوق اور حکومت کی شرطوں اور اس عہد کے خطرے اور عدل اور احسان کے طریقے بیان کئے جائینگے

اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو ظلم اور تعدی سے ہٹا کر مہربانی اور عدل اور احسان کرنے کی طرف بلاتا ہے۔ اور قولوں کی برائیوں اور فعلوں رسوائیوں سے منع کرتا ہے۔ خاصکر بادشاہوں اور حاکموں کو جو اس عبادت کے واسطے مامور کیے گئے ہیں اُن حقوق کے ادا کرنے پر پوچھے جاوینگے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حاکم یا بادشاہ ایسا نہیں ہے کہ جب (جسکو مسلمانوں کے کام کرنے کا اختیار دیا گیا ہے) قیامت کے دن اُسکے دونوں ہاتھ گردن پر بندھے ہوئے پیش کیا جاویگا تو کوئی چیز اُسکے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھول نہ سکیگی۔ مگر وہ عدل اُسکو بچائیگا جو اُسنے دنیا میں کیا ہے اُسکو ایک آتشین پل پر چڑھائینگے۔ پس وہ پل ایسا کانپنے کا۔ اور اُسکو کانپ کر گرانا چاہیے گا۔ اور اُسکے تمام جوڑ آپس سے جدا ہو جائینگے۔ اور نیچے گر پڑینگے۔ پھر فرشتے اُسکے جوڑوں کو اکٹھا کر کے موقف حساب

میں لیجاوینگے۔ اگر نیکوکار ہوگا۔ اپنی نیکی کی برکت سے خلاصی پائیگا۔ اگر ظالم یا فاسق یا عاصی ہوگا وہ پُل پھٹ جائیگا۔ اور وہ ایک کنوویں میں گر جائیگا۔ اور وہ کنواں ایسا ہوگا۔ کہ ستر سال کے بعد اُس کنوئیں کی تہہ پر پہونچیگا۔

ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حاکم اپنی رعیت پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ تعالی بہشت کو اُسپر حرام کر دیتا ہے

عبد اللہ بن عمر نے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام پر حاکم ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے گھر کے دروازے ضعیفوں اور محتاجوں پر بند کر دیتا ہے۔ اللہ تعالے کی رحمت کا دروازہ اُسپر بند کر دیتا ہے۔ اور اُسکی احتیاج اور درماندگی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔

عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے۔ کہ جو حاکم ایک رات بھی رعیت کی مظلومی پر خیال نہ کرتا ہوا سو جاوے اللہ تعالے بہشت اُسپر حرام کر دیتا ہے۔

ابو موسے اشعری نے روایت کی۔ کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک وہ شخص نہایت بُرا ہے۔ جو مسلمانوں کے کام پر حاکم ہو جاوے۔ اور اُن کے درمیاں انصاف نہ کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی۔ کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے قریش پر حق ہے۔ اور جو لوگ حاکم ہوتے ہیں۔ اون کا لوگوں پر حق ہوتا ہے۔ لیکن یہ حق تب تک رہ سکتا ہے کہ جب لوگ اُس رحمت کے خواستگار ہوں۔ تو وہ رحمت کرے۔ اور جب اُسکو حاکم بنائیں تو عدل کرے اور جب اُسکو امین بنائیں حقدار کو حق پہنچاوے اور جو حاکم ہو کر ایسا نہ کرے۔ اللہ تعالے اور فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت اُسپر پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل جو شخص بہشت میں آویگا شہید ہوگا۔ اور وہ بندہ بھی ہوگا جسنے حقوق الٰہی ادا کیے ہونگے۔ اور اپنے آقا کی نصیحت اور خدمت میں قصور نہ کیا ہوگا۔ اور درویش صاحب عیال اور پرہیزگار بھی ہوگا۔ اور پہلے پہل جو شخص دوزخ میں آویگا۔ وہ حاکم ہوگا۔ جو نفسانی خواہشات کے مطابق مسلمانوں پر حکومت کرتا رہا۔ اور

وہ دولتمند ہوگا جسنے اللہ کے حکم کے مطابق مال خرچ نہ کیا تھا

عبداللہ بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالے جس شخص کو مسلمانوں کے گروہ پر حاکم بنایا۔ اور اسنے حقوق مومنین کی حفاظت نہیں کی اور امور دنیا میں شفقت سے کام نہیں لیا اللہ تعالے بہشت کو اسپر حرام کردیگا۔

علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ میدان حساب میں بادشاہ ظالم اس حال میں پیش کیا جاویگا۔ جبکہ اسکا کوئی شفیع اور مددگار نہ ہوگا۔ وہ دوزخ کے کنوئیں میں ڈالا جاویگا وہ دوزخ کے عذاب میں ایسا سرگردان ہوگا۔ جیساکہ چکی کے پاٹ پریشان پھرتے ہیں افسوس افسوس کہ اُس کنوئیں کی قعر میں جکڑا جاویگا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن امیروں پر مجھے افسوس آتا ہے کہ وہ قیامت کے دن کہینگے۔ کہ یا اللہ اگر ہمارے سر کے بال ثریا میں باندھے جاتے۔ اور ہم زمین اور آسمان کے درمیان عذاب میں لٹکے رہتے۔ تو اس سے اچھا تھا۔ کہ ہمارا کسی پر حکم نہ ہوتا۔

عمرو بن عوف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے اپنی امت کی (رہ میں) تین باتوں کا زیادہ خوف ہے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون کون ہیں۔ آپنے فرمایا۔ عالم کا گناہ اور حاکم کا ظلم۔ اور نفس غالب کی خواہشیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں قیامت کے دن نہایت ہی قریبی دوست حاکم عادل ہوگا۔ اور لوگوں سے دشمن تر اور خلقت سے گرفتار تر قیامت کے دن بادشاہ ظالم ہی ہوگا۔

اے عزیز۔ بڑے بڑے علماء اور ارباب فضائل حکماء کے نزدیک مقرر ہے۔ کہ نوع انسان کی نفوس اور طبیعتیں پیدائش میں جداگانہ خصوصیات اور مختلف استعدادات کے لحاظ سے انوار جمالی اور جلالی کے حاصل کرنے کے واسطے متفاوت ہورہی ہیں۔

اور اسی بنا پر خلقت کے اغراض اور مقاصد مختلف ہوگئے ہیں۔ اور لوگوں کے افعال اور اقوال

اور عقاید میں فرق بین ہو گیا ہے۔ اور ردی صفتیں اور بُری عادتیں مثلاً ظلم اور بخل اور کینہ آدمیوں کی پیدائش میں گھُل مِل گیا ہے اُس ذات عالیہ نے نہایت حکمت سے یہ چاہا۔ کہ خلقت کی اصلاح کو واسطے کوئی حاکم عادل یا مصلح کامل بھیجے۔ تاکہ وہ اولادِ آدم کے حاکموں کے اعمال اور دنیا کی فضول کے اشتغال کو سیدھے رستے پر خداداد قوت سے محفوظ رکھے۔ اور شرعی احکامات کے جاری کرنے میں نہایت کوشش کرے اور قواعد اسلام اور حدود کی حفاظت کے واسطے خاص و عام مساوات کو نگاہ رکھے اور بادشاہی رعب و داب اور زبردست حکموں سے زور آوروں کے ظالمانہ ہاتھ سے بیچارے کمزور عاجزوں کو بچاوے۔ تاکہ اس دنیا کا انتظام قائم رہے اور ظلم اور بدعت کی خرابیاں شرعی چراگاہ کے حدود میں دخل نہ پاویں۔ اور خاص و عام کے درمیان چوپایوں اور درندوں کی صفتیں ظاہر نہ ہو جاویں اس سلطنت کے مرتبے کو جنہے پہلے پہل ہی قبول کیا۔ اور اس مشکل کام کے حقوق کے ادا کرنے میں کمر ہمت باندھی۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام ہی تھے۔

حدیث میں آیا ہے کہ آپ کی زندگی کے زمانے میں ہی بیٹوں اور پوتوں کی تعداد چالیس ہزار تک بڑھ چکی تھی۔ اور آپ اللہ تعالے کا حکم اُن کو پہنچاتے تھے۔ اور اُن کے گزارے کے قانون کو تجویز کرتے تھے۔ اور اُن کے درمیان برابری نگاہ رکھتے تھے۔ آپکا یہ حال تھا۔ کہ کھانا سیر ہو کر نہ کھاتے تھے۔ اور سیا ہوا کپڑا نہ پہنتے تھے۔ اور ضرورت کے بغیر بات کرتے تھے۔ نہایت ضعف کے مارے اور لاغری کے سبب سے آپ کی ہڈیاں نردبان کے پایوں کیطرح نظر آتی تھیں کہتے ہیں۔ کہ جب آپ مراقبے میں بیٹھتے تھے۔ اور آپ کی اولاد مرد اور زن سے آتی۔ اور آپ کی پسلیوں پر پاؤں رکھتے ہوئے اُن کے کندھوں پر چڑھ جاتے۔ اور کبھی کبھی آپ کے سر پر بیٹھکر دوسری طرف سے اتر آتے تھے۔ لیکن وہ سر نہیں ہلاتے تھے۔ اور کچھ نہیں کہتے تھے۔ بعضوں نے آپ کو اس بات سے سوال کیا۔ آپ جواب دیتے تھے میرے بچو۔ جو کچھ مینے دیکھا ہے تم نے نہیں دیکھا۔ ایک ناجائز حرکت سے میں بہشت کی نعمتوں سے نکالا گیا۔ اور حیوانوں کے حوالات میں ڈالا گیا۔ اب مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہ شاید کوئی ناجائز حرکت اور نہ ہو جائے کہ دوزخ کے نچلے طبقے میں بند کیا جاؤں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود دو منصبوں کا جامع تھا

پہلا منصب نبوت دوسرا منصب سلطنت اور حکومت کا تھا یہہ ظاہر ہے۔ کہ نفس اور خواہشات نفسانی کے غلبے کو نبوت کے دربار کیطرف کوئی راہ نہیں۔ اسلیئے منصب نبوت کے اسرار پاک جسموں اور انبیا علیہم السلام کے پاک جسموں کے سوا کہیں ظاہر نہ ہوئے۔ اور منصب سلطنت اور حکومت کا طریق جو نفس اور ہوا کی لکدکوب کی جگہہ ہے۔ اور یہ دونو بری صفتیں خلقت کے گمراہ کرنے کا سبب ہیں اسیواسطے اس مرتبے کا اثر بُری طبیعتوں اور گندے بدنوں اور ظالموں اور بدبختوں اور کج خیالوں کے سوا اور کسی جگہ ظہور نہیں ہوتا۔ زمانۂ آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک بزرگوں سے چند آدمی ہوئے ہیں جنکو منصب سلطنت اور منصب نبوت دونو عطا کیئے گئے ہیں چنانچہ یوسفؑ موسےؑ۔ داؤدؑ سلیمانؑ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین مثلاً ابوبکرؓ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ چونکہ شان نبوت اور شان ولایت کے ساتھ یہ منصب جمع ہو گیا اسواسطے انہوں نے اس منصب کے حقوق کے ادا کرنے میں جیسا کہ چاہیئے تھا۔ قیام کیا۔ بلکہ اسمیں ایک نہایت باریک رمز ہے۔ کہ اُن کی خصلتوں کا نمونہ گنہگار ظالموں اور عاصی جاہلوں کو حجت بنا دیا ہے۔ پس فاجر ظالموں کی تنبیہ کے واسطے اور ظالم فاسقوں کی ہدایت کیواسطے جنہوں نے سلطنت اور حکومت کو تکبر کا سرمایہ سمجھہ لیا۔ اور وزارت اور امارت کو نفس اور ہوا کی خواہشات کا دام بنالیا۔ اور ظلم اور ستم کو بادشاہی کا آئین سمجھہ بیٹھے۔ اور فسق اور فجور کو بزرگی کی رسم جان چکے۔ چند حالات انبیاؤں کی بادشاہی اور خلفائے کرام کی خلافت سے اس باب میں ہم لکھتے ہیں۔ تاکہ وہ تذکرہ علم آخرت کے طالبوں اور وساوس شیطانی کے گرفتاروں اور نفسانی خواہشات کے پابندوں کے واسطے حجت رہے

حکایت اول

حدیث میں ہے کہ حضرت موسے علیہ السلام کو فرعون کی تباہی کے بعد سلطنت اور نبوت دیگئی اللہ تعالےٰ نے انکو حکم بھیجا کہ بنی اسرائیل کو اریحا کی طرف لیجاؤ اور قوم عمالقہ کے ساتھہ لڑائی کرو۔ اور بیت المقدس کی ولایت کو اُن سے خالی کرو۔ جب فوج تیار ہو گئی۔ اور اوسکی گنتی ہوئی تو بارہ فوجیں تھیں اور ہر ایک پلٹن میں ایک لاکھہ بیس ہزار مرد تھے جنمیں عورتیں اور بچے شامل نہیں تھے۔ اور اُسکے لشکر

کے نقیب بھی بارہ تھے۔ اور ہر ایک نقیب کے ماتحت ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام چھتیس سال یا انتالیس سال اس فوج کے حاکم رہے ان دنوں میں نہ اُن کے ہاں سواری تھی نہ گھر تھا۔ بلکہ اس مدت میں کھانا بھی اُن کو کافی نہ ملتا تھا۔ پوستین الٹی پہنتے تھے۔ نمد کی ٹوپی سر پر رکھتے تھے اور کچے چمڑے کا جوتا پاؤں میں ہوتا تھا اور دوشاخہ چھڑی ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اور جہاں رات آجاتی وہیں مقام کر لیتے بنی اسرائیل آپکو باری باری سے کھانا کھلاتے تھے۔ یعنی ایک صبح کا کھانا کھلاتا اور دوسرا شام کا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن سبط لاوے میں قیام تھا۔ ایک شخص کے کھانے کی باری تھی۔ وہ شخص کھانا لانا بھول گیا۔ موسےٰ علیہ السلام کو بھوک نے تنگ کر رکھا تھا۔ رو کر عرض کی۔ اے میرے اللہ تعالےٰ یہ کیسی خواری ہے۔ جس میں مبتلا ہو رہا ہوں۔ ایک شخص مجھے صبح کا کھانا دیتا ہے۔ دوسرا شام کا۔ اللہ جلشانہ نے وحی نازل کیا۔ کہ اے عمران کے بیٹے دل تنگ مت ہوجیو۔ کہ ہم اپنے مقبولوں کی روزی گمراہوں کے ذمے لگا دیتے ہیں۔ جسکا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ بدبخت یا وہ گو بھی ہمارے دوستوں کو کھانا کھلانے کی برکت سے سعادت ابدی حاصل کر لیں

حکایت دوم

حدیث میں آیا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں بادشاہ ہوئے۔ تو دن بدن دُبلے پتلے۔ لاغر ہوتے جاتے تھے امراء و وزراء نے ہر چند اسکا سبب پوچھا آپ کچھ بیان نہ فرماتے تھے۔ ایک دن سب نے نہایت منت اور عاجزی سے پوچھا اور عرض کیا۔ اگر یہ ضعف کسی اندرونی بیماری کے باعث ہے۔ تو حکیم اُسکا علاج کریں۔ آپنے فرمایا کہ میرا مرض میرے مولےٰ کو معلوم ہے۔ اور میرا علاج بھی ظاہر ہے۔ سب نے دست بستہ عرض کیا کسطرح۔ آپنے فرمایا کہ ستره سال ہو چکے ہیں کہ تخت بادشاہی پر بیٹھا ہوں۔ اور میرے بدبخت نفس کی یہ خواہش ہے کہ اُسکو جو کی روٹی سے ہی سیر کروں۔ مینے اُسکا کہنا نہیں مانا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اتنی تکلیف اپنے نفس پر کیوں گوارا کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ میں اپنے ملک کے بھوکوں اور محتاجوں کی مطابقت کرتا ہوں کہ اُن کی خوشی کیطرف دل و جان سے غور رکھتا ہوں۔ مگر ڈرتا ہی رہتا ہوں۔ کہ مصر کی ولایت میں مبادا

کوئی بھوکھا رہ گیا ہو۔ اور مجھے قیامت کے دن مواخذہ ہو۔ کہ تو ملک کیطرف مشغول ہوگیا۔ اور بیکس ضعیف اور محتاجوں کی تونے خبر نہ لی۔

حکایت سوم

روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے باورچی خانہ کیواسطے دیووں نے پتھر کی دیگیں بنا دیں تھیں جن میں سے ہر ایک میں دس دس اونٹ چلے جاتے تھے۔ چنانچہ قرآنمجید میں اللہ نے اسکی خبر دی ہے۔ ہر روز سلیمان علیہ السلام کے باورچی خانے میں ایسی ہزار دیگوں میں کھانا پکتا تھا۔ اور خلقت کو دیا جاتا۔ اور آپ روزہ رکھتے تھے اور تخت پر بیٹھکر آپ زنبیل بنا کرتے تھے۔ جب رات ہوجاتی تو زنبیل کو بازار میں بیچتے اور اوسکی قیمت سے جو کی روٹی خرید کر کھاتے۔ اور سر پر گدڑیا اوڑھ کر قبرستان میں چلے جاتے تھے۔ اگر کوئی مسکین ملجاتا تو جو کی روٹی اُسکے ساتھ ملکر کھاتے۔ کہتے ہیں کہ دیووں نے آپ کے واسطے ایک میدان چاندی سے بنایا تھا جسکا عرض اور طول تین تین کوس تک تھا۔ اور ایک سونے کا تخت درمیان رکھا ہوا اُسکے دائیں طرف سونے کی چھ ہزار کرسیاں تھیں۔ اور اُسکے بائیں طرف چھ ہزار کرسی چاندی کی تھی۔ اور اُسکے برابر چھ ہزار محراب بنائے ہوئے تھے۔ جب سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ جاتے تھے۔ تو انبیاء کی اولاد اُن سنہری اور روپہلی کرسیوں پر بیٹھا کرتی۔ اور بنی اسرائیل کے عابد اُن محرابوں میں نماز کے لیئے کھڑے ہوجاتے تھے اور آدمی اور پری اور وحشی ترتیب وار صف باندھتے۔ اور جانور ہوا میں میدان کے اوپر صف لگاتے۔ جنکا سایہ لوگوں کے سر پر پڑتا تھا۔ اور ہوا ہر صبح ان سب کو اٹھاکر بیت المقدس سے ملک فارس میں لے جاتی۔ اور پھر شام کو واپس لے آتی۔ باوجود ان تمام اختیارات کے وہ بھی جو کی روٹی بھی سیر ہوکر نہ کھاتے۔ مبادا کوئی شخص میرے ملک میں بھوکا نہ رہجائے۔ اور مجھے اُسکے حال سے خبر نہ ہو۔ ایسا ہی یوسف علیہ السلام بھی قحط کے زمانے میں لوگوں کو کھانا کھلاتے اور آپ بھوکھے ہی رہتے تاکہ لوگوں کو بھول نہ جائے۔ ایکدن سلیمان علیہ السلام نے کسی سے سنا وہ کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ تعالے نے سلیمانؑ کو ایسا ملک عظیم عطا کیا ہے۔ کہ مخلوقات کو نہ تو کسی کو ملا ہے۔ اور نہ ملنے کی امید ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے سنکر کہا

اے بیوقوف مجھے اللہ کی قسم ہے کہ اگر صدق نیت سے ایک تسبیح پڑھی جاوے۔ تو اُسکا ثواب سلیمان ؑ کی ملک سے کتنے ہزار گنا زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ ملک فانی ہے۔ اس تسبیح کا ثواب جاودانی ہے۔

حکایت چہارم

حدیث میں ہے کہ رسول علیہ السلام نے دو لشکر نجد کیطرف بھیجے ایک لشکر پر علی کرم اللہ وجہہ کو امیر بنایا اور دوسرے لشکر پر خالد بن ولید کو اور حکم دیا کہ اگر دونوں لشکر ایک جگہہ اکٹھے ہو جائیں تو علی کرم اللہ وجہہ سب پر امیر ہوں۔ اور جب متفرق ہو جائیں تو اپنے اپنے لشکر کا ہر ایک ذمہ وار ہے۔ ان دنوں میں فاطمہ زہرا بیمار ہو گئیں۔ رسول علیہ السلام نے عمران بن حصین کو حکم فرمایا کہ چلکر فاطمہؓ کی عیادت کر آئیں۔ عمران بیان کرتا ہے گہ میں اور رسول علیہ السلام دونوں بتول کے گھر کے دروازے پر گئے۔ رسول علیہ السلام نے دستک دی۔ فاطمہ نے کہا کون ہے۔ رسول علیہ السلام نے کہا تیرا باپ ہے۔ فاطمہؓ نے کہا اندر آ جاؤ۔ آپنے فرمایا کیا عمران بھی ساتھ ہی اندر آ جائے۔ فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ عمران اندر نہیں آ سکتا۔ کیونکہ میرے تن پر صرف ایک پھٹی ہوئی کملی ہے۔ اگر میں اس سے سر ڈھانپتی ہوں۔ تو پیر ننگے ہو جاتے ہیں۔ رسول علیہ السلام کے کندھوں پر ایک چادر تھی۔ زہرا کے پاس بھیجدی۔ اور کہا کہ اُس کملی سے اپنے تن کو ڈھانپ لو اور یہہ سر پر اوڑھ لو۔ رسول علیہ السلام پہلے آ کر بیٹھ گئے۔ اور پھر میں بھی اندر آیا۔ اور رسول مقبول کیخدمت میں مؤدب بیٹھا۔ فاطمہؓ کو مینے دیکھا کہ آپ کا رنگ زرد ہو رہا ہے اور خاک کے ڈھیر پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور اُس پھٹی ہوئی کملی کے سوا اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ پس رسول علیہ السلام نے کہا اے فرزند کیا حال ہے؟ اُسنے کہا۔ یا رسول اللہ حالت نازک ہے۔ ایک تو بیمار ہوں۔ دوسری تین دن سے بھوکھی ہوں۔ مجھے کسی قسم کا کھانا نہیں ملا۔ اور یہہ کہکر زار زار روئی چنانچہ میں بھی رویا پس رسول اللہؐ نے کہا اللہ کی قسم ہے کہ تین دن ہو چکے ہیں کہ دنیا کے کھانے سے میرے گلے میں بھی کچھ نہیں اُترا۔ اور مجھے امید ہے کہ جو کچھ اللہ جلشانہ سے مانگوں وہ مجھے عطا کر دے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے پاس لائے۔ اور عرض کی۔ کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا ارادہ ہو۔ تو ان تمام خزانوں کو تیرے

زیر حکم کردوں۔ اور جدہر تو جاوے تیرے ساتھ ہی چلیں۔ یعنے اللہ جلشانہ سے یہی مانگا ہے کہ پیغمبروں میں سے درویش پیغمبر ہوں۔ یعنے ایک دن بھوکھا رہوں اور ایکدن پیٹ بھر کر کھاؤں۔ ابو ہریرہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ یہانتک کہ وفات پا گئے۔ انس بن مالک نے کہا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ مہینہ بھر یا چالیس دن تک حضور پرنور کے گھروں سے روٹی پکانے کا دہواں ہی نہیں نکلتا تھا۔ اور دیگ چولھے پر نہ چڑہتی تھی۔ اور گھروں میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ البتہ جو انصاریوں کے گھروں سے کھانا آتا تھا۔ اُسی پر ہی گزارہ ہوتا تھا۔ اور کسی کو اس حال سے خبر بھی نہ ملتی تھی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ نے بیان کیا۔ جسدن حضور پرنور کا وصال ہوا۔ آپکے مبارک تن پر ایک پشمینہ کا پیراہن تھا۔ جسپر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ بعض پیوند بکری کے چمڑے کے تھے۔ اور ستر ہزار درم قرض چھوڑا تھا۔ جو درویشوں اور مستحقوں کو دیا گیا۔ اس قرض کو علی کرم اللہ وجہہ نے ادا کیا۔

حکایت پنجم

جب ابوبکر صدیق کو صحابہ کرام نے تخت خلافت پر بٹھلایا۔ دوسرے ہی دن کپڑے کے چند ٹکڑے بازار بیچنے کے لیئے لے گئے۔ اور اس سے پہلے بھی کپڑے بیچا کرتے تھے۔ جس سے بال بچوں کی خوراک حاصل کرتے تھے صحابہ کرام اسبات سے ناخوش ہوئے۔ اُنہوں نے کہا۔ ایسا کام خلیفۃ المومنین کے شایاں نہیں ہے۔ آپنے فرمایا کہ عیال کا گزارہ موجود کرنا مجھپر فرض ہے۔ اگر اُن کے حقوق کے ادا کرنے میں کاہل ہو جاؤنگا۔ پس صحابہ کرام نے اتفاق کیا کہ ابوبکر کے عیال کا روزانہ خرچ بیت المال سے دیا کریں تاکہ وہ فراغ خاطر سے قضا اور حکومت میں مشغول رہیں۔ سب نے ملکر اُنکے عیال کیواسطے ڈھائی درم روزانہ مقرر کیئے۔ جب اُنکی وفات کا وقت قریب آیا۔ اپنے بیٹے عبدالرحمن کو وصیت کی۔ کہ میری کھیتی کو بیچکر اس قرضے کو ادا کر دینا۔ عبدالرحمان نے اُس کھیتی کو بیچدیا۔ اور بیت المال سے جقدر روپیہ خرچ کے لیئے لیا ہوا تھا۔ کوڑی کوڑی تک ادا کر دیا۔

حکایت ششم

جب عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو صحابہ کرام نے تخت پر بٹھایا۔ تو سبنے اتفاق کیا۔ کہ اُن کے عیال کا خرچ بیت المال سے ادا کیا کریں۔ آپنے قبول نہ کیا۔ اور فرمایا میں ابھی کسب کرنے کی طاقت رکھتا ہوں مجھے نفقہ (خرچ) لینے کی حاجت نہیں۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ اشراق پڑھ کر کچہری میں بیٹھ جاتے اور دس بجے تک مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ فرماتے۔ جب کچہری برخاست ہو جاتی تو کستی پکڑ کر قصبہ کیطرف چلے جاتے۔ اور اینٹیں تھاپتے۔ جب ظہر کا وقت ہو جاتا۔ غسل کرکے مسجد میں آجاتے اور مسلمانوں کو نماز ظہر پڑھاتے اور پھر جا کر نماز عصر دو گھڑی تک اینٹیں تھاپتے۔ اور اپنا اور اپنے بال بچوں کی خوراک اُس سے حاصل کرتے۔ کہتے ہیں کہ ایکدن ابوموسےٰ اشعری نے بیت المال کے خزانے کو جھاڑو دیتے ہوئے ایکدرم گرا ہوا پایا۔ ایک لڑکا وہاں کھڑا تھا وہ درم اسکو دیدیا۔ اتفاقا وہ لڑکا حضرت عمرؓ کا ہی بیٹا تھا جب حضرت عمرنے دیکھا۔ اور پوچھا کہ بیٹا یہ درم تو کہاں سے لایا ہے اسنے کہا کہ ابوموسےٰ نے مجھے دیا ہے ابوموسےٰ کو بلا کر کہا کہ میاں تمام خلقت سے زیادہ دشمن تونے عمر کے ہی لڑکے کو سمجھا۔ کہ وہ درم تونے اُسے دیدیا کیا تو چاہتا ہے۔ کہ امت محمدی کے مستحق قیامت کے دن عمر کی داڑھی ایکدرم کے لیئے پکڑلیں۔ پس اُسدرم کو لیکر بیت المال میں بھیجدیا۔ اور جب چند سال کے بعد آپکا بڑھاپا زیادہ ہوگیا۔ تو آپنے کہا۔ کہ اے مسلمانو میں اب ضعیف ہوگیا ہوں اب مجھے کام کرنے کی طاقت نہیں اگر بہتری سمجھتے ہو تو میرے عیال کے خرچ کے واسطے مسلمانوں کے بیت المال سے کچھ مقرر کردو۔ مگر صرف اتنا ہو جس سے ایک غریب مسلمان گزارہ کرسکتا ہے۔ تاکہ میرا عیال بیت المال سے کھائے گا۔ اور میں تمہاری خدمت میں رہونگا۔

حکایت ہفتم

جب عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابودرداؓ کو شہر حمص کا عامل بنا کر بھیجا۔ ابو درداؓ نے کچھ مدت اُس شہر میں حکومت کی۔ اور اُس مدت میں اُسکے گھر میں پھٹی ہوئی بوریا اور تلوار اور قرآنمجید اور ایک لٹیا اور ایک پُرانے پیالے کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ کی عادت تھی کہ ہر روز شہر سے باہر نکل جاتے۔ اور جنگل میں جا کر غسل

کرتے اور پھر اپنی جگہہ واپس آجاتے۔ اسبات سے اُن کو کچھ تکلیف معلوم ہوئی۔ ایکدن فرمایا۔ کہ بیت المال سے اڑھائی درم لیکر اُسکے سرکنڈے خریدے جاویں اور ایک درم مزدوری کا دیکر اُس کے گھر کے متصل غسلخانہ بنایا جاوے۔ عمر رضی اللہ تعالے عنہ یہہ سنکر ابودرداد کیطرف خط لکھا۔ جسکا مضمون یہہ تھا " اے عویمر مجھے معلوم ہوا ہے کہ تونے غسلخانہ بنوایا ہے۔ اور مسلمانوں کے بیت المال سے ساڑھے تین درم اُسپر خرچ کیئے ہیں۔ روم کے سرکشوں کی عمارتیں جو موجود ہیں۔ کیا وہ تجھو کافی نہ تھیں۔ افسوس کہ توبھی دنیا کی تعمیر میں مشغول ہوگیا۔ میرا یہہ حکم تجھے معزول کرتا ہے۔ اور تجھو لکھا جاتا ہے کہ فوراً دمشق کی راہ لو۔ اور مرتے تک وہاں ہی رہو "۔ ابودردا نے جب خلیفۃ المومنین کا پیغام پڑھا۔ اُسیوقت کھڑا ہوا اور پا پیادہ دمشق کیطرف چلا گیا۔ اور وہاں ہی فوت ہوگیا۔

حکایت ہشتم

ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تخت خلافت پر بیٹھے۔ حسنؓ اور حسینؓ کو اپنی صحبت سے جدا کردیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ دونو شہزادے سیرت اور صورت میں رسول علیہ السلام کے بہت مشابہ تھے۔ اِس لحاظ کی خاطر آپ دونو شہزادوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور اُن کی بات کو رد نہ کرتے تھے اور اُن دونوں شہزادوں کی خدمت میں خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ حاضر ہوتے تھے۔ اور علاقوں کے بادشاہ اور اشراف اُن کے نزدیک مال اور ہدیے لاتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خوف پیدا ہوا کہ وہ کسی دینی امور کے برخلاف سفارش کریں۔ اور میں اُسکو رد نہ کرسکوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ دستور تھا۔ کہ ہفتہ میں سیر بھر جو لیکر پسا لیتے۔ اور کدو میں ڈال دیتے اور اُس کدو کے منہ کو بند کرکے اوپر مہر لگا دیتے۔ اور کبھی اُس سے ایک روٹی پکا لیتے اور روزہ اُس سے افطار کر لیتے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ روزہ کھولنے کے وقت آٹے کی ایک مٹھی لیکر منہ میں ڈال لیتے اور پھر باندھ کر مہر لگا دیتے۔ اور پھٹے پرانے کپڑے جنپر پیوند لگے ہوتے تھے پہنتے۔ اور کھجور کے رسّیوں کی جوتی پاؤں میں رکھتے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین آپ مہر کیوں لگا دیتے ہیں آپنے فرمایا

مجھے ڈر ہے کہ شاید حسنؓ اور حسینؓ اُس میں کچھ اور نہ ملادیں۔ ایکدن کا ذکر ہے۔ کہ عرب کا ایک بادشاہ حسنؓ کی ملاقات کو آیا۔ اور وہ شام کی نماز کے بعد پہونچا۔ جبکہ لوگ نماز پڑھ کر ادہر اُدہر چلے گئے تھے وہ بھی نماز پڑھنے کے لئیے مسجد میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا۔ اور کدو اپنے سامنے رکھکر جو کا آٹا پھانک رہا ہے۔ جب وہ بادشاہ نماز سے فارغ ہوا۔ تو اس پیر مرد نے اسکو اپنے پاس بُلایا۔ اور ایک مٹھی آٹا بھر آٹا اُسکو بھی دے دیا۔ اُس بادشاہ نے اس آٹے کو چادر کے دامن میں باندہ لیا۔ لیکن یہ نہ سمجھا۔ کہ یہ ضعیف کون ہے۔ جب وہ امام حسن کی خدمت میں پہونچا تو اونہوں نے قسم قسم کے کھانے اُسکے سامنے لار کھے۔ اُس بادشاہ نے اُس کھانے سے ایک رکاب اُٹھا لیا۔ اور کہا کہ اس مسجد میں ایک درویش ہے جو بھوک کے مارے آٹا پھانک رہا ہے۔ اُسکی غربت پر میرا دل جلتا ہے۔ اگر آپ فرماویں تو یہ کھانا اُسکو دے آؤں۔ امام حسنؓ نے رو کر کہا۔ جسکو تو درویش کہتا ہے وہ تو میرے والد حیدر کرار مالک ذوالفقار حضرت امیر المومنین خلیفۃ الوقت ہیں۔ آپنے ہی اس امر کو اختیار کیا ہے

اور ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ کہ میں جمعہ کے دن مسجد میں آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ اور آپ کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں۔ جنپر بہت پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اور شمشیر ذوالفقار حمایل ہے۔ اور اُسکا میان کھجور کے ریشوں سے بنا ہوا ہے۔ اور آپ یہہ فرما رہے ہیں۔ ‘‘ اس پرانے کپڑے کیمینے اتنے پیوند لگوائے ہیں کہ میں پیوند لگانیوالے سے شرمندہ ہو رہا ہوں کہ وہ کہتا ہوگا کہ علیؓ کو کیا ہو گیا۔ کہ دنیا کی زینت کا طلبگار ہے۔ اے لوگو میں اُس نعمت اور لذت پر کسطرح خوشی ظاہر کروں جو آن کی آن میں فنا ہونے والی ہے۔ اور جب میں دیکھتا ہوں کہ حجاز کی ولایت میں بہتیرے بھوکے ہیں کسطرح سیر ہو کر کھاؤں۔ اور جب مسلمان مجھے امیر المومنین کہتے ہیں۔ اگر اُن کی زندگی کی دشواریوں کے عقدہ نہ کھولوں۔ اور بھوک اور سختی میں اُن سے موافقت نہ کروں۔ تو میں کیسے امیر المومنین ہو سکتا ہوں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ خلقت بہت روئی۔ اور میں بھی رویا۔ مینے عرض کیا۔ ای امیر المومنین کیا اچھی بات ہو کہ آپ نئے کپڑے پہن لیں۔ آپنے فرمایا۔ کہ اللہ تعالے جلشانہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی بادشاہ ہوں

کو لازم ہے کہ اپنا کھانا اور لباس غریب رعایا کے کھانے اور لباس کے اندازہ پر رکھیں۔ تاکہ دولتمند اُسکا اقتدا کریں۔ اور غریب افسوس نہ کریں۔

حکایت نہم

لکھتے ہیں ابو امامہ باہلی کو آپنے بصرے کی حکومت پر مامور کیا۔ کچھ مدت کے بعد ایک بصری سے ابو امامہ کا حال پوچھا۔ اُسنے کہا میں نے اُسکو ایک ضیافت میں کھانا کھاتے دیکھا ہے۔ ابو امامہ کیطرف اسیوقت لکھدیا۔ "کہ اے چھورے بیٹو! مینے سنا ہے کہ تو اہل بصرہ کی ضیافتوں میں حاضر ہوتا ہے۔ اور وہ قسم قسم کے کھانے تیرے سامنے رکھتے ہیں۔ یاد رکھو جو شخص اُس قوم کا کھانا کھاتا ہے جو دولتمندوں کو تو بڑی خوشی سے کھلاتے ہیں اور محتاجوں کو دھکیل دیتے ہیں اور حق کو باطل سے تمیز سے نہیں کرسکتے) وہ امارت کے لائق نہیں ہیں"! اسلیئے تمکو حکومت سے معزول کیا جاتا ہے۔

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن حضرت علی کے دروازے پر بہت سے غریب اور مسکین جمع ہوئے۔ حضرت علیؓ گھر سے باہر نکلے۔ اور ابو موسے اشعری کو حکمدیا کہ بیت المال کے دروازہ کو کھولو۔ اور بیس ہزار درم فقیروں کو بانٹ دو۔ پھر ہم عید گاہ کیطرف چلے گئے۔ اور نماز ادا کی۔ جب ہم واپس آئے۔ تو آپکے ساتھ گھر میں چلے گئے کیا دیکھتے ہیں۔ کہ آپکے گھر میں جو کی آٹے کی روٹیاں موجود ہیں۔ اور روغن کے بغیر ہیں مینے عرض کیا۔ اگر بیت المال سے آپ ایک درم کا گھی منگالو تو کیا ہرج ہے۔ آپنے فرمایا اے ابو ہریرہ کیا تو چاہتا ہے کہ قیامت کے میدان میں مجھے شرمندہ کرائے اور خیانت کا داغ علی کی پیشانی پر لگانا پسند کرے۔ اللہ کی قسم ہے۔ کہ علیؓ کے نزدیک اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے۔ کہ قیامت کے میدان میں خیانت اور رسوائی اور شرمندگی سے بے فکر ہو وے۔

نقل ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے باپ کے مال سے میراث کثیر پائی تھی۔ جب خلیفہ مقرر ہوگیا تو حکم دیا کہ بغداد کے تمام مسکینوں اور یتیموں کو جمع کرو۔ بہت سا مال اُنپر تقسیم کیا۔ پھر شہر کے گرد نے سے پوچھا کہ بغداد میں روزمرہ مزدور کو کیا مزدوری ملتی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ چار درم اُسنے کہا کہ مجھ

بھی بیت المال سے ہر روز چار درم ہی دیا کرو۔ میرا عیال اُسپر گذارہ کریگا۔ اور میں مسلمانوں کی بہتری میں مشغول رہونگا۔ کہتے ہیں۔ اُسکے اُنیس لڑکے تھے اور وفات کے دن اُسکے گھر میں صرف تلوار اور قرآن مجید ہی تھا۔ اُسکے قریبیوں میں سے ایکنے کہا۔ اے امیر المومنین جو کام تونے کیا ہے کسی اور نے نہ کیا ہے نہ کریگا اُسنے کہا کہ مینے کیا کام کیا اُسنے کہا۔ تونے اپنے مال کو ضائع کر دیا۔ اور اپنے بیٹوں کو محتاج کر دیا۔ اُسنے کہا میں فرزندوں کی روزی کسی کو نہیں دے سکتا۔ اور کسی کی روزی فرزندوں کو نہیں دے سکتا۔ اور میرے پیچھے میرے فرزند دو حال سے باہر نہیں ہونگے یا صالح ہونگے یا فاسق۔ اگر صالح ہونگے تو خداتعالے صالح بندوں کا رزق بند نہیں کرتا۔ اگر فاسق ہونگے تو وہ خدا کے دشمن ہیں۔ میں اللہ کے دشمنوں کی غمخواری کیوں کروں۔

کسی شخص نے حسن بصری کو خط لکھا کہ مجھے عمر خطابؓ کی خصلت سے اطلاع دیجیے میں اُنکی عادات پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ تو عمر کے زمانہ میں نہیں ہے۔ اور تیرے لواحق عمر کے لواحقوں کیطرح نہیں ہیں۔ اگر تو اس زمانے میں خلقت کے درمیان عمر کیطرح رہے اور وہ کرے جو اُسنے کیا۔ تو عمر سے اچھا ہوگا۔

اے میرے پیارے عزیز یہ سب حکایات جو ہمنے بطور نموذج لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاؑ و خلفائے راشدین نے (اللہ کا ان پر سلام اور درود ہو) سلطنت اور بادشاہی میں کسطرح حکومت کو نباہا اور باوجود بادشاہی طاقت اور خزائن کے اپنے نفس کو کسقدر تنگ رکھا۔ اور دنیاوی مصائب پر کیسے حوصلہ سے کام لیا۔ اور اگرچہ اُنہوں نے معدلت اور شفقت اور احسان کے باب میں غایت درجہ کی کوشش کی۔ مگر پھر بھی ولایت اور حکومت کے خطروں سے بے خطر نہ رہے۔

اچھیطرح جاننا چاہیئے کہ مسلمانوں کی ذمہ واری کا اُٹھانا ایک نہایت ہی مشکل کام ہے اور حکومت کے امورات کا نباہنا ایک امر دشوار ہے۔ اور جب بادشاہ اور حاکم عدل اور احسان پر عامل ہوں اور حدود شرع اور احکام دین کے جاری کرنے میں دل وجان سے ساعی ہوں۔ تو وہ زمین میں نائب اور خدا کے برگزیدہ اور ظل اللہ اور خلیفہ رحمان سے پکارے جاتے ہیں۔ اور جب عدل اور احسان کا طریقہ

چھوڑدیں اوراللہ کے بندوں پر مہربانی کریں اور نفس اور ہوا کی متابعت کریں۔ اور شرعی حدود کی اقامت میں عمداً غفلت اختیار کریں۔ وہ نائب دجال اور دشمن خدا۔ اور دشمن رسول۔ اور خلیفہ شیطان کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اور سعادت ابدی کا گینہ حکومت اور سلطنت کے میدان سے وہ ہی لے نکلتے ہیں۔ جو انصاف کو ہموارہ مدنظر رکھتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کدھر جانے والے ہیں۔ اور وہاں سے جو وہ یہاں آیا ہے۔ اسکا مقصود کیا ہے۔ پس کتاب اور سنت کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو شخص اس جہان میں آیا ہوا ہے وہ کسی دم کا مسافر ہے اور اس سفر کی منزلیں عام طور پر یہہ ہیں۔

منزل اول۔ باپ کی پیٹھ ہے۔ منزل دوم ماں کا رحم ہے۔ منزل سوم دنیا کا میدان ہے منزل چہارم قبر کی اسامی ہے۔ منزل پنجم قیامت کا موقف ہے۔ منزل ششم بہشت یا دوزخ ہے اور ہر ایک آدمی دنیا کی منزل میں اپنے کسب سے ہی بہشت اور دوزخ کی تیاری کر لیتا ہے۔ اور عمر کی کشتی ہر دم اور ہر لحظہ سیر میں ہے۔ افسوس سوار اس سے بے خبر ہے اور ہر ایک سانس جھنڈی کیطرح ہے اور ہر دن میدان کارزار اور ہر مہینہ نشان میل کا اور ہر سال نشان فرسنگ کا ہے۔ اور جو دم نکلجاتا ہے دراصل اسکی دنیوی زندگی کی عمارت سے ایک اینٹ گرجاتی ہے۔ اور ایک قدم آخرت کے قریب ہوجاتا ہے اور دنیا سے دور رہتا جاتا ہے۔ پس درحقیقت دنیا ایک پل ہے جو آخرت کی سڑک پر ہے۔ اور ایک سرائے ہے جو قیامت کے جنگل میں ہے۔ عقلمند وہ شخص ہے کہ پل پر عمارت نہ بناوے۔ اور اسمیں دل نہ لگاوے۔ اور بڑی جوانمردی کی یہ بات ہے۔ کہ سرائے دنیا سے قیامت کے میدان کا زاد بنا لیوے۔ اور دنیا کی زینت پر فریفتہ نہ ہو۔ اور جو اسباب ضرورت سے زیادہ ہو۔ اسکو رستہ کا بوجھ سمجھے۔ اور یقین جانے کہ کل روز محشر اور موقف حساب اور فزع اکبر میں تمام روئے زمین کے بادشاہ حسرت کی خاک سر پر ڈالینگے۔ اور فریاد کرینگے۔ کہ یا اللہ اگر دنیا کے تمام خزانے خاک ہوتے اور اسمیں مطلق زر اور سیم نہ ہوتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔

نقل ہے کہ جب عمر بن عاص مصر میں بادشاہی تخت پر بٹھایا گیا۔ اُسکا بیٹا عبداللہ

اعلےٰ درجہ کے صحابہ سے تھا۔ اُسنے باپ کی صحبت ترک کر دی۔ اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوا جب عمر بن عاص مر گیا تو لوگوں نے بیٹے کو بلایا۔ اور کہا عبداللہ اس بادشاہی کے صندوق کو اُٹھا لو۔ اُسنے کہا۔ اسمیں کیا دھرا ہے۔ اونہوں نے کہا کہ سونا بھرا ہوا ہے۔ اُسنے کہا کہ مجھے اسکی کچھ حاجت نہیں عبداللہ نے رو کر کہا۔ مجھے خواہش ہے کہ وہ صندوق خاک سے پر ہوتا۔

اے عزیز تو نے اِن مقدمات سے حکومت اور ولایت کے خطروں کو معلوم کر لیا۔ اسلیئے جاننا چاہیئے کہ بادشاہی کرنے کے لیئے شرائط ہیں۔ اُن شرطوں کے بغیر بادشاہی کاموں کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اور رعایا کے حق بادشاہ پر ہیں۔ اُن حقوق کے ادا کرنے کے بغیر بادشاہ عذاب اُخروی سے نجات نہیں پا سکتا اُن سے ہم کچھ بطور نمونہ بیان کرتے ہیں۔ اور ہر ایک امر کی حقیقت کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ بادشاہی اور سلطنت کی شرائط دس چیزوں پر منحصر ہیں۔

شرط اول یہ ہے کہ رعایا کو جو واقعہ پیش آوے۔ بادشاہ اور حاکم اپنے آپ کو اس حادثہ میں رعایا سے ہی ایک تصور کرے اور دوسرے کو اپنا حاکم سمجھے۔ اور جسطرح دوسرے کا حکم اپنے آپ پر جائز نہیں سمجھتا۔ ویسا ہی اپنا حکم دوسرے پر جائز نہ رکھے۔ جو کچھ اپنے لیئے پسند نہ کرے۔ وہ کسی کے لیئے بھی پسند نہ کرے۔

شرط دوم مسلمانوں کی حاجتوں کے قضا کرنے کو ہی بہتر عبادت سمجھے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مومن کا دل خوش کر دینا آدمیوں اور جنوں اور پریوں کی عبادت کے برابر ہے پس مسلمان بادشاہ کی یہ شرط ہے۔ کہ محتاجوں کی حاجتوں کا ہمیشہ ہی منتظر رہے۔ اور جب اُسکو یہ معلوم ہو کہ ایک مسلمان اُسکے دروازے پر منتظر اور محتاج بیٹھا ہے۔ جبتک اُسکی حاجت کو روا نہ کر لے۔ کسی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اور اپنے نفس کے آرام کے واسطے مسلمانوں کی حاجتوں کو توقف میں نہ ڈالے۔

شرط سوم یہ ہے کہ کھانے اور لباس میں خلفائے راشدین کا اقتدا کرے۔ اور نفس کو اچھا کھانا کھانے اور قیمتی لباس پہننے کی عادت نہ ڈالیں۔ کہتے ہیں کہ جسدن حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت پر بٹھلائے گئے۔ بازار میں تین درم سے ایک پیراہن خریدا جسکی آستین ہاتھوں سے اور دامن گھٹنوں

سے نیچے تھا۔ اُسکو چھری سے کاٹ دیا۔ لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت آپنے ایسا کیوں کیا۔ فرمایا کہ یہہ کاٹنا طہارت کے بہت قریب ہی۔ اور تواضع کے بہت مناسب ہے۔ اور مومنوں کے اقتدا کے واسطے بہت زیبا اور شایان ہے۔

شرط چہارم ۔ شرعی حکم دینے میں نرمی کرے۔ اور بیوجہہ سخت گیری نہ کرے۔ اگر کوئی عذر پیش کرے۔ تو اُسکو غور سے سنے اور ضعیفوں اور مسکینوں کے ساتھ بات کرنے سے شرم نہ رکھے۔ کہتے ہیں کہ مامون الرشید کے زمانہ میں ایک شخص نے گناہ کیا۔ اور وہ بھاگ گیا۔ اُسکے بھائی کو مامون کے سامنے حاضر کیا۔ مامون نے حکم دیا کہ یا تو اپنے بھائی کو حاضر کر ورنہ تجھے قتل کیا جائیگا۔ اُس شخص نے کہا اے امیر المومنین اگر تیرا نوکر مجھے قتل کرنا چاہے۔ اور تو اُسکیطرف پیغام بھیجے کہ اسکو چھوڑ دو۔ تو آپ فرمائیے کہ مجھے وہ چھوڑے گا یا نہیں۔ مامون نے کہا۔ کیوں نہیں چھوڑیگا۔ اُسنے کہا میں اُس مولٰی پاک کا حکم لایا ہوں۔ جسنے تجھے بادشاہ بنایا ہے۔ اور وہ یہ ہے "کوئی گنہگار دوسرے کا گناہ نہیں اٹھا سکتا"۔ مامون نے کہا اسکو چھوڑ دو۔ کہ یہ دلیل کا پختہ ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔

شرط پنجم خلقت کی خوشنودی کے لیے حکم الٰہی میں سستی اور نرمی نہ کرے اور لوگوں کی خوشنودی کیواسطے خدا اور شرع کے مخالفت نہ کرے۔ اور یہ سمجھے کہ حکومت کی خاصیت یہہ ہے کہ ہمیشہ آدھی خلقت حاکم سے ناراض رہتی ہے۔ کیونکہ مدعی اور مدعا علیہ کو ہم خوش نہیں کر سکتے۔ حکم دینے میں خدا کو راضی رکھے۔ خلقت کی دشمنی کی پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ حاکم عادل سے تمام خلقت کا خوش ہونا ممکن نہیں ہی۔ کیونکہ اللہ جلشانہ اُس سے راضی ہوجاتا ہے۔ اور اُسکو طاقت ہی کہ تمام خلقت کو راضی کردے۔ چنانچہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے جسنے لوگوں کی نارضگی کے درمیان اللہ کو راضی کیا اللہ اُس سے راضی ہوجاتا ہے۔ اور لوگوں کو راضی کر لیتا ہے۔

شرط ششم حکومت اور ولایت کے خطرات سے غافل نہ ہو۔ اور یقیناً سمجھے کہ امیر اور حاکم ہونا۔ خدا کی مہربانیوں سے ہے۔ اسی امارت اور حکومت سے آخرت کی نیکنامی حاصل کر سکتا ہے اور اسی سے ابدی بدبختی پیدا کرسکتا ہے۔ بہت سے بادشاہ اور حاکم اس قسم کے ہیں کہ دنیا کی فانی

دولت پر مغرور ہو گئے ہیں۔ اور نفس کی بدلگامی سے اپنے دین کو خراب کر چکے ہیں اور دنیاوی عار کے واسطے ایمان تباہ کر چکے۔ پس آج کے اختیار کی بات تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس دنیا ناپائدار کی دولت کو ابدی گرفتاری کا بیج نہ بنالے پس تجھے چاہیئے کہ عدل کے رستے کی ملازمت اور درستی کے طریقے کی کوشش کو غنیمت سمجھ۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ اگر حاکم عادل کے ایکدن کے عدل کو تمام رعایا کی بندگی کے ساتھ وزن کریں۔ تو وہ برابر ہی اترتا ہے۔ اے عزیز تو کوشش کر کہ تو اپنے آپ کو اس عادت سے بے نصیب نہ بنالے۔

شرط ہفتم۔ کہ صلحائے اور علمائے دین کی صحبت کا خواستگار ہو۔ اگرچہ یہ قوم اس زمانے میں بہت ہی کم ملتی ہے۔ اور کمیاب ہے۔ خاصکر اس ولایت میں۔ اگر خوش قسمتی سے اُن کی صحبت ملجائے اُن کے دیدار کا حریص ہو۔ اور اس قوم کی نصیحت کو اپنی سعادت سمجھے اور دجال سیرت جاہلوں کی صحبت سے اور ہمسری بدذاتوں کے ملاپ سے جو اس زمانے میں اپنے آپ کو علماء کی صورت میں اور مشائخ کی سیرت دکھلاتے ہیں۔ اور دنیاوی طمع کیواسطے ہر کمینہ کی تعریف کرتے ہیں احتراز کرے۔ کیونکہ یہ لوگ دین کے اجاڑنے والے ہیں۔ خواہ ان کی شکل فقیروں اور عالموں کی ہو۔ کہتے ہیں۔ کہ ہارون الرشید نے شقیق بلخی کو بلایا۔ اور کہا مجھے کوئی نصیحت کرو۔ شقیق بلخی نے کہا۔ اے امیرالمومنین۔ خدا کی ایک سرائے ہے جسکو دوزخ کہتے ہیں۔ اور تجھے اُس گھر کا دربان بنایا ہے۔ اور تجھکو تین چیزیں دی ہیں۔ تاکہ اُن تینوں کے ذریعہ سے خلقت کو دوزخ سے بچائے۔ وہ مال اور تلوار اور تازیانہ ہے۔ تجھے چاہیئے کہ مال کے ذریعے بیچارے محتاجوں کی بھوک کو روکے۔ تاکہ بیقراری کی حالت میں اپنے آپ کو شبہات میں نہ ڈالدیں۔ اور تلوار کی مدد سے ظالموں کی بیخ کنی کرے۔ اور بدکاروں کو تازیانہ سے ادب سکھلائے۔ اگر تو نے یہ کام کیا تو بھی بچ گیا۔ اور خلقت کو بھی بچالیا۔ اگر تو اسکے برخلاف چلا تو سب سے پہلے دوزخ میں جائیگا۔ اور دوسرے تیرے پیچھے پیچھے۔ جاہل زمانہ صوفیوں اور علماء سے اجتناب

شرط ہشتم۔ تکبر کیلئے خلقت کو اپنے واسطے بیزار نہ کردے۔ بلکہ ضعیفوں اور زیردستوں پر مہربانی کر کے اُنکا عزیز بن جائے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ تمہارے اچھے پادشاہ وہ ہیں۔ جو تمکو

دوست رکھتے ہیں۔ اور تم اُنکو۔ اور بُرے حاکم وہ ہیں کہ تم انکو دشمن جانو اور وہ تمکو

شرط نہم اپنے نوکروں چاکروں کی خیانت سے غافل نہ ہو۔ اور بھیڑیوں کی عادت والے ظالموں کو بیچارے مظلوموں پر افسر نہ بناوے۔ جب ایک کا ظلم اور خیانت ظاہر ہوجائے۔ تو اُسکو مواخذہ اور عقوبت کرے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور بادشاہی رعب و داب میں سہل انگاری نہ کرے۔ اور دولتمندوں کو نصیحت سے بھی اور خوف سے بھی راہِ راست پر لائے۔

شرط دہم۔ عقلمندی اور غور سے کام لے۔ بادشاہ اور حاکم پر واجب ہے کہ حوادث کے پیدا ہونے کے ابتدا میں اور وقائع کے واقع ہونے کے آغاز میں بڑی گہری نظر سے دیکھے اور فہم اور عقل کی بارگاہ میں ہر حکم کی حقیقت کی چھان بین کرے۔ اور بصیرت کی آنکھوں سے اُسکے عوارض اور لواحق میں غور کرے۔ اور وہ کھلم کھلی بات ہو۔ تو اُسکو شرعی مسائل سے فیصلہ کردے۔ اگر پیچیدہ اور مشکل ہو۔ تو اسکی تہ کو نور فراست سے معلوم کرے۔ اور مدعی اور مدعا علیہ کا اعتبار نہ کرے۔ کیونکہ معاملات اور تنازعات کی حدود غیر متناہی ہوتی ہے اور مسائل کی صورتیں بھی بے انتہا اور لا انتہا ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ دو عورتیں سلیمان علیہ السلام کے حضور میں آئیں۔ دونوں میں سے ہر ایک ایک لڑکے کو اپنا حقیقی لڑکا کہتی تھی۔ مگر ثبوت نہیں پہونچا سکتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ لڑکے کو تلوار سے دو ٹکڑے کردو۔ اور ہر ایک عورت کو ایک ایک ٹکڑا دیدو۔ جب جلاد نے تلوار ہاتھ میں لی اُن دونو عورتوں میں سے ایک چیخ مار کر مضطربانہ بیقرار حالت میں دہم زمین پر گر پڑی۔ اور یہہ کہتی تھی۔ کہ خدا کے واسطے اُسکو دو ٹکڑے نہ کرو میں نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ دوسری عورت کو اس بات کا اثر تک بھی نہ ہوا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ لڑکا اس اس گرنے والی کو دیدو۔ اللہ جلشانہ نے حکومت اور بادشاہی کی باریکیوں کے حاصل کرنے کے لئے (جو فہم اور ادراک اور نور فراست کا نتیجہ ہے) مشروط کردیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے جھگڑوں کو رسول اور اولی الامر کیطرف پھیرو۔ اور وہ اولے الامر ایسے ہیں کہ ہر ایک مقدمہ میں بال کی کھال اُتار لیتے ہیں۔ اور جب بادشاہ کو خلقت کا میل ملاپ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اسلیئے خلقت کا حال اسکو ضرور دریافت کرنا چاہیے۔ اور انکا حال لوازمات سے یعنے فراست سے دریافت ہوسکتا ہے۔ بس فراست دو قسم کی

فراست شرعی اور فراست حکمی۔ فراست شرعی۔ اُس نور یقین سے مراد ہے۔ کہ اخلاق ردیہ سے نفس کو پاک کرنے کے لیئے بری او صاف سے اور دل کی صفائی حاصل کرنیسے جہالت کا پردہ اور غفلت کا حجاب بصیرت کی آنکھ سے دور ہو جاتا ہے۔ پھر وہ وقت آجاتا ہے کہ مومن حقیقی اللہ کے نور سے ہی دیکھتا ہے۔ بلکہ اُس مقبول بندے کی آنکھ اور کان اور ہاتھ اور پاؤں خدا ہی کے ہو جاتے ہیں اور اُسکے سامنے زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ یہ طریقہ کوہ قاف قربت کی سیمرغوں۔ اور عالم وحدت کے شہ بازوں کا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس پروردگارِ عالم کا درجہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہر بدبخت سیہ اندرون کو یہ مقام حاصل ہو سکے۔ اور یہ ہرگز ممکن نہیں۔ کہ ہر کج رفتار کی مردار میت اُس ہما کی بارگاہ میں راہ پا سکے۔ یا اسکے سایہ میں آرام پکڑ سکے۔

فراست حکمی۔ فراست حکمی وہ ہے کہ حکماء نے تجربہ کر کے اُسکو دریافت کیا ہے۔ اور اُسکی دلیلوں کو حکیم نے اپنے قیاس میں سمجھا۔ اس قسم کی معرفت کا حاصل کرنا ہر ایک کو ممکن نہیں۔ اس باب میں آدمی کے خلقت کے علامات و خواص اور حکماء کے قول و اقوال کے بموجب (جنکے سمجھنے سے عقلمند آدمی سمجھ جائے۔ اور ہر ایک آدمی کی خصلت پر واقف ہو جائے) لکھے جاتے ہیں۔

الیعزر۔ حکماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ جس آدمی کا رنگ نہایت سفید ہو۔ اور آنکھوں میں سیاہی اور سبزی ہو۔ وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص سخت رو اور بے شرم اور فاسق اور ضعیف العقل ہے۔ اگر ان علامات کے ساتھ اُسکی تھوڑی پتلی ہو اور کوسہ بے ریش اور نظر تیز رکھتا ہو۔ اور پیشانی کے بال فراخ ہوں۔ اور سر پر گھن دار بال ہوں۔ ایسے آدمی سے خوف کرنا نہایت ضروری ہے بلکہ اتنا خوف سانپ سے نہیں کرنا چاہیئے۔ جتنا اس سے لازم ہے۔

بال۔ بال اگر میگون ہوں اور اُن کا رنگ معتدل ہو۔ یہ نشان بہادری اور صحت دماغ کا ہے۔ اور نرم بال بیدلی اور ڈر کا نشان ہے۔ اور کندھوں پر اور گردن پر بالوں کا زیادہ ہونا بے وقوفی کا نشان ہے اور سینے اور شکم پر بہت بالوں کا ہونا طبیعت کی وحشت اور کم فہمی اور ظلم کا نشان ہے۔ اور زرد بال حماقت

اور تسلط اور زود رنجی کا نشان ہے۔ اور کالے بال عقل اور ادراک اور امانت اور دوستی اور عدل کا نشان ہوتا ہے۔ اگر سرخی اور سیاہی کے درمیان بالوں کا رنگ معتدل ہو تو صفات کے اعتدال پر دلالت کرتا ہے۔

دلائل پیشانی حکما کہتے ہیں جس شخص کی پیشانی فراخ ہو۔ اور اُس پر خط اور بل نہ پڑے ہوئے ہوں۔ لڑائی اور بیوقوفی اور لاف گزاف کا نشان ہوتا ہے۔ اور پیشانی باریک اور تپلی کمینہ پنی اور عاجزی کا نشان ہوتا ہے۔ اور پیشانی متوسط جسپر بل پڑے ہوں محبت صدق اور فہم اور علم اور ہوشیاری اور عقلمندی کا نشان ہوتا ہے۔

دلائل گوش حکماء کے نزدیک کانوں کا بڑا ہونا حافظے اور فہم کا نشان ہے۔ لیکن وہ شخص تندخو ہوتا ہے۔ اور کانوں کا چھوٹا ہونا احمقی اور چوری کی علامت ہے۔

دلائل ابرو اگر ابرو بڑے ہوں۔ اور گھنے بال رکھتے ہوں۔ وہ شخص سخت کلام ہوتا ہے جس شخص کے ابرو کن پٹی تک پہونچے ہوئے ہوں وہ متکبر ہوتا ہے۔ جسکے ابرو سیاہ ہوں اور لمبائی اور چھوٹائی میں متوسط ہوں۔ فہم اور دینداری کا نشان ہوتا ہے۔

دلائل چشم کرنجی آنکھ سب آنکھوں سے بُری آنکھ ہے۔ اگر آنکھ بڑی ہو۔ اور نظر بھی تیز ہو خیانت اور کاہلی کا نشان ہوتا ہے۔ جسکی آنکھ غیر متحرک ہو۔ یعنی حرکت کم رکھتی۔ نادانی اور کند طبعی کا نشان ہوتا ہے۔ جس شخص کی آنکھ کی حرکت تیز ہو اور نظر بھی اُسکی تیز ہو حیلے اور مکر اور چوری کا نشان ہوتا ہے۔ آنکھ کا سرخ ہونا شجاعت اور دلیری کا نشان ہے۔ اگر پُتلی کے گرداگرد نقطے زرد ہوں۔ تو فتنہ اور شر انگیزی کا نشان ہوتا ہے۔ اور جس شخص کی آنکھ چھوٹائی اور بڑائی اور سیاہی اور سرخی میں متوسط ہو۔ فہم اور ہوشیاری اور راستی اور دینداری کا نشان ہوتا ہے۔

دلائل بینی جس شخص کی بینی باریک ہو۔ نرمی اور ملائمت کا نشان ہوتا ہے۔ جسکی بینی بڑی ہو بہادری کا نشان ہوتا ہے۔ جسکی بینی میٹھی ہوئی ہو۔ شہوت اور دوستی کا نشان ہوتا ہے جس شخص کی بینی کے سوراخ فراخ ہوں۔ وہ حسودی اور غضب کا نشان ہوتا ہے۔ اور جسکی بینی درمیان سے

سر تک موٹی ہو سخت کلامی اور جھوٹ بولنے کا نشان ہوتا ہے۔ اور جو بینی موٹی اور باریک ہو اور لمبائی اور چوڑائی میں متوسط ہو وہ عقل اور فہم کا نشان ہوتا ہے۔

دلائل دہان۔ فراخ منہ شجاعت کا نشان ہے۔ اور لبوں کا موٹا ہونا حماقت کا نشان ہے جس شخص کی لبوں کا رنگ سرخی مائل ہو اُسکا رائے کامل ہوتا ہے۔ اور جسکے دانت ناہموار ہوں مکر اور خیانت اور حیلے کا نشان ہوتا ہے۔ اور کُھلے کُھلے دانت اور ہموار عدالت اور امانت اور تدبیر کا نشان ہوتا ہے

دلائل رخسارہ جس شخص کے رخسارے گوشت سے بھرے ہوئے ہوں۔ یہ بیوقوفی اور سخت گوئی کا نشان ہے۔ اور رخساروں کا زرد اور دُبلا ہونا باطن کی پلیدی اور خصلت کی بُرائی کا نشان ہے۔ اور ان نشانوں کا وسط شجاعت کا نشان ہے۔

دلائل آواز باریک آواز بدگمانی اور وہم کا نشان ہے۔ اور معتدل آواز حسن کفایت اور حسن تدبیر کا نشان ہے۔ اور گنگنی آواز حماقت اور تکبر اور کم فہمی کا نشان ہے۔ بات کرنے میں سنبھلنا اور لفظوں کا صحیح بولنا اور بات کرتے وقت ہاتھوں کا ہلانا زیرکی کا نشان ہوتا ہے۔

دلائل گردن چھوٹی گردن مکر اور خباثت کا نشان ہے۔ لمبی اور باریک گردن بیدلی اور حماقت کا نشان ہے۔ اور موٹی گردن بیوقوفی بسیار خواری کا نشان ہے۔ اور متوسط گردن صدق اور عدل اور تدبیر کا نشان ہے۔

دلائل شکم پیٹ کا بڑا ہونا حماقت اور نامردی کا نشان ہے۔ شکم اور سینے کا نرم ہونا رائے کی خوبی اور عقل کی صفائی پر دلالت کرتا ہے۔

دلائل کتف وپشت دونو کاندھوں اور پیٹھ کا چوڑا ہونا بہادری کا نشان ہے۔ گرمی عقل کا نشان ہے۔ اور کندھوں کا پتلا ہونا بدخلقی اور بدمذہبی کا نشان ہے۔ اور ہتھیلی اور انگلیوں کا لمبا ہونا کاموں کی تدبیر اور کاریگریوں کی زیرکی کا نشان ہے۔ اور پنڈلیوں کا موٹا ہونا نادانی اور سخت روئی کا نشان ہے۔

فراست حکمی کا اتنا ہی بیان کر دینا شناخت احوال کیواسطے کافی ہے۔ اس باب میں ایک اور بات جاننے کے لائق ہے۔ حکما، نے جو اوصاف بیان کیئے ہیں یہ اُن عام لوگوں کیواسطے ہیں۔ جنہوں نے اخلاق کے تبدیل کرنے میں کوشش نہ کی ہو۔ اور عام لوگوں کے واسطے ہیں۔ جنہوں نے اخلاق کے تبدیل کرنے میں کوشش نہ کی ہو اور درندوں اور چوپایوں کی صفتوں سے نہ گزر چکے ہوں۔ اور انسانیت کے مرتبے کو نہ پہونچ سکے ہوں۔ اور کسی نے اپنے اوصاف اور اخلاق کو ریاضت سے یا کسی بزرگ کی سمجھانے سے یا علما، کے سکھلانے سے یا پُرانی حکایات پڑھ کر درست کر لیا ہو۔ گو شرارت کے دلائل اُسمیں پائے جائیں۔ اُسکی شرارت پر حکم نہیں لگایا جاتا۔ چنانچہ یونانیوں نے لکھا ہے۔ کہ حکیم الٰہی افلاطون نے ایک پہاڑ پر مسکن بنایا ہوا تھا۔ اور اُس پہاڑ کے آنے جانے کی صرف ایک ہی راہ تھی۔ اور اُس رستے پر ایک نقاش بٹھایا ہوا تھا۔ اور حکم دیا ہوا تھا۔ کہ جو میرے پاس آنا چاہے۔ پہلے اُس کی تصویر اُتار کر میرے پاس لاؤ۔ تاکہ اُسکی شکل کو دیکھکر اُسکا حال معلوم کر لوں۔ اگر وہ میری مجلس کے لائق ہوگا تو بلا لونگا ورنہ نہیں آنے دونگا پس جو حکیم کے پاس آنا چاہتا تھا اسکی تصویر مصوّر اتار کر پیش کرتا۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا مصوّر نے اسکی تصویر اتار کر پیش کی۔ حکیم نے فرمایا۔ یہ میری مجلس کے لائق نہیں ہے۔ جسوقت یہ خبر اسکو ملی۔ حکیم کے نزدیک پیغام بھیجا کہ میرے اخلاق جو آپنے فراست سے معلوم کیئے ہیں۔ سب اسیطرح تھے۔ مگر مینے سب کا علاج کر کے درست کر لیئے ہیں۔ حکیم نے اُسکو بلایا اور اپنی صحبت میں رکھا۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ فراست اور ذہن اور ذکا، پر تمام کاموں کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیئے۔ خدا کے فیض کا بھی امیدوار ہونا چاہیئے۔

ہر دل پاکِ اہل دولت و دیں فیض الہام میرسد ز خدا
در رہ حق غلط نخواہد کرد ہر کہ را نور اوست راہ نما

رعایا کے حقوق دو قسم پر ہیں۔ کیونکہ رعیت دو قسم پر ہوتی ہے۔ یا مومن ہوتے ہیں۔ یا کافر اور اُن کے حقوق کفر اور اسلام کے لحاظ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی رعیت کے بیس حق بادشاہ یا حاکم پر ہیں اور ان حقوق کا ادا کرنا بادشاہ پر فرض ہے۔

حق اول تمام مسلمانوں کے ساتھ متواضع رہے۔ اور حکومت اور ولایت کے خیال سے کسی مسلمان

پر تکبر نہ کرے اور یقین جانے کہ اللہ جلشانہ متکبروں اور جباروں کو بُرا سمجھتا ہے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ جلشانہ نے مجھپر وحی ارسال کی ہے کہ اے محمدؐ اپنی امت کو کہدو عاجزی اختیار کریں۔ کوئی آدمی دوسرے آدمی پر فخر نہ کرے۔ اور رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھی تکبر ہو گا۔ وہ بہشت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

حق دوم عوام الناس کی باتوں کو ایکدوسرے کی نسبت نہ سنے کیونکہ اسکا نتیجہ فتنہ اور ندامت کے علاوہ اور کچھہ نہیں نکلتا۔ خاصکر فاسدوں اور خودغرضوں اور بخیلوں اور لالچیوں کی بات نہ سنے کیونکہ طامع آدمی اپنے ایک لقمے کے واسطے تمام خلقت کو رنج کر دیتا ہے۔ اور حسود تمام لوگوں کے ہنروں کو عیب ہی سمجھتا ہے۔ اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے۔ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لاوے تو اُسپر اچھی طرح سے غور کرو۔ اور کسی شخص کا قول ہے۔ جو دوسروں کے عیب تیرے سامنے لاتا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ تیرے عیبوں کو دوسرے کے پاس لیجاوے گا۔

حکایت کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو ایک شخص کسی مسلمان کی نسبت بدگوئی کرنے لگا۔ آپنے فرمایا میں یہ بات لوگوں سے پوچھوں گا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو سخن چینی کے واسطے تجھے بُرا سمجھونگا اور اگر دروغ ہوگی۔ تو تجھے سزا دینے کے بغیر ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ اگر تو توبہ کرلے تو تجھے معاف کرتا ہوں اُسنے عرض کی کہ یا حضرت مینے توبہ کی۔ محمد بن کعب قرظی سے لوگوں نے پوچھا کہ پادشاہوں کی خصلت سے کونسی بُری خصلت ہے۔ آپنے فرمایا زیادہ کلامی کرنی اور بادشاہی بھیدوں کو عوام الناس میں کہدینا اور ہر ایک کی بات سُن لینی۔

حق سوم اگر کسی قصور کے واسطے بادشاہ غضبناک ہو جائے۔ اور معافی کی گنجایش ہو تو تین دن تک تاخیر کرے۔ مگر بادشاہی غضب اُس کام کی نسبت ہونا چاہیئے۔ جسمیں دین کا نقصان ہو۔ کیونکہ اگر دین کی نقصان کی حالت میں اُسکو تمام عمر بھی الگ کردے تو جائز ہے۔ لیکن دنیاوی امور میں معافی بہتر ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جو شخص اپنے مومن بھائی کا گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالے اُسکے

گناہوں کو قیامت کے دن معاف کر دیگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔ کہ ای یوسفؑ تو نے اپنے بھائیوں کے گناہ معاف کر دیئے ہمنے تیرا نام بلند کر دیا۔

حق چہارم عدل اور احسان کا فیض تمام رعایا پر درجہ مساوات میں رکھے۔ اور احسان کرنے میں اہل اور نا اہل کی تمیز نہ کرے۔ کیونکہ بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ اور خدا کی نعمت کافر اور مومن پر برابر ہے۔ ایسا ہی عدل اور احسان نیک و بد کے لئے مساوات پر ہونا چاہیئے۔ حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایمان کے بعد اچھی عقل وہ ہے۔ جو خلقت کے ساتھ دوستی پیدا کرے۔ اور نیکوں اور بدوں کیساتھ نیکی کرے۔

حق پنجم حکومت اور بادشاہی کے رعب و داب سے مسلمانوں کے گھروں میں بد نظری نہ کرے۔ اور لوگوں کے گھروں میں اُن کی اجازت کے بغیر داخل نہو۔ رسول علیہ السلام باوجودیکہ حکم اور نبوت کی جلالت رکھتے تھے۔ جب کسی مسلمان کے گھر جاتے۔ تین بار دستک دیتے۔ اگر گھر والے اجازت دیتے تو اندر جاتے۔ ورنہ اُلٹے پاؤں چلے جاتے۔ اور کسی قسم کا ربخ نہ فرماتے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگنی چاہیئے۔ پہلی آواز تو گھر والے سنتے ہیں۔ دوسری آواز پر اپنے آپ کو اور جگہ کو درست کرتے ہیں۔ تیسری آواز پر مصلحت کے واسطے اندر آنے کی اجازت دیتے ہیں یا منع کر دیتے ہیں۔

حق ششم خلقت کے مختلف اقسام کے ساتھ ہم معاملہ اور کلام کرنا ہر ایک آدمی کے درجے اور مرتبے کے لحاظ پر ہونا چاہیئے۔ لچوں اور شہدوں سے نرم نرم باتوں کی امید نہ رکھے۔ اور عام لوگوں کی لڑائی جھگڑوں سے فصاحت اور بلاغت نہ تلاش کرے۔ اور جنگلی اور پہاڑی لوگوں سے اشرافوں کی مجلس کے آداب کی امید نہ رکھے۔ اور ہر ایک آدمی کے حالات کو اُسکے اوضاع و طور کے بموجب رکھے۔ اور ہر قوم کو اپنے مرتبہ میں معذور سمجھے۔ اور کسی آدمی کے میل جول سے نفرت نہ کرے حدیث میں ہے کہ داؤد علیہ السلام نے مناجات کی۔ کہ یا اللہ میں کیا کروں کہ خلقت مجھے دوست رکھتی ہے اور میں تیری عبادت سے محروم رہ جاتا ہوں۔ اللہ جلشانہ نے فرمایا۔ کہ خلقت کا میل ملاپ اُنکے عقل کے

انداز سے پرکرو۔ اور اس رابطہ کی رعایت کرو جو میرے اور تیرے درمیان ہے۔

حق ہفتم کہ مجلس میں بوڑہوں کی عزت کرے خصوصًا ان بوڑہوں کی جو دیندار ہوں اور بچوں کو مہربانی کی نظر سے دیکھے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص میری امت کے بوڑہوں کی عزت نہ کرے اور میری امت کے بچوں پر رحم نہ کرے وہ میری امت میں سے ہی نہیں۔ حدیث میں آیا ہے جو نوجوان کسی بوڑہے کی عزت بوڑہاپے کے لحاظ سے کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ اسکی پیری کے زمانہ کیواسطے ایسا جوان پیدا کریگا جو اسکی عزت کرے اس حدیث میں ایک اور بھی نکتہ ہے۔ جو شخص بوڑہوں کی عزت کرتا ہے۔ غالبًا وہ بڑہاپے تک پہنچ جاتا ہے۔

حق ہشتم۔ جب مسلمان کے ساتھ کسی چیز کا وعدہ کرے۔ اسکو پورا کرے۔ اور اسکا برخلاف ہرگز نہ کرے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وعدے کا پورا کرنا بھی فرض ہے۔ آپنے فرمایا ہے۔ منافق کے تین نشان ہیں۔ جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ جب اقرار کرتا ہے تو الٹ کرتا ہے۔ امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اور آثار میں آیا ہے کہ سکندر ذوالقرنین نے بادشاہی تین خصلتوں سے پائی۔ .... جب بات کرتا تھا سچ کہتا تھا۔ جب وعدہ کرتا تھا۔ ایفا کرتا تھا۔ جو مال اسکو ملتا اسیوقت خرچ کرلیتا۔ کل کیواسطے نہ چھوڑتا نہ خزانے میں جمع کرتا۔

حق نہم حکم دینے میں ترش روئی نہ کرے اور امیر اور غریب کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آوے۔ اور ضعیفوں کے ساتھ نہایت نرمی سے بات کرے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ بہشت میں موتیوں سے بالاخانے بنے ہوئے ہیں۔ وہ ایسے شفاف ہیں کہ اندر کی چیز باہر نظر آتی ہے صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ وہ کسکو ملینگے۔ آپنے فرمایا جو اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آتے ہیں اور بھوکوں کو کھانا دیتے ہیں۔ اور جب تمام لوگ سوئے ہوئے ہوں وہ نماز پڑہتے ہیں۔ انکو ملینگے۔

حق دہم زمانہ حکومت میں انصاف کو مدنظر رکھے۔ چنانچہ اپنا انصاف خلقت سے مانگے اور خلقت کا انصاف اپنے نفس سے اور مسلمانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے۔ کہ اگر وہ معاملہ اسکے ساتھ کیا جائے تو ناراض نہ ہو۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ دوزخ سے بچے اور عزت سے بہشت میں داخل ہو۔ خلقت کیساتھ وہ کام کرے کہ اگر اسکے ساتھ کیا جاوے تو اسکو اچھا سمجھے

حق یازدہم مسلمانوں کی باہمی صلح میں جہانتک ہوسکے جلدی کرے۔ اور کھلے کھلے جھگڑوں کے فیصلہ میں دیر نہ کرے۔ ورنہ وہ معاملہ فساد اور عداوت تک پہنچ جائیگا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں تمکو اس کام سے اطلاع دوں۔ جو روزے نماز صدقے سے بہت اچھا ہے۔ آپنے فرمایا۔ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔

حق دوازدہم مسلمانوں کے گناہوں کے اظہار میں کوشش نہ کرے۔ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر رعایا کو نہ ستائے۔ اور خلقت کی کج رائیوں سے حتے الامکان چشم پوشی کرتا ہے۔ اور خلقت کی عیب کو چھپاتا ہی رہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے گناہ یا عیب کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالے اُسکے گناہوں کو قیامت کے دن پوشیدہ کریگا۔ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالے عنہ ایک رات میں گشت لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے گانے بجانے کی آواز سنی۔ گھر کی دیوار پھلانگ کر اوپر چڑہ گئے۔ اور دیکھا۔ کہ ایک شخص اجنبی عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اور شراب کا پیالہ آگے رکھا ہوا ہے۔ اور گا رہا ہے۔ آپنے فرمایا۔ او دشمنِ خدا۔ کیا تو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالے تجھے رسوا نہیں کریگا۔ اُسنے کہا اے امیر المومنین آپ جلدی نہ کیجئے۔ اگر مینے ایک گناہ کیا ہے تو آپنے تین کئے ہیں۔ آپنے فرمایا کسطرح۔ اُسنے کہا اللہ تعالے فرماتا ہے جاسوسی مت کرو۔ سو آپنے جاسوسی کی۔ پھر اللہ تعالے فرماتا ہے کہ گھروں میں دروازوں کے رستہ سے داخل ہو۔ آپ دیوار پھلانگ کر میرے گھر آئے۔ پھر اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ غیر کے گھر میں اجازت لیکر آؤ۔ آپ بلا اجازت ہی آگئے۔ آپنے فرمایا تونے سچ کہا اگر میں تجھکو معاف کردوں تو کیا اُس سے توبہ کرلیگا۔ اُسنے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے اُسکو معاف کردیا۔

حق سیزدہم۔ حاکم یا بادشاہ شہوات اور شبہات کو اختیار کرکے خلقت کو خراب نہ کرے۔ اور شک رفع کرنے کے واسطے تہمت کے موقع سے پرہیز کرے۔ اگر خدانخواستہ اُس سے کوئی بُرا کام ہوجائے۔ تو چھپا رکھے۔ کیونکہ عام لوگوں کی اصلاح اور خرابی بادشاہ کے تابع ہوتی ہے۔ اگر وہ بادشاہ کو سیدھے رستے پر دیکھتے ہیں تو درستی کیطرف مائل ہوتے ہیں۔ اور اُنکا ثواب اسکے دفتر میں لکھا جاتا ہے۔ اگر اُس سے فساد دیکھتے ہیں۔ تو تمام لوگ فسق اور فجور کیطرف جھک جاتے ہیں۔ اور اُن سب کا گناہ

کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔ اور سب کا مجموعہ بادشاہ کے اعمال نامہ پر بھی لکھا جاتا ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے جسنے نیک رسم جاری کی اُسکا ثواب اُسکو بھی ملتا ہے۔ اور جو وہ نیک کام کرتا ہے اُسکا بھی اُسکو ملتا ہے۔ اور جس شخص نے بُری رسم رکھی۔ اُس بدی کا وبال اسکو بھی اور اُسپر عمل کرتا ہے۔ اُسکے دفتر میں لکھدیتے ہیں۔

حق چہاردہم۔ کہ مسلمانوں کی اکثر مشکلات حاکم کی سفارش پر موقوف ہوتی ہیں۔ اور حاکم کی سفارش سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ اس بات سے غفلت نہیں کرنی چاہیئے۔ اور حکومت کی یہ خاصیت ہی۔ کہ بہت سی مشکل کام اُسکی سفارش سے حل ہو جاتے ہیں۔ اس ثواب کی نیکبختی کو غنیمت جاننا چاہیئے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ صدقوں میں سی کوئی صدقہ زبان سی بڑھ کر نہیں ہی۔ اُنہوں نے کہا کسطرح۔ آپنے فرمایا کہ حاکم کی سفارش ہے۔ کیونکہ اسی سفارش سے کئی خون بخشے جاتے ہیں۔ اور دوسروں کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اور بدی دور ہو جاتی ہے۔

حق پانزدہم کہ زبردست اور دولتمند دنیاداروں کے مقابل میں بیچارے غریب کمزوروں کی رعایت کرے۔ اور فقیروں اور اہل اللہ کے ساتھ اکثر ہمنشینی کرے۔ اور اپنے دل کے شیشے کو صلحا کی نصیحتوں سے ایکدفعہ ضرور جلادے۔ کیونکہ حکومت کا زور اور خلقت کا اکثر میل جول دلکو تاریک (سیاہ) کردیتا ہے۔ اور اہل دنیا اور غیروں کی ہمنشینی دل کو دُہندلا کردیتی ہے۔ جب یہ دو تاریکیاں دلپر قائم ہوجاتی ہیں۔ تو ایک بڑا بھاری حجاب بنجاتی ہیں۔ جو ابدی گرفتاری اور حرمان سرمدی کا باعث ہوجاتا ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ یہ بدبخت جو ابدی عذاب کے گرفتار ہو چکے ہیں۔ یہ اُن تاریکیوں کا نتیجہ ہے کہ غفلت کے زنگار اور دنیا کی محبت کے غبار اور غافلان جاہل کی ہمنشینی سے اُنکے دل کے شیشے تاریک اور سیاہ ہوگئے ہیں۔ اور ضد کی اندہیر نے انکے نور ایمان کو باطل کردیا ہے۔ اور بیجا رسموں کی پیروی کے دہوئیں نے انکے دل کی عادتوں کو کالا کوئلہ بنادیا ہے۔ اسواسطے مقام آخرت میں وہ مردود بے نصیبوں اور راندہ بدقسمتوں سی ہو گئے ہیں۔ یہ لقاء کی سعادت تو نہیں حاصل کرینگے اور دار بقا کی نعمتوں کو نہیں چکھینگے۔ حدیث میں ہے کہ تم مُردوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ مردے کون ہیں۔ آپنے فرمایا دولتمند۔ کسی کا قول ہے۔

ہمرزہ متاع دنیادار را ۔۔۔ تاچہ خواہی کرداین مردار را

مرد گانند اغنیائی روزگار ای بسیر با مرد گان صحبت مدار

حدیث میں آیا ہے جب سلیمان علیہ السلام کچہری برخاست کرتے تو مسجد اقصےٰ میں آتے جس کونے میں کوئی مسکین بیٹھا ہوا ہوتا تھا۔ اُسکے ساتھ جا کر بیٹھتے۔ اور یہ فرماتے کہ غریب غریب کے ساتھ بیٹھا کرتے ہیں (مَا لِلغَرِیبِ سِوَی الغَرِیبِ اَنِیسٌ)

حق شانزدہم اہل فاقہ کے حالات سے غافل نہو۔ اور کمزوروں اور عاجزوں کے فاقہ روکنے میں غفلت نہ کرے۔ اور یتیموں اور بیواؤں کی دلجوئی کو اپنے آپ پر فرض سمجھے اور قیامت کی پکڑ دھکڑ سے اندیشہ کرے۔ اور جسدن مال اور ملک کام نہیں آوینگے۔ اُسکو یاد رکھے۔ اور یہ مستحق حاکم سے اپنے حقوق مانگینگے۔ چونکہ آج وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اس جگہ وہ اپنی خلاصی کرالے۔

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو حاضر کرینگے۔ اللہ جلشانہ حکم دینگے۔ کہ اے میرے بندے۔ کہ مینے دنیا میں تجھہ سے کھانا اور کپڑا مانگا تھا تو نے نہ دیا۔ وہ عرض کریگا۔ یا اللہ مجھے یہ سمجھہ نہیں آتی۔ اللہ جلشانہ فرماوینگے۔ کہ تیرے پڑوس میں ایک بھوکا اور ننگا رہتا تھا۔ تو نے اُسکے حال کیطرف توجہ ہی نہیں کی۔ ہمیں اپنی جلالیت اور جمالیت کی قسم ہے۔ کہ آج ہم تجھے محروم کرتے ہیں۔ جیسا کہ تو نے اُسکو کیا

حق ہفتدہم مسلمانوں کے رستے بادشاہی سیاست سے چوروں اور راہگیروں کے خوف سے صاف کرے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو رستے میں تکلیف پہنچاوے۔ اسکو تلاش کرکے ضرور سزا دے۔ تا کہ دوسروں کی عبرت ہووے۔ اور رستے میں جہاں کہیں خوف کی جگہہ ہو وہاں عمارت بنواوے۔ اگر عمارت بنوانے کی گنجایش نہ ہو۔ نگہبان مقرر کرے۔ آثار میں آیا ہے جس حاکم کی ہمت ادہر مصروف ہوتی ہے۔ کہ مسلمانوں کے رستے کو چوروں اور راہگیروں سے صاف کرے۔ جب وہ سوتا ہے تو تلوار اُسکے واسطے مغفرت مانگتی ہے۔ اور جو ادہر توجہ نہیں کرتا اور غفلت اور بے پرواہی سے کام لیتا ہے۔ اُسکی تلوار اسپر لعنت کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوذر کو بلا کر فرمایا۔ کہ اے اباذر لوگ تو مجھے خلیفہ کہتے ہیں۔ تیری کیا رائے ہے اُسنے جواب دیا۔ کہ اگر دریائے فرات کے کنارے پر کسی بکری کا بچہ ضائع ہو جائے۔ اور تجھے اسکی خبر نہ ہو۔ تو تجھے خلیفہ نہ کہینگے۔

حق ہشردہم۔ کہ ولایت میں جسجگہہ سرائے یا پُل کی ضرورت ہو۔ اُنکے بنانے میں بہت جلدی خیال کرے بالکل غفلت نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص رستے پر پُل اس غرض سے بناتا ہے کہ مسلمان اس سے آرام سفر کریں۔ اللہ تعالیٰ اُسپر پلصراط کا گزرنا آسان کردیگا۔

حق نوزدہم۔ مسلمانوں کے ہر ایک شہر میں مسجد بنوائے اور امام اور مؤذن کو مقرر کرے اور اُنکے گزارے کے وظائف مہیا کرے۔ تاکہ وہ فارغ البالی سے نماز ادا کریں۔ اور خوراک کی تلاش میں اسکام پر مستقل رہنا اُن کو مشکل معلوم نہ ہو۔ کیونکہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کیواسطے مسجد بناتا ہے۔ خدا تعالےٰ اسکے واسطے بہشت میں گھر بنا دیتا ہے۔

حق بیستم امر معروف اور نہی منکر کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور نصیحت دینی کو خاص و عام سے دریغ نہ کرے۔ اور اپنے ملک کی رعیت کو حکم دے کہ اللہ تعالےٰ کی بندگی کرو۔ اور معاصی اور مناہی سے سیاست کے ساتھ منع کرے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جو شخص تم سے کوئی منکر دیکھے جو شریعت کے برخلاف ہو پہلے تو چاہیئے کہ اسکو اپنے ہاتھ سے دور کردے۔ یہ مرتبہ بادشاہوں اور حاکموں پر واجب ہے۔ اگر تم ہاتھ سے منع نہیں کرسکتے۔ تو زبان سے تو منع کرو اگر زبان سے بھی منع نہیں کرسکتے۔ تو اسکو دل سے بُرا سمجھو یہ مرتبہ عام ضعیفوں کا ہے۔ پس رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہاتھ اور زبان سے منع نہیں کرسکتا۔ اور دلمیں بھی دشمن نہیں رکھتا۔ اُسکو مسلمانی کے ساتھ کیا کام ہے۔ ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے تین دفعہ فرمایا ہے کہ دین نصیحت ہے۔ اور نصیحت کرنا واجب ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کسپر۔ آپنے فرمایا۔ پہلے خدا کی اطاعت کیلیئے اور خدا تعالےٰ کی کتاب کی فرمانبرداری کیلیئے چاہیئے۔ بادشاہوں پر تو فرض ہے اور عام لوگوں پر واجب ہے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ کسی رعیت کا حاکم بناتا ہے۔ اور وہ اُنکو

اللہ تعالٰی کی عبادت کیطرف متوجہ نہیں کرتا۔ اور اُن کی بہتری کیطرف کوشش نہیں کرتا۔ وہ بہشت کی بو نہیں سونگھے گا۔ جتنے یہ حقوق ہمنے بیان کئے ہیں۔ مسلمان رعایا کے لیئے ہیں۔ لیکن جو رعیت کافر یا ذمی ہو۔ انکے حکم اور ہی ہیں۔ اُن کے رعایت کرنے میں بھی شرطیں ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجوس اور اہل کتاب کے عہد نامہ میں لکھا ہے۔ اور ذمیوں کو ان شرائط پر اعلان دیا ہے۔ پس ہر ولایت کے والی اور حاکم پر واجب ہے۔ کہ اپنی ولایت کے ذمیوں کو اِن شرائط پر مجبور کرے اور اُن کے جان و مال کی حفاظت اِن شرائط کے متعلق رکھے۔ اور وہ بیس شرطیں ہیں۔

(۱) جس علاقہ کا حاکم مسلمان ہو۔ اُس ولایت میں نیا بتخانہ اور گرجا نہ بنایا جاوے۔

(۲) جو اُن کی پرانی عمارت ویران ہو جائے۔ نئی نہ بنائیں۔

(۳) اگر مسلمان مسافر اُن کے بت خانوں میں اتارا کریں۔ تو انکو منع نکریں۔

(۴) اگر مسلمان اُنکی منزلوں میں اُتریں۔ اور انکو تین دن تک وہاں رہنا پڑے اُنکے کھانا کھلانے میں کوتاہی نہ کریں۔

(۵) اسلامی ولایت میں جاسوس نہ بنیں۔ اور جاسوسی نہ کرنے پائیں۔ اور کسی جاسوس کو رہنے نہ دیں

(۶) اگر اُنکے رشتے دار اسلام کی خواہش کریں۔ تو وہ اُنکو منع نہ کریں۔

(۷) مسلمانوں کی عزت رکھیں۔

(۸) جب وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ اور مسلمان آجائیں تو مجلس میں اُنکے ساتھ بیٹھیں نہیں

(۹) مسلمانوں کے لباس کی مشابہت نہ کریں۔

(۱۰) مسلمانوں کے ناموں کیطرح اپنے بچوں کے نام نہ رکھیں۔

(۱۱) گھوڑے پر زین ڈال کر اور لگام دیکر سوار نہ ہونے پائیں۔

(۱۲) تلوار اور تیر ہاتھ میں نہ رکھیں۔

(۱۳) انگوٹھی نگینہ والی جسمیں نام کندہ کیا گیا ہو۔ نہ پہنیں۔

(۱۴) نہ شراب فروخت کریں نہ ظاہر ہو کر پئیں۔

(۱۵) مشرکوں کے عادات و رسوم کو مسلمانوں کے درمیان ظاہر نہ کریں۔

(۱۶) جاہلیت کے زمانے کے لباس کو ترک نہ کریں۔ تاکہ وہ پہچانے جائیں۔

(۱۷) مسلمانوں کے پڑوس میں اپنا گھر نہ بنائیں۔

(۱۸) اپنے مردوں کو مسلمانوں کے گورستان میں نہ لے جائیں۔ اور نہ ہی دفن کریں۔

(۱۹) اپنے مردوں کے ماتم میں رونے کی آواز بلند نہ نکالیں۔

(۲۰) مسلمانوں غلاموں کو نہ خریدیں۔ یعنے وہ غلام نہ خریدیں جو مسلمان ہوں۔

اور عہدنامہ کے بعد یہ بھی لکھا تھا۔ اگر ان شرطوں کی وہ مخالفت کریں تو پھر اُن کو امان نہیں ملیگا۔ اور لڑائی کرنے والے کافروں کے مال اور خون کیطرح انکا مال اور خون بھی مسلمانوں پر حلال ہوگا۔

باب ششم

یہ باب سلطنتِ معنوی کی شرع اور خلافتِ انسانی کے اسرار اور سیاستِ روحانی کی کیفیت اور مملکتِ جسمانی کی صلاح اور فساد کی اطلاع اور ولایتِ حسی کے پھیر پھار کی مشابہت اور خلافتِ نفسی کے اسرار مقادیر میں ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ کہ وہ خداوند ایسا پاک ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو بدن کی مملکت میں خلیفہ بنادیا اور جوکچھہ مملکتِ مجازی کے اسباب ہیں دنیا میں پیدا کیا۔ اُسکا نمونہ تمہارے وجود کے شہر میں بھی تیار کردیا۔ جس شخص نے اس نعمت کی ناشکری میں کوشش کی اور اس دولت کے آفتاب کو جہالت اور غفلت کی گودڑی میں ڈھانپا۔ کفر کا وبال آخر اُسکی طرف پھرتا ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ تم میں ہر ایک آدمی اپنے وجود کے شہر کا بادشاہ اور

حاکم ہے۔ اور تم میں سے ہر ایک اپنے وجود کی بادشاہی کی رعیت سے پوچھا جاویگا۔

ایعزیز جاننا چاہیئے۔ کہ آدمی کا وجود آفرینش کا نسخہ ہے۔ اسیواسطے حکیم اسکو عالم صغیر کہتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالٰے نے زمین سے عرش تک پیدا کیا ہے۔ اُسکی مثال انسان کی وجود میں موجود ہے۔ بلکہ جو چیز زمین اور آسمان اور عرش اور فرش میں نہیں سماسکتی۔ وہ انسان کے دل میں سماسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں۔ ہماری معرفت اور معیت کے اسرار کی عظمت زمین اور آسمان میں نہیں سماتے لیکن مومن پاک کے دل میں سماجاتے ہیں۔ پس وجود انسانی کی مملکت اگرچہ بظاہر عالم صغیر ہے۔ لیکن درحقیقت ان لحاظوں سے عالم کبیر ہے۔ انسان کامل کی شرح صدری کا بیان اور روح قدسی کے اسرار کی جلالت جو اس جہان کا خلیفہ اور بادشاہ ہے اس چھوٹی سی کتاب میں ہم بیان نہیں کرسکتے۔ کیونکہ جس کا غذ اور قلم اور دوات سے ہم اُسکی قدرتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سب اُسی محیط کے مرکز میں ہیں۔ لیکن ہماری غرض اس باب میں صرف اتنی ہے کہ سلطنت صوری اور معنوی کے بیان کو ظاہر کریں۔

جاننا چاہیئے کہ ہر ایک شخص کا محدود ولایت میں بادشاہی کرنا اس باب کے تیار کرنے اور ارکانِ دولت اور وزیر اور نائب اور منشی اور کوتوال اور قاصد اور کاردار اور قاضی اور عامل کی موجودگی کے سوا حاصل نہیں ہوسکتا۔ تو کسطرح ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ بدن کی مملکت میں روح قدسی کا بادشاہی کرنا (جسکی سعادت اور شقاوت کے آثار ابدی اور باقی ہیں) اسباب اور مددگاروں کے بغیر ممکن ہوسکے۔ سعادت ابدی کے طالب کو ضروری ہے۔ کہ ان سب باتوں کے حقائق اور ہر ایک کی اصلاح فساد کی کیفیت اچھیطرح سے جانے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ملک کا مالک جبتک مصلحوں کی نصیحت اور مفسدوں کے مکر کو تمیز نہ کرلے۔ وہ اپنی مملکت کو دشمن کے فتنہ اور فساد سے بچا نہیں سکتا۔ پس ان معنوں کے ظاہر کرنے کے واسطے قوائے حیوانی اور روحانی کے ہر ایک قسم کی حقیقت مددگاروں کے منزلہ میں ہے۔ اور ہاتھ پاؤں کی کیفیت کہ دیواروں کے منزلے پر ہیں اور انسانی روح کے خلیفے ہیں۔ موقع موقع پر اشارت کی جائے گی انشاء اللہ جل جلالہ۔

ایعزیز! اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ تجھے اسرار اور خفیات کے جاننے کی سمجھ عطا کرے۔ اور تجھکو صالحین اور عارفین کے (گروہ) اخیار میں ملاوے) جاننا چاہیے۔ کہ جب اللہ تعالےٰ نے روح انسانی کے لطیفے کو جسکو ہم اسرار ربانی کہہ سکتے ہیں۔ بدن خاکی کی ولایت میں حاکم اور خلیفہ بنایا۔ تو اس خلیفے کے رہنے کی جگہ اس ملک کے عین درمیان مقرر کی یہ بات اُن لوگوں کے خیال پر لکھی گئی ہے۔ جو اسکو متحیز کہتے ہیں۔ یا اس خیال پر کہ اُسکے امر و نہی اور اُسکے احکام کا اجرا وہاں سے ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اسکو غیر متحیز کہتے ہیں اُس مقام میں اختلاف ہے اور تنبیہ شرعی کے رو سے وہ دل کا مقام ہے۔ چنانچہ رسول علیہ السلام کی شہادت اس امر پر ناطق ہے۔ کہ آپنے فرمایا ہے کہ اللہ تمہاری صورتوں اور اعمالوں کیطرف نہیں دیکھیگا۔ لیکن تمہارے دلوں اور نیتوں کیطرف دیکھیگا۔ یہ ضروری بات ہے کہ اصل بادشاہ کو اپنے خلیفے کے مقبوضہ مکانات کا ہمیشہ خیال رہتا ہے۔ اور حدیث میں جو لفظ دل کا آیا ہے۔ اسمیں اُس گوشت کے لوتھڑے سے مراد نہیں جو پہلوئے چپ میں ہے۔ کیونکہ وہ تمام حیوانات یعنی گدہوں اور کتوں کا بھی ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں مراد دل سے ایک دل کا لطیفہ ہے۔ جو کہ دل ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ لطیفہ ملک اور ملکوت کے بھیدوں کا جامع ہے۔ اور غیب اور شہادت کی خبروں کا حال ہوتا ہے۔ ہاں اتنا ہے۔ کہ یہ گوشت کا لوتھڑا جسکو ہم دل کہتے ہیں۔ اُس لطیفے کے تصرف اور پیدائش کا مقام ہے۔

ایعزیز یہ لطیفہ نفس اور روح ناطقہ کے نکاح سے پیدا ہوا ہے۔ اسلیئے اُسکو مادر نفس کی مشاکلت عارضی کیوسطے ماں کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور باپ روح کے ساتھ اصلی محبت کیواسطے محبت ہے۔ جب اُس لطیفے کی توجہ روح قدسی کیطرف ہو جاتی ہے۔ تو روحانی نوروں کے جھونکے اور اسرار ربانی کی لپٹیں اُسکی حقیقت کو منور اور معطر کر دیتی ہیں۔ اور اُس حالت میں وہ لطیفہ روحانی تعلقات اور احکام کو اچھیطرح قبول کرتا ہے۔ اور ان معانی کے آثار اعضا اور جوارح پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور مملکت حسی کے نوکروں کے تمام کام درست ہو جاتے ہیں۔ جب اُسکا جھکاو مادر نفس کیطرف ہو جاتا ہے حیوانی قوئے کے اندھیرے اور نفسانی خواہشات کی تاریکیاں اُسکی استعداد کے شیشے کو دھندلا کر دیتی ہیں۔ تاکہ ان گندے پردوں سے قابلیت کی صفائی اُس سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور روحانی انوار

دل کا مقام اور اسکی اصل

کی فیاضانہ بارش سے وہ بالکل خالی رہ جاتا ہے۔ اور سری اور روحی فوائد کو اُلٹا سمجھنے لگتا ہے۔ اور اُنکی
کجی کا اثر بدن کی رعایا پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور بدن کے جوارح اور عضائے تمام اعمالوں کے کام ابتر
ہو جاتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس تن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست
ہو جاتا ہے۔ تمام بدن درست ہو جاتا ہے۔ جب وہ بگڑ جاتا ہے۔ تمام تن ہی بگڑ جاتا ہے۔ اور اُسکو دل کہتے
ہیں۔ اور جسطرح بادشاہ کی مملکت اپنی درست رائے اور عقلمند وزیر کی تدبیر کے بغیر انتظام نہیں پاتی
اور بادشاہ کو فرمانروائی میں تدبیر وزیر کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ اسیطرح روح کے خلیفے کو (جو بدن
کی بادشاہی ہیں وزیر ہے عقل کہتے ہیں۔ اور وہی عقل دولت ابدی کے اسباب کا حاصل کرنے والا
اور نعیم سرمدی کے امور کا تدبیر کرنے والا ہے۔ اللہ جلشانہ نے بدن کی بادشاہی اسکے رہنے کیواسطے
ایک بڑا اونچا مقام مقرر کیا ہے جسکو دماغ کہتے ہیں۔ جب عالم شہود اور عالم حسی کے موجودات
کے واسطے اقسام پانچ طرح کے ہیں۔ یعنی دیکھنا۔ سننا۔ سونگھنا۔ ٹٹولنا۔ چکھنا۔ اور عرش سے لیکر
تحت فرش تک جو کچھ ہے۔ ان پانچ قسموں سے باہر نہیں ہے۔ اسلیئے اُس ذاتِ عالی کی حکمت نے
دماغ کے محل میں پانچ جھروکے بنائے تاکہ عقل کا وزیر ان جھروکوں میں سے ہر ایک جھروکے سے ولایت
کے بھیدوں پر جو انہی پانچ قسموں سے ہے معلوم کرتا رہے۔ اور تمام ولایت کے حال پر آگاہی
پاتا رہے۔ جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کا ایک خاص عامل ہوتا ہے۔ وہ اُس ولایت کے مال کو جمع کرتا ہے
اور بادشاہی خزانے کو پُر کرتا رہتا ہے۔ اسیطرح روح قدسی کے خلیفے کے بھی پانچ خاص ملازم ہیں۔
جنکو عالم حسی کی ولایت پر ایک ایک کو مقرر کیا ہے۔ اور ا
اُس عالم کا انتظام اُس کے سپرد کیا ہے۔
ہے۔ اور ان پانچ ولایتوں میں سے ایک ایک ولایت لاانتہا عالم ہے۔ کہ اُس عالم کے حاصل شدہ عجائبات
اور غرائبات انتہا پذیر نہیں۔ پس حقیقت میں ان نوکروں میں سے ہر ایک نوکر عالم بے نہایت کا بادشاہ ہی
اور حس مشترک جو دماغ کے آستان کا سنتری ہے آستان پانچ نوکروں پر حاکم کیا گیا ہے۔ اُسکا یہ کام ہی
کہ ان عالموں کے تمام حالات اور اخبارات اُسکی کچہری میں پہنچاتا رہے۔ اور جو کچھ وہ لاویں لیکر خیال

کے خزانے میں جو دماغ کا دوسرا مقام ہے۔ جمع کرتا رہے۔ اور دماغ کی دہلیز سے تیسری درجہ پر قوت حافظہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اور اُس بارگاہ کی امین ہے اُسکا یہ کام ہے، کہ خیال کے خزانے میں جو کچھ ڈالا گیا ہے حفظ کی قوت سے زوال اور نسیان کی آفت سے اُسکو بچاتا رہے۔ اور دماغ چوتھی منزل جسکو قوت ذاکرہ کہتے ہیں وزیر عقل کی کچہری کی حاجب ہے۔ اُسکا یہ کام ہے کہ جو کچھ حافظے کے قابو میں آگیا ہے اُسکو وزیر عقل کے پیش کرتی ہے۔ پھر عقل کا وزیر عدل کے قاضی کے سامنے لیجاتا ہے۔ اُسکا یہ کام ہوتا ہے کہ جو کچھ وزیر عقل ہدایت اور عقلمندی کے ترازو میں رکھتا ہے۔ نہایت تعمق کی نظر سے کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دیتا ہے۔ اور اعمال مقبولہ کی صفائی کو افعال مردودہ کی سیاہی سے صاف کر دیتا ہے۔ اور اُسکا خلاصہ لیکر اخلاص کی کشتی میں رکھکر خلیفہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ پس بزرگوار روح کا خلیفہ اُن اعمال کے ہدایا کو اللہ پاک کی بارگاہ عالیہ میں پیش کرتا ہے۔ جب وہ قبولیت کے محل میں قبول ہو جاتا ہے۔ تو غیب کے خزانے کے خازن کہ اس اعمال کے نگہبان ہیں۔ اُس تحفہ مقبولہ کو قبض کر لیتے ہیں اور خزانہ قدیمی میں جو نامعلوم ہے۔ امانت رکھدیتے ہیں۔ جو قیامت کے دن عامل کی بہبودی اور نجات کا باعث ہوگا۔

اے عزیز۔ جو کام نیک کام بندے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ابتدا سے لیکر قبولیت کی محل کے پہنچنے تک عالم غیب اور شہادت کے دس کمروں سے گذرتے ہیں۔ اور ہر ایک کمرے سے عبور کرنے کے وقت ایک مقرب فرشتے کے قبضہ میں جو اُس کمرے کا حاکم اور بادشاہ ہوتا ہے آتا ہے۔ اور اُس کمرے کے رنگ سے رنگا جاتا ہے۔ اور اُن احکام کے آثار سے ایک صفت پیدا کرتا ہے۔ اور اُن صفتوں کے باعث اُسکا ایک نام رکھا جاتا ہے۔ ان معانی کی شرح مختصر طور پر اسطرح ہے کہ اعمال کے حقائق جب تک حواس خمسہ کی ولایت میں ہیں۔ مثلاً دیکھنا سننا۔ چکھنا۔ بولنا۔ سونگھنا۔ ان کو **متفرقات** کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ پانچوں قوے اپنے عالم کی خبر کے پانے والے ہیں۔ ایکدوسرے کا کام نہیں کر سکتے۔ بعض اہل تحقیق کے نزدیک یہ قوتیں ملکوت سفلی سے ہیں۔ اور ملائکہ کا یہ کام ہے کہ جس کام کے لیئے پیدا کیا ہے۔ سوائے اُسکے نہ جانتے ہیں نہ کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے آنکھ کا کام کان۔ اور کان کا کام آنکھ نہیں کر سکتی۔ اور اللہ کا یہ فرمان کہ ہمارا کوئی

فرشتہ نہیں ہے جسکا مقام معلوم نہیں ہے۔ جب حواس کے موکل اپنے کاموں سے فارغ ہو جاتے ہیں وہ سب کے سب اپنے حاصل کردہ کو حس مشترک کی حوالے کر دیتے ہیں، اور دنیا میں اُسکو محسوسات کہتے ہیں۔ اور اسکو حس مشترک اسلیئے کہتے ہیں۔ کہ یہ حس پانچ حواسوں کے لینے میں شریک ہے۔ جب حس مشترک کے لینے سے خیال کا خزانہ پر ہو گیا۔ اُنکو متخیلات کہتے ہیں، اور یہ دونو عالم برزخ کے دو فرشتے ہیں۔ کیونکہ وہ عالم غیب اور شہادت کا درمیانی واسطہ ہے۔ جب قوت حافظہ اِن کاموں کو خیال کے خزانے میں ضبط کر لیتی ہے۔ اُسکو محفوظات کہتے ہیں۔ اور جب قوت ذاکرہ اُنکو وزیر عقل کے دربار میں پیش کرتی ہے۔ اسکو مذکورات کہتے ہیں اور جب وزیر عقل کے قبضہ میں آجاتی ہے۔ اُسکو معقولات کہتے ہیں۔ جب عدل کا قاضی اُنکو اعمال باطلہ سے جدا کر دیتا ہے۔ اُسے فراکیات کہتے ہیں۔ یہ چاروں فرشتے علوی ملکوت ہیں۔ بعد ازاں پاک صاف اعمال وزیر عقل کے دربار سے نکلکر خلیفہ روح کے دربار میں پیش ہوتے ہیں اُسکو روحانیات کہتے ہیں۔ بعد ازاں وہ اعمال ملائکہ کرام کی بارگاہ میں جاتے ہیں بعد ازاں وہ اعمال خدا کے خزانہ غیب میں داخل کیئے جاتے ہیں۔ اُنکو اسرار کہتے ہیں ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔ یہ ترقی جو ہمنے بیان کی ہے اُن اعمال میں ہوتی ہے۔ جو اعمال بندہ اور خدا کے درمیان ہوتے ہیں۔ اور اسمیں غیر کا حق نہیں ہوتا۔ اگر وہ اعمال ہوں جنمیں عباد کا حق ہے۔ یا جنمیں غیر کا ظلم ملا ہوا ہے۔ اُنکو خزانہ خیال میں جسکو فلک اثیری کہتے ہیں محبوس ہو جاتے ہیں اور ملکوت کے دروازے اُنپر بند ہو جاتے ہیں اور ترقی کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں کہ اُنکے واسطے آسمانوں کے دروازے نہیں کھُلتے۔ اور وہ بہشت میں داخل نہ ہونگے تا وقتیکہ اونٹ سوی کے ناکے سے پار نہ گذر جائے۔ یہ جو ہمنے بیان کیا ہے اعمال کے بارہ میں ہے لیکن علوم کا حکم کچھ اور ہی ہے۔ کیونکہ علم تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو اُن معلومات کا تعلق عالم سفلی سے ہوتا ہے جسکو عالم ناسوت کہتے ہیں یا لطائف ملکوتی سے متعلق ہوتا ہے۔ جسکو عالم ملکوت کہتے ہیں یا وہ علم صفات اور ذات کے متعلق ہوتا ہے اسکو عالم لاہوت کہتے ہیں۔ اور ان معلومات سے ہر ایک قسم اپنے معلومات تک منتہی ہوتا ہے۔ لیکن طرفہ یہ معاملہ ہے کہ علم متفرقات یعنے عالم حسی کو عالم ملکوت کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہر علم اپنے معلومات میں مقید ہے۔ اور ہر علم کی ترقی لطائف ملکوتی کے علموں سے

علوی منازل میں ہر مرتبہ حقیقت اس معلوم کے منتہی ہوتی ہے۔ مگر اللہ کا علم کہ کوئی مرتبہ اسکے مراتب سے
اعلے نہیں ہی۔ خواہ علویات سی ہو یا سفلیات سی اسکے عروج کا مانع نہیں ہوسکتا۔ اور اسکا صعود حضرت کبریائی
کی جناب کی سوا اور کہیں ختم نہیں ہی۔ اسکی وجہ یہ ہی کہ علم ملکی اور ملکوتی کے تمام کلیات اور جزئیات حدوث
اور امکان کے شائبہ سے خالی نہیں ہیں۔ اور جبتک علم شوائب اور نقائص سے پاک نہ ہو۔ جناب قدوس
میں وصل نہیں ہوسکتا۔ اور جب ہر عالم اپنے مرتبہ میں مقید ہے۔ پس اللہ جلشانہ کی صفات اور ذات کا
علم اسرار۔ کہ شوائب اور حدوث سی پاک اور نقائص اور مکان سی مبرا ہے۔ اس عالم کو جو اسکا مصدر
ہے۔ اپنی صفت سی موصوف کیا۔ اور تقید کے ادنے درجات پہونچا دیا لا یستوی الاعمی والبصیر
ولا الظلمت ولا النور ولا الظل ولا الحرور۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ۰
انما یتذکر اولوا الالباب۔ اسیواسطے یحیی بن معاذ رازی نے فرمایا ہے۔ کہ جسطرح کا نور ہے۔ اسیطرح شرک کی نار
ہے توحید کا نور موحد کے نقصوں کو جلاتا ہے۔ اور شرک کی آگ مشرک کے نیک صفات کو جلادیتی ہے
خلیفہ روح انسانی کے پیدا کرنے کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس علم کو حاصل کریں اور آدمی کی پیدایش سی اس علم
کے حاصل کرنے کی مراد ہے۔ اور توریت میں آیا ہے۔ کہ اے فرزند تمام موجودات کو تیری خاطر پیدا کیا اور تجھے
خاصکر اپنی خاطر۔ تاکہ عرش اور فرش اور جوکچھ انکے اندر ہے تیرے خادم ہوں اور تو ہماری درگاہ کا
ملازم ہے۔ اور ہماری محبت کی دولتخانے کا دروازہ کھٹکھٹائے اور ہماری کچہری کی معرفت کی
خلعت کے پہننے کی کوشش کرے۔ اور جوکچھ ہمنے اپنے واسطے پیدا کیا ہے۔ اسکو اپنی طرف خرچ نہ کر
اور عمر کے جوہر شریف کو فانی ردی اسباب کے حاصل کرنے میں ضائع نہ کر۔ اور اپنی پاک اور برگزیدہ لیاقت
کو غیریت کے سیاہ غبار سے بچاتا رہ اور روح پاک کے دامن ہمت کو (جو عالم ملکوت کا خلیفہ ہے) دنیا کے
گندے اور بدبو مردار سے آلودہ نہ کر۔ اور دل کی شیشہ کو نفسانی خواہشات کے غبار سے دہندلا نہ کر
اور بصیرت کی آنکھ کو ہمارے جمال کے مشاہدہ سے محروم نہ رکھ۔ اور نفس کے دہوکہ اور فریب کا لٹو نہ بن
اور ہمارے دشمنوں کی دوستی کی محبت کے پٹکے کو جان کی کمر نہ باندہ اور غفلت کے خوفناک جنگل میں
آوارہ نہ پھر۔ اور جدائی کی آگ کی بھڑک کا خیال رکھ۔

کعب الاحبار سے روایت ہے۔ کہ اللہ جلشانہ توریت میں فرماتے ہیں کہ اے فرزند آدم۔ جو کچھ ہمنے تیری قسمت میں کیا۔ اگر تو اسپر راضی ہو جاوے۔ تو ہم روح اور رحمت کے دروازے تیرے دل اور آنکھ پر کھولدیتے ہیں۔ اور تجھے اپنی بارگاہ کے مقبولوں سے بنالیتے ہیں۔ اگر تو ہماری تقسیم پر راضی نہ ہوگا تو ہم روزگار کے حوادثات تجھپر مسلط کرینگے۔ تاکہ گم ہونے کے چمکاروں کے غلبہ کے خوف اور دنیا کے فریبوں کے راہ گذروں میں حرص کی آگ کے درد سے تو تڑپے جیساکہ وحشی جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خسران کی مذمت کا داغ اور جدائی کی بدبختی کی رقم تیرے روزگار کی پیشانی پر ہم کھینچینگے پھر فرمایا۔ کہ ہمیں اپنی عزت اور جلالیت کی قسم ہے کہ باوجود اس دوڑ دھوپ کے اور بداعمالی کے دنیا کی لذات کو حاصل نہ کرسکیگا۔ مگر اتنا ہی جتنا ہمنے تمہاری قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ یاد رکھو کہ عالم اجسام ظل ہے عالم ارواح کا۔ اور محبوبات حِسّی۔ محبوبات عقلی کے ظل ہیں۔ عکس کے وسیلہ سے وجودی جلوہ اس عالم دنیا پر آنکھوں میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ اللہ جلشانہ کا خطاب اُس ہی خبر دیتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا۔ آپنے فرمایا کہ اے محمد تو اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتا کہ دنیا کے نظر آنے والے سایے کو اس عالم ممکن الوجود پر کسطرح بچھا دیا۔ اور وجودی بارش کے قطرے استعداد اور قابلیت کی زمین پر برسائے۔ اور عالم محسوسات اور معقولات کے مدارج اور مطالع کو خواہشات نفسانی کا محرک بنا دیا۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو خزانہ غیب میں ٹھیرا دیتا۔ اور عدم کی پردہ میں اپنی قدرت سی چھپائے رکھتا۔ لیکن اس حکیم کامل کی حکمت نے یہ چاہا۔ کہ مظاہر ارادت کے اعیان غیب اور شہود کے عالم میں ہمیشہ سیر اور سلوک میں رہیں۔ ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن۔ جب تونے معلوم کیا کہ امور شہودیہ حقائق علمی کے ظل ہیں۔ اور سایہ کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب تو اسکے پیچھے پیچھے چلے ہرچند اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے ایک قدم سے زیادہ پاؤں کے نیچے نہیں آسکتا۔ اگر تو اُس سے منہہ پھیر لے جتنا تو اوس سے دور ہوگا۔ اُتنا ہی تیرے قدم کے نیچے آتا جائیگا۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ جلشانہ نے رسول علیہ السلام کو خطاب فرمایا۔ کہ اے دنیا جو شخص ہماری درگاہ کی خدمت کرے تو اسکی خادمہ بن۔ اور جو میرے ہی خدمت کرے تو اسکو ہمیشہ

ستاتی رہ۔

اے عزیز جاں لے بخشش کا جوہر وجود کے خزانے کی کنجی ہے۔ جس چیز نے وجود کے میدان میں ہستی کی خلعت نہیں پہنی۔ وہ سب کا سب بخشش کی سلطنت کا ہی نشان ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے اگر ہماری بخشش کا دریا موجزن نہ ہوتا۔ کوئی تم سے وجود کی خلعت نہ پاتا۔ اگر ہماری بخشش تمہارے وجود کی مددگاری نہ کرتی۔ اور ہماری بخشش کے قطرات تمہاری مٹی پر نہ برستے۔ کوئی آدمی بھی حسن اخلاق کی سعادت سے مشرف نہ ہوتا۔ جب خلافت اور سلطنت کا مرتبہ خدا کا ظل ہے۔ پس یہ صفتیں بادشاہ یا خلیفہ میں ضرور ہونی چاہئیں۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو جاننا چاہیئے۔ کہ دنیا کے بادشاہ اور خلیفے چار حال سے خالی نہیں ہوتے۔ کیونکہ بادشاہ یا تو اپنے نفس کے حق میں بخیل ہوتا ہے۔ اور رعایا کے حق میں بھی یا دونو طرف کا سخی ہوتا ہے۔ یا رعیت کے حق میں بخیل ہوتا ہے۔ اور اپنے حق میں سخی ہوتا ہے۔ یا رعیت کے حق میں سخی ہوتا ہے۔ اور اپنے حق میں بخیل ہوتا ہے اچھا بادشاہ اور خلیفہ وہ ہے۔ کہ اُسکی سخاوت اور احسان کے نشانات دونو طرف ہی ہوں اور جو اسکے برعکس ہو۔ وہ بہت ہی برا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ ہماری خداوندی کی صفت کرم اور احسان ہے۔ جو شخص اپنی ہمت کے دامن کو نجاست اور خست کی آلودگی سے آلودہ کرلیتا ہے۔ ہماری بارگاہ کے لطف کے ہما کے سایہ کے نیچے نہیں آتا۔ اور ہماری رحمت کی حمایت کے سایہ میں نہیں بیٹھتا۔ ایسا ہی روح پاک جو عالم معنوی کا خلیفہ ہے۔ ان چار حالوں سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ علم اور عمل ہے۔ جو جمع اور تفرقہ کے مقام میں ہے۔ کیونکہ اسکی ظاہری زینت علم ہے۔ اور اُسکے باطن کی صفائی عمل ہے۔ اور اس خلیفے کے ملک کی رعیت بھی دنیاوی بادشاہوں کی رعیت کیطرح دو قسم پر ہے۔ غائب اور حاضر اور اس بادشاہی کے جو غائب ہیں۔ وہ بھی دو قسم کے ہیں منفصل اور متصل۔ غائب منفصل سے عالم دنیا خارجی مراد ہے اور غائب متصل سے اُسکے جسم کا عالم ہے۔ اُسکا قبضہ بلا واسطہ اُسمیں جاری ہے۔ اور اُسکے واسطے عالم شہود میں۔ کہ غائب منفصل ہے دخل دیتا ہے۔ کبھی سلطنت معنوی کا حکم بدن کی ولایت میں جاری کرتا ہے۔ اور کبھی اسرار الٰہی کے آیات کو زمانے کی تختیوں کے صفحات پر پڑھتا ہے۔ اور دونو کے جمع ہونے

کے وقت اللہ کا جمال دیکھتا ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے آیات کو زمانے اور اُنکے نفس میں بہت جلد نمودار کرینگے۔ یہانتک کہ انکو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اللہ تعالےٰ وہی ہے۔ اور حق کو حق سے جانکر یہ زبان کا ورد بنا ئینگے۔

تو مرا مونسِ رواں بودی	لیک از چشمِ من نہاں بودی
از تو مے یافتم حنبہ بہ گمان	چوں شدم بیخبر عیاں بودی
جانم اندر جہاں ترا مے جست	تو خود اندر میانِ جاں بودی
من خود اندر حجابِ خود بودم	ورنہ با من تو درمیان بودی

رعیت حاضر بھی دو قسم پر ہے۔ قسم اول۔ قوائے روحانی کا ہے مثلاً عقل فہم حفظ۔ ذکر۔ عدل۔ ہدایت احتیاط۔ حیا۔ صدق۔ وفا۔ دوسرا قسم قوائے نفسانی کا ہے۔ مثلاً بے وقوفی۔ جہل سستی۔ بھول۔ غفلت۔ ظلم۔ حماقت۔ بددلی۔ بے شرمی۔ جھوٹ اور خیانت۔ ان قوتوں کے اصحاب کو اصحاب شمال کہتے ہیں۔ اور اہل قوائے روحانی بھی دو قسم پر ہیں۔ اصحاب یمین۔ اصحاب سابقین۔ اصحاب یمین اُن صاحب مراتب کو کہتے ہیں۔ جو مراتب اور مقامات کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور سابق وہ مجذوب ہیں۔ جنکو محبت کی بجلی نے جلا کر کباب کر دیا ہے۔ اور غیرت کی مستی نے اُن کو بیہوش اور محو کر دیا ہے۔ اُنکے وجود کی کشتی قدم کے دریا میں تہ نشین ہو چکی ہے۔ اور عالم حدوث کی شرارت سے وہ بچ رہے ہیں۔ اور اللہ کے سیر کے واسطے ماسوے اللہ کے سر پر اُنہوں نے قدم رکھدیا ہے۔ اور خدا کی جناب میں انکی ہمت کا ہاتھ رسائی پا چکا ہے۔ اور غیرت کی آنکھ کو غیر کے دیکھنے سے بند کر لیا ہے۔ اور اِس دنیا فانی کے اسباب کو فنا کی آگ سے جلا لیا ہے۔ اور وجود کے ورقوں پر دوست کے نام کے سوا اور کچھ نہیں لکھتے۔ اور اس کتاب سے صرف مولا کا نام ہی پڑھتے ہیں۔ اور اُس شہود کے میدان میں یار کا رستہ ہی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اسلیئے غیرت کے ہاتھ نے عام مذہبوں کو اُن محبوبوں کے نشانات دیکھنے سے بے خبر کر دیا ہے۔ اور اُن بادشاہان عالم حقیقت کا رستہ غفلت کے جنگل میں رہنے والوں پر بند کر دیا ہے۔ تاکہ اُس مولےٰ پاک کے سوا اُن پاکوں کا حال اور کوئی نہ

دیکھے۔ اور ہر ناپاک کی نظر کا غبار ان کی کمالیت کی چہرہ پر نہ پڑے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے میرے دوست
قبا کے نیچے ہیں۔ میرا غیر ان کو جانتا ہی نہیں۔

ایعزیز جب تو نے معلوم کیا۔ کہ دنیا کے بادشاہ سخاوت اور بخل میں چار قسم کے ہیں۔ اور یہ بھی
جان لیا کہ خلیفہ روح کی سخاوت اور بخل علم اور عمل پر ہے۔ اب یہ بھی جان لیا کہ یہ خلیفہ بھی چار
چار حالوں سے خالی نہیں ہوتا۔ پہلا وہ کہ اپنی ذات میں عالم باللہ ہوتا ہے۔ اور اپنے اعضا
میں عامل بہ ہو جاتا ہے۔ یہ خلفاے معنوی کا اعلے درجہ۔ ہر زمانے اور ہر وقت میں ایسا وجود شریف
کم یافت اور نادر ہوتا ہے۔ جو اسکی نظر میں منظور ہو جائے سعادت ابدی حاصل کرتا ہے۔ دوسرا
جو شخص ان دونوں حالوں سے بالکل خالی ہو ایسا آدمی زمانے کا شیطان ہوتا ہے۔ گو اسکی صورت
آدمیوں ہی کیطرح ہو جو اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے شقاوت ابدی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔
تیسرا وہ شخص ہی کہ آپ تو علم کی زینت سے مزین ہوتا ہے۔ مگر ہاتھ اور پاؤں آنکھ۔ ناک۔ کان وغیرہ
کو نجات دینے والے اعمال سے بالکل خالی رکھتا ہے اور ولایت کے صحرا نشینوں (بیخبروں) کو سعادت
ابدی کے حاصل کرنے کی توجہ نہیں دلاتا۔ یہ خلیفہ قیامت کے دن باز پرس کے مقام اور عذاب اور
عذاب کے خطرے میں ہوگا۔ کیونکہ اُسدن زبان اور ہاتھ اور پاؤں اُسکی عدم توجہی کی شکایت کرینگے۔
چوتھا وہ شخص ہی کہ ملکی رعایا کی ہدایت کیطرف توجہ بلیغ کرتا ہے۔ مگر اپنی ذات میں علمی حقائق
سے خالی ہوتا ہے۔ اور عالم باللہ کے بہادروں کی صفوں کی سبقت سے عاجز ہوتا ہے۔ اور یہ خلیفہ اپنے
نفس کا ظالم ہے۔ کیونکہ اُسکی سخاوت رعایا پر تو شامل ہے۔ مگر وہ اپنے نفس کے حق میں لعین ہے
اور قرب کی جدائی میں گرفتار ہے۔ اور غفلت کی خواری کے قصور سے بے فکر نہیں ہی۔ مگر کہ اللہ
اپنی رحمت سے اسکا تدارک کرلے۔ پس ان سب باتوں سے معلوم ہوگیا کہ اس خلیفے کی اعلے سے اعلیٰ
صفت وفا اور سخاوت ہے۔ اُسکے اعمال صفائی کی نظروں کے مشعل اور انبیاؤں اور اولیاؤں کی
عادات ہیں اسیواسطے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ میری امت کے ابدال بہت نمازوں کے ادا کرنے
یا روزہ رکھنے سے بہشت میں نہیں جاتے۔ مگر نفس کی سخاوت اور باطن کی سلامتی سے

(حالات فقرا ز نام حال)

اعلےٰ درجات پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس خلیفے کی افضل سخاوت یہی ہے۔ اور جو چیز اُسکے ملک اور تصرف میں نہیں ہے۔ اُسکا ذکر ہی نہ کرے۔ اور خدائی صفتوں کو ایک خوار (عاجز) بندے سے تلاش نہ کرے اور پختہ طور پر جانے کہ اُسکا وجود اپنا بنا ہوا نہیں ہے۔ اور ہستی کے میدان میں اُسکا کچھہ اختیار نہیں ہے

چیزیکہ وجودِ او بخود نیست — هستیش نہادن از خرد نیست

هستی کہ بخود قیام دارد — او نیست ولیک نام دارد

اخبار ربانی میں آیا ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ کہ اس دین کو ہمنے اپنی درگاہ میں مخصوص کیا ہے۔ اور اس چراگاہ کے حدود کی رعایت سخاوت اور سیرت نیک کے سوائے نہیں ہو سکتے کیونکہ سخاوت باعث محبت ہے اور محبت سے قربت پیدا ہوتی ہے۔ اور قربت سے وصل پیدا ہوتا ہے۔ اور وصل جمعیت کا مقتضی ہوتا ہے۔ اور جمعیت دین کی نصرت کی معاون ہوتی ہے۔

اور سخاوت کی حقیقت کے دو طرف ہیں۔ اور ایک درمیان ہے جسکو سخاوت کا اعتدال کہتے ہیں اور وہ اعتدال بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ اور ہر ایک آدمی اس حقیقت کے سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا اور اکثر دولتمند اسمیں زیادتی کرتے ہیں جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ تبذیر (فضولخرچی) ہے یہ بہت بُری عادت اور اللہ کے حکم کے برخلاف ہے۔ کیونکہ اللہ جلشانہ اپنے محبوب کو خطاب فرماتے ہیں وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ یعنے اس عطا میں جو لِلّٰہ فی اللہ نہو اسراف نہ کر کیونکہ جو لوگ صرف ہوائے نفسانی کی خاطر نمود اور دکھلاوے میں خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور سخاوت کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ حاجت کے بموجب موقعہ پر خرچ کرے۔ اور بخل اسکے برخلاف ہے اور اس سے بڑھ جانا افراط ہے۔ جسکو تبذیر کہتے ہیں۔ اور اندازہ سے خرچ کم کرنا تفریط ہے جسکو تقتیر کہتے ہیں۔ اور یہہ دونو طرفین مذموم ہیں۔ بہتری تو اعتدال ہی میں ہے جسکو حدِ وسط کہتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔ اسمیں یہہ اشارہ ہے کہ افراط تفریط تبذیر اور تقتیر سے بچو۔ اور جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ہم حضور اقدس کیخدمت میں بیٹھے ہوئے

تھے۔ کہ ایک لڑکا آیا۔ اور اُسنے کہا کہ میری ماں آپ سے چادر مانگتی ہے۔ حضور نے فرمایا ذرا صبر کر پھر آنا۔ وہ
لڑکا چلا گیا۔ اُسکی ماں نے لڑکے کو کہا۔ کہ بیٹا جا اور عرض کر کہ یا رسول اللہ میری ماں آپسے وہ چادر مانگتی
ہے۔ جو آپنے پہنی ہوئی ہے۔ حضور انور گھر میں تشریف لیگئے۔ اور پیراہن اُتار کر اسکو دیدیا۔ اور آپ
بالکل برہنہ ہو بیٹھے۔ بلال رضؓ نے مسجد میں آذان دی اور اقامت کہی۔ رسول علیہ السلام کو عریانی بدن نے
شمول جماعت سے روک دیا۔ اسلیئے آپ باہر نہ نکلے۔ پس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت
لائے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا کہ
حق جل و علا فرماتے ہیں کہ اے محمد فضل کے ظہور کے وقت ہماری نعمتوں کو ہمارے مستحق بندوں سے دور نہ رکھ
اور ہمت کے ہاتھ کو بخل کے حیلہ حوالہ سے حرص کی گردن پر نہ باندھ۔ اور بخشش کے ہاتھ کو اتنا بھی کشادہ نہ
کرو کہ جو کچھ آپکے پاس ہو یکدفعہ ہی دیدو یعنے اپنی ضروریات کو جنسے آپکو چارہ نہیں دوسروں کو نہ دو۔
اور آپ غم اور فاقہ میں سرگردان اور ہماری عبادت کی سعادت سے بھی محروم رہ جاؤ۔ چاہیے کہ اعتدال کی
حدود کا ہمیشہ ملازم رہے۔

ایعزیز اللہ کی سنت اسطرح ہی جاری ہوئی ہے۔ کہ دنیا کی ہر ایک دولت کو آفت کے ساتھ پابستہ کیا
ہے تا کہ جاہل بدبخت اور بدنصیب دوام نعمت پر مغرور نہ ہو جاویں۔ اور غافل مغرور ہمیشہ کی دولتمندی
پر سرکش نہ ہو جاویں۔ کیونکہ غنا اور دولتمندی اور لاپرواہی اکثر حالت میں ظلم اور سرکشی کا موجب اور جفا
اور نافرمانی کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ اگر ہم اپنے بندوں پر روزی ہمیشہ ہی فراخ
رکھیں۔ جب وہ اپنے آپکو مستغنی دیکھے تو سب کے سب طاغی اور باغی اور گردن کش ہو جاتے۔ اگر غور کیجائے۔
اور تدبر سے کام لیا جاوے۔ تو معلوم ہوگا۔ بلا اور سختی اور محنت تازیانہ ہے۔ کہ اللہ جبار مطلق وحشی
سیرت غافلوں کو اس سے ادب دیتا ہے۔ اور جاہل دیو خصلتوں کو اسی کے ذریعہ سے جفا کے راہ سے وفا
کے بچھونے پر لا بٹھاتا ہے۔ اور دنیا کی محبت کے قفل کو (جو بدبختی کا مادہ ہے) صادق مومنوں کے دلوں سے
اُٹھا دیتا ہے۔ جسطرح دنیاوی ملک مفسدوں کی شرارت سے۔ اور کوئی بادشاہی جھگڑے وغیرہ سے
خالی نہیں ہوتی۔ ایسا ہی روح کے خلیفے کی ولایت میں ایک بڑا زبردست جھگڑا لو ہے۔ جسکو طمع اور

حرص اور لالچ کہتے ہیں۔ اور روح کا ایک وزیر ہے جسکا نام عقل ہے۔ اور اسکا ایک نائب ہے۔ جسکو حیا کہتے ہیں اور ایک دربان ہے جسکو پختہ ارادہ کہتے ہیں۔ ایک قاضی ہے جسکا نام عدل ہے۔ ایک خزانچی ہے جسکو فکر کہتے ہیں۔ اور ایک منشی ہے جسکو حفظ کہتے ہیں۔ اور ایک قاصد ہے جسکو صدق کہتے اور اُسکے رہائشی مقام کا نام قلب ہے۔ اور اوسکا ایک لشکر ہے جسکو قوائے روحانی کہتے ہیں۔ ایسا ہی نفسانی خواہشات جو خلیفہ روح کے مدمقابل ہیں۔ اسکا بھی ایک وزیر ہے جسکو وہم کہتے ہیں۔ اور ایک نائب ہے جسکو مکر کہتے ہیں۔ اور ایک دربان ہے جسکو سستی کہتے ہیں۔ اور ایک قاضی ہے جسکو توہم کہتے ہیں اور ایک خزانچی ہے جسکو غدر کہتے۔ اور ایک دربان ہے جسکو حرص کہتے ہیں۔ اور ایک کاتب ہے جسکو امید کہتے ہیں۔ اور ایک قاصد ہے جسکو کذب کہتے ہیں۔ ایک ہم نشین ہے جسکو عجب کہتے ہیں۔ اور ایک لشکر ہے جسکو قوائے حیوانی کہتے ہیں۔

اہل کشف اور تحقیق کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین کے دو لشکر ہیں۔ اور یہ دونو لشکر انسانی وجود کے میدان میں پیدا ہونے سے لیکر قبر کی اسامی تک ہر ایک کی روک تھام میں ہیں۔ اور یہ دونو لشکر اپنے بادشاہ کے حکم کی تابعداری میں چلتے ہیں۔ اور دوسرے کی بیخکنی کرنے پر آمادہ ہیں۔ اسلیئے ان دونو لشکروں کی غالبیت اور مغلوبیت کے لحاظ سے خلقت کی پانچ قسمیں ہیں۔ مؤمن محفوظ۔ کافر مشرک۔ منافق غادر۔ عاصی مصر۔ فاسق متلون۔

مؤمن محفوظ نے عنایت ربانی اور تائید الٰہی سے نفس اور ہوا کی کشمکش سے فراغت پائی ہے۔ اور وجود شہر کے دشمنوں پر فتحیابی حاصل کر لی ہے۔ اور روح اور عقل کو کہ بادشاہ اور وزیر اور حاکم مطلق ہیں۔ انتظام شاہی کے لیئے مقرر کر دیا ہے۔ اور قوائے روحانی کو جو اللہ کا گروہ۔ اور سعادت کے رستہ کے راہ نما ہیں۔ مظفر اور منصور کر لیا ہے۔ اور وجود کے شہر کے دشمنوں کو جو شیطانی گروہ ہے۔ اور بدبختی کو رستے کی بلانے والی ہیں۔ پیٹ پیٹ کر بھگا دیا ہے۔ اور بیجا خواہشوں کو جو بادشاہی دربار کی باغی ہیں غیرت کا پائمال کر دیا ہے اور بدن کی دار الملک کو علم اور عدل اور احسان اور طاعت اور عبادت سے بھرپور کر دیا ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

کافر مشرک جسنے اللہ کے گروہ کی بیخکنی ہے۔ اور عقل اور رد کو خواہشات نفسانی کا پابند بنا

اور جسمانی ملک کی اطراف کو شیطانی لشکر کی دوڑ دھوپ کا میدان بنا دیا ہے۔ اور پلید نفس کو شقاوت کی اسباب حاصل کرنے کا مددگار ٹھہرالیا ہے۔ اور سعادت ابدی کے رستوں کو گمراہی کے کانٹوں سے خار بند کر دیا ہے۔ ذلك هو الخسران المبين۔

منافق غدار جھگڑالو۔ جسنے خواہشاتِ نفسانی کو قلبی اور سری اور روحی اعمال پر (جو انسانی بدن کے کارکن ہیں) حاکم کر دیا ہے۔ اور ظاہری اعضاؤں کو جو (خلقت کے منظور نظر ہیں) اپنے دھوکی کی ٹٹی میں الجھا کر شیطان کے قریب بٹھا دیا ہے۔ اِنَّ المنافقين فی الدرك الاسفل من النار

عاصی مُصِر۔ جسنے عقل اور روح کو دل کے ملک پر (جو ولایت کی اصل ہے) حاکم کر دیا ہے اور ملک کے میدان کو خواہشات کے حوالے کر دیا ہے اور عضاء کو لذات جسمانی اور نفسانی کے فوائد کے حصول پر ہمہ تن لگا دیا ہے۔ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔

فاسق متلون۔ جو اکثر اوقات ان دونو لشکروں کی غالبیت اور مغلوبیت کا منتظر رہتا ہے۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا۔ اور عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کی اشارت اس قوم کے امید کے درخت کو ثمردار کر دیتی ہے۔ اور عنایت آلٰہی کی ہمراہی معصیت کے جنگل کے پیاسوں کو عفو کے دریا تک پہنچا رہی ہے۔ اور کرم الٰہی کا دربان غفلت کی علت کے بیماروں کو مہربانی کے شفاخانہ میں لے جا رہا ہے۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جب رات کے دو پہر گزر جاتے ہیں۔ پہلے پہر میں تمام مخلوقات غفلت کا پیالہ پی کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔ مگر زندہ دل ہشیار اور عاشق دل بے قرار ملک جبار کے شوق سے سانپ کے ڈسے ہوئے کیطرح بے قرار ہو کر لڑھکیاں کھاتے ہیں۔ اور نالہ و فغان کرتے ہوئے آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں۔ اور اسرار کی خواہشات پیش کرنے میں پرکار کیطرح سرگردان پھرتے ہیں۔ اون ولدادوں اور شیدائیوں کی بیکسی کو دیکھکر رحمت اور الطاف لیئے ہوئے حضرت پروردگار مکانِ لامکان سے آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ اُن دریدہ جگروں اور سرگشتوں کو نہایت مہربانی اور نرمی سے خطاب کرتے ہیں "کہ اے تودۂ خاک کے رہنے والے مہجورو۔ اے دنیائے بے ثبات کے غافل مغرورو۔ اسوقت ہم نے اپنی رحمت کا دروازہ کھولدیا ہے

وہ کون ہے کہ اسوقت زبان حال اور صدق مقال سے اپنی حاجت ہمارے سامنے پیش کرے اسکی حاجت کو پورا کردیں اور وہ ہمارا پیارا کہاں ہے کہ ہماری بخشش کے خزانہ سے کچھ لینے کی خواہش کا دامن پھیلائے اُسکو عطائے لا انتہا سے مالا مال کردیں اور وہ خستہ جگر اور بدحال کہاں ہے جو اعمال کی برائیوں کی خرابیوں کو ہمارے ستاری کی پناہ میں لاوے تاکہ ہم اُسکے افعال کی رسوائی کو حلم کے پردے سے ڈھانپ دیں۔ اور اُسکی بدکرداری اور بداعمالی کا نہ آپ ہی نام لیں۔ ورنہ کسی کو نام لینے دیں

نقل ایک درویش صاحب مکاشفہ او مراقبہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک رات اللہ کے دربار میں حاضر ہوا خطاب بے چون پہنچا۔ کہ میاں ہماری درگاہ میں کیا تحفہ لایا ہے نماز روزہ اعمال صالحہ کا خیال میرے دل میں آنے ہی لگا تھا۔ کہ ادہر سے عتاب نازل ہونے لگا۔ کہ اے غریب قلاش مسکین ہماری بارگاہ کبریا میں تمہاری کھوٹی اور بے قیمت چیزیں کیا قدر رکھتی ہیں۔ جو کچھ تیرے دل میں خیال آرہا ہے۔ وہ خطا ہے۔ اس درگاہ کے پسند صرف تین چیزیں ہیں۔ آہ سرد۔ رخسار زرد دل پر درد جنکو ہم تحفہ اور ہدیہ اور توشے سے تعبیر کرتے ہیں ہماری بارگاہ عالی میں انوار رحانی کی پاکیزہ صورت کنیزکیں اور فرشتگان مقرب کے اسرار کی مورتیں بہت ہیں۔ لیکن ہماری عنایت کا شربت جدائی کے جنگل کی تشنگی کشیدوں کو بھال رہا ہے۔ اور ہماری حمایت کی مرہم جدائی کے زخم کے دردمندوں کو تلاش کررہی ہے۔ اور ہمارے لطف کے دارو کا پانی جدائی کے آگ کے جلے ہوؤں کو ڈہونڈ رہا ہے۔ شعر۔ سحر کا تشنہ قمر رہ بالا گیرد؛ قوت جانم ہمہ از نور تجلے گیرد

گرچہ انوار ملک ازہمہ والا است ولیک — سوز دردم رہ بالا بہ بالا گیرد

چہ اثر یا بدزاں ہمہ بیخبری ہا — زانچہ از عکس تجلے درما گیرد

اے عزیز ظاہری بادشاہوں کی رسم ہے کہ جہانتک اُن سے ہوسکتا ہے۔ بقائے ظاہر کی کرنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں بدنی تکالیف عوارض سے بچتے رہتے ہیں۔ اور صحت جسمانی کی رعایت کے واسطے حکمت کے دفتروں کی یادداشت ضروری سمجھتے ہیں اور ہر فصل میں فصول اربعہ سے مرضوں کے دفعیہ کے واسطے اُس تدابیر جو اس فصل کے مناسب ہوتی ہے مداومت کرتے ہیں ایسا ہی خلیفہ روح کی ہدایت اور صحت کی علامت جو معنوی بادشاہ ہے یہ ہے۔ کہ فصول اربعہ میں

ہر ایک فصل کیلئے ایسی روحانی غذا یا موقعہ ہونی چاہیئے۔ کہ اُسکی طبیعت شریف اور مزاج لطیف و پاک کرنے والی ہو۔ اور اُس کی جہالت کی امراض پلیدیوں اور غفلت کی بے پرواہی میں ہمارا نہ ہو۔ مثلاً فصلِ ربیع کی طبیعت گرم تر ہے۔ اور یہ تاثیر اور یہ طبیعت حیاتی کا سامان پیدا کرنیوالی ہے۔ اور اس فصل کے تمام تاثیرات حیوانات اور نباتات میں اثر کرتے ہیں۔ اور نفس حیوانی میں حرکت اور سیر کی تمنا اور باغوں اور نہروں اور پھولوں اور کلیوں کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ چاہیئے کہ اُسوقت میں اختیار کی باگ کو خواہشاتِ نفسانی اور نفس بدکار کے ہاتھ میں نہ دے۔ اور وزیرِ عقل کو حکم دے کہ وہ نبوی قواعد کے دستور اور آلٰہی تنبیہات کے حکموں کو (جو حافظہ کی دفتر میں لکھے گئے ہیں۔ مطالعہ کرے۔ اور اُن معانی کے حقائق کے موتیوں کو روحانی قوت کا معنوی اور ربانی غلطتوں کی صفائی دینے والا) بنائے۔ اور فکر کے میدان میں نظریہ قوت سے ہمت کے گھوڑے کو کثرت کے جھمیلوں سے بچاتا ہوا وحدت کے شاہراہ پر لاوے۔ اور نفس وحشی کی خواہشاتِ مصنوعات عجیبہ کے دیکھنے سے صانع کی قدرت کے ظہور کیطرف بلائے۔ چنانچہ اللہ جلشانہ طالبوں کی تعلیم کے واسطے اور منزلِ اعلےٰ کے خواہشمندوں کی تفہیم کے لیئے فرماتے ہیں۔ دنیائے غدار کی زندگانی کی لذت کیطرف غافل مغروروں کی محبت اسطرح ہے۔ جیسا کہ اُجڈ بے وقوفوں کا خیال فصل بہار کی سبزی کیطرف ہوتا ہے۔ جب ہم اپنی قدرتِ کاملہ سے مردہ زمین کو آبِ رحمت پہنچا کر کچھ دن مزین بنا دیتے ہیں۔ اور اس تیرہ و تار بے مقدار خاک کو عاریتی لباس پہنا دیتے ہیں۔ اور آدمیوں اور چارپایوں کے رزق دنیا کے دسترخوان پر بچھا دیتے ہیں۔ اور ہر نیک و بد کو خوانِ رحمت سے کھانا دیتے ہیں۔ ہماری نہایت بخشش اور کمال مہربانی کو دیکھکر وہ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ کہ یہ ہمارا ہی ملک ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ سب کے سب ایک قہریہ چمک سے جل جل کر راکھ ہونے والے ہیں۔ ایسے اُلٹ پھیر ہم کمال حکمت اور وسیع قدرت سے زمانے کے بچھونے پر بچھاتے رہتے ہیں۔ جو صاحبانِ غور اور تدبر کے لیئے ہمارے حقائق اور اسرار کے دریا کی بہت وسیع دلیلیں ہیں۔ پس طالب صادق کو ضروری ہے۔ کہ موسم بہار کی مشکبار ہوا کو اور صبح کی ٹھنڈی صبا کو (جسمیں زندگی کا مزا ہے) ہمیشہ کی نعمتوں سے

جانتا رہے۔ اور جھوٹی امید والے درختوں کے کانٹوں کو فنا کے رستے سے اکھیڑتا رہے۔ اور دنیا کے گندے مردار کو حرص اور حسد کے کتوں کے حوالہ کرتا رہے۔ اور ہمت کے پہلو کو جفا کی منزل سے بچا کر وفا کے بچھونے پر لاوے۔ فصل بہار میں خلیفہ معنوی کی روحانی غذا یہی ہے۔ فصل صیف جسکو تابستان کہتے ہیں۔ اسکی مزاج گرم خشک ہے۔ اس فصل میں وزیر عقل اور بادشاہ روح کے انتظام کی تشبیہ اس بوڑھی اور عاجز کے حال کیطرف مشابہ ہونی چاہیئے۔ جو باوجود نہایت ضعف اور عدم طاقت کے نیک کاموں کے کرنے کیطرف مصروف ہوتا ہے۔ اور اسکو دوزخ کے درکات اور خدائی غضب کا خوف ہوتا ہے اور قیامت کے دن کی گرمی اور پیاس اور پسینے میں خلقت کا ڈوبنا معلوم ہوتا ہے۔ اور حوض کوثر کے داخل ہونے سے اشقیا اور اہل شرک اور اہل نفاق کا رد کیا جانا سمجھا جاتا ہے۔ اور دوزخ کی بھڑک سے اندیشہ کرتا ہے۔ اور ان خوفناک حالتوں کے ہونے سے بیفکر نہیں ہوتا۔ اور فصل خریف جو پیر کا مہینہ ہے۔ یہ سرد خشک ہے یہ طبیعت مرکب رکھتا ہے۔ اکثر اسمیں فکر زیادہ ہوتا ہے۔ اس موسم سے موت کا حال اور جان کندن کا حال اور بیہوشی اور ملک الموت کا دیکھنا اور خاتمے کا خوف اور رحمت کے فرشتوں کا نزول یا عذاب کے فرشتوں کے آنے کا مآل سمجھا جاتا ہے۔ فصل شتا اسکو جاڑا کہتے ہیں۔ یہ سرد تر ہے۔ اور اسکی طبیعت برزخ سے مشابہ ہے۔ اور برزخ وہ مدت ہے۔ جو دفن سے لیکر حشر کے دن تک ہے۔ اور عقلمند کامل کا خیال یہ ہے۔ کہ اس فصل میں تمام برزخ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ وہ منزل ایسی ہے۔ جسمیں خرچ نہیں ہے۔ اور ایسا جنگل ہے۔ جسمیں کوئی فریادرس نہیں۔ کتنی مدتیں اس دنیا پر گزر جائینگی۔ اُسکا دُبلا، پتلا، نازک۔ دودھ سے پلا ہوا جسم خاک کے طبقوں کا اسیر۔ قبر اور سامی کے اندھیروں کا قیدی رہیگا۔ ایسا موقعہ ہوگا۔ کہ مخلوقات کو اُسکے نام کی خبر تک نہ ہوگی۔ اور کائنات کی ورق پر اسکے نام کا اثر تک اور نشان تک پایا نہ جائیگا۔ اگر اُسنے زندگی کے زمانے میں اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے کچھ حصہ حاصل کرلیا ہے۔ تو ہر گھڑی اُن کی ہمنشینی سے خوش ہوگا۔ اور اگر وجود کی جامہ کو بُری صفتوں اور افعال ردیہ کی میل سے آلودہ اور پلید کرچکا ہے۔ تو ہر گھڑی اور ہر وقت حسرت اور عذاب کی آگ اُسکی جان سے شعلے مارتی رہیگی۔

فصل خریف

اے ہم نفساں تا اجل آمد بسرِ من | از پائے در افتادم و خوں شد جگرِ من
رفتم چناں جائیکہ باز آمدنم نیست | نے ہمت امیدے کہ کس آید ببرِ من
گر خاک جہان جملہ بغربال بہ بیزند | یک ذرہ نیابند نشان و اثرِ من
درد او دریغا کہ بیک باد جہا نسوز | در خاک لحد ریختہ شد خشک و ترِ من
در بادیہ تا بقیامت شدم اینک | نے مرکب و نے زاد دریغا سفرِ من

اے عزیز ملک معنوی کی فراخی اور سلطنت روحانی کی وسعت اس دنیائے فانی کی وسعت سے بہت ہی زیادہ ہے۔ جو میری اس چھوٹی سی کتاب میں اسکی شرح کی وسعت نہیں۔ لیکن یہ تھوڑا سا بیان مشتے نمونہ از خروارِ صرف عاقلان طالب کی تنبیہ اور زیرکوں کے رجوع اور فہمید کے واسطے لکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ ارادہ کے گھوڑے کو امور فانی کے رستوں پر نہ چلنے دیں۔ اور سعادت ابدی سے محروم نہ رہیں۔ اگرچہ احمق جاہلوں کی ایک جماعت اور غافل کوردلوں کا ایک گروہ ان باتوں کو جائز نہیں سمجھتا اور نہایت بدبختی اور بدقسمتی اور کوتہ اندیشی سے ان حقائق اور معارف کا اعتبار نہیں کرتا۔ اسلیئے ہم اتنا ہی کہہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بدبخت کج رفتار اسی بدنصیبی میں جان گنوا دیتے ہیں۔ اور بدبختی کی خاک اپنے روزگار کے سر پر ڈالتے ہیں۔ کیونکہ اکابر اولیائے اور برگزیدہ علماء کے نزدیک یہ سب امور آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور بدیہی ہیں۔ لیکن کیا کریں دونو جہاں کے اندھے کور ہیں۔ بمصداق اسکے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا اے عزیز اگر تو چاہتا ہے کہ اس سلطنت عظیم کی بابت کچھ سمجھے۔ تو پہلے تجھے مملکت روحانی کی وسعت کو معلوم کرنا چاہیئے۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ جلشانہ نے ایک فرشتہ کو (جو فرشتگان روحانی سے ہے) زمین پر موکل کیا ہے۔ اور اقلیم زمین کی تار اسکے قبضہ اقتدار میں دیدی ہیں۔ جب اللہ جلشانہ چاہتے ہیں کہ ایک قوم طاغی اور باغی کو خواب غفلت سے بیدار کریں اس فرشتہ کو حکم ہوتا ہے۔ کہ اس ولایت کی تار کو ہلا دیا جاوے۔ اس تار کے ہلنے سے اس قوم میں زلزلہ پڑ جاتا ہے۔ اب مقام غور ہے۔ کہ جب وہ فرشتہ تحریک کا اشارہ کسی قوم کے واسطے معلوم کرتا ہے صرف ایک جھٹکے سے زمین کو ہلا دیتا ہے۔ اور اس ولایت کے جنگل اور پہاڑ اور مضبوط قلعے تھر تھر

کانپنے لگتے ہیں۔ اگر دنیا کے تمام بادشاہ اور جہان کے تمام لشکر اس بارہ میں ملکر کوشش کریں۔ کہ زمین کے ایک گوشہ کو ہلنے نہ دیں ہرگز تھام نہیں سکتے۔ سب کے عجز اور بیچارگی کے معترف ہوجاتے ہیں یہ فرشتہ فرشتگان علوی سے ایک ہے۔ اور تمام ملائکہ سفلی اُس ایک فرشتہ علوی کی قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اور ایسی طاقتور فرشتوں کی نہایت ہی نہیں وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ اور جب تو اس بات میں اچھیطرح غور کرے۔ تو تجھے کامل یقین ہوجاویگا۔ کہ یہ تمام ظاہری سلطنتیں اور ممالک فانی اور خیالی سلطنت معنوی اور مملکت روحانی کے مقابل ایسے مقدار رکھتے ہیں جیسا کہ آفتاب کے روبرو ذرہ اور دریائے بیکران کے روبرو قطرہ بلکہ اس سے بھی بہت کم ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے ما مثل الدنیا فی الآخرۃ الامثل ما یجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع دنیا سے مراد امور جسمانی فانی ہے۔ اور آخرت سے مراد عالم روحانی جاوِدانی ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دنیائے فانی کی حقارت آخرت کی جلالت کے مقابل جسکو ملک معنوی کہتے ہیں۔ ایسے ہی کہ تم سے ایک آدمی دریائے بیکران میں انگلی ڈالے۔ اور پانی اُٹھائے۔ جسقدر پانی اسکی انگلی کو چمٹ جاتا ہے۔ اتنی مقدار دنیا کی آخرت کے ساتھ ہے۔ اور عالم آخرت میں اتنی کمی ہوجاتی ہے۔ جتنی دریائے بیکران کو اُس پانی سے ہوئی یا اُس قطرہ مرفوع کا وجود دریا کے مقابل ہوتا ہے۔

اے تن آخر۔ کہ عین تقصیری | وقت نا مد کہ پند بپذیری
خیز ازیں خاکدانِ جسمانی | تا رسی در ریاضِ روحانی
اہل دنیا بجملہ مغرور اند | زانکہ از سرِّ حرف بس دور اند
بہر ایں خاکدانِ بے معنے | دادہ برباد مملکت عقبے
چہ کنی ایں جہان [illegible] را | ایں لگد کوب وحش و حیوان را
خیرہ منشے کہ مرگ بے باک است | مرکب باد و منزلت خاک است
زیں جہاں زود زاد خود برگیر | جہد کن کار دنیت از سر گیر

ایعزیز اقسام [illegible]ات کی ہر ایک قسم میں خواہ صفت حمیدہ ہو یا ذمیمہ کوئی نہ کوئی غایت

ہوتی ہے اور انواع حیوانات سے ہر ایک قسم میں سے کوئی نہ کوئی صفت خاص ہوتی ہے۔ اور وجود
کے عضووں سے ہر ایک عضو از روی کمال اور نقصان کے دنیا میں مدح یا ذم کا مستحق ہو جاتا ہے
اور دیوان آخرت میں رحمت یا عذاب کا اور اس غالب صفت کو دار البقا میں ایک صورت پر
حشر کرینگے اور چونکہ آدمی اپنی صفت غالبہ سے بے خبر ہے اسلیئے اللہ جلشانہ بے خبروں کی تنبیہ کیواسطے
وَنُنْشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ فرماتے ہیں۔ جسکا مطلب ہے کہ اے بیخبرو اور دنیا کے دلدادو تم نہیں جانتے
کہ آخرت کے روز کس صورت پر ہم تمہارا حشر کرینگے۔ تم دنیا میں اپنے آپ سے اور اپنی صفات سے
بالکل بیخبر تھے اب ہم تمہیں کچھ تھوڑا سا نمونہ بیان کر کے سناتے ہیں۔ کہ ملائکہ پر صفت
طہارت اور پاکیزگی کی غالب ہوتی ہے۔ اور انبیا علیہم السلام میں تابعداری اور امر نواہی
کے پونچانے کی صفت غالب ہوتی ہے۔ اور اولیا میں محبت اور شوق اور رضا اور توحید کی
صفت غالب ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہر ایک حیوان میں صفت خاص ہوتی ہے۔ مثلاً پلنگ کہ
اسمیں پھاڑنے اور چیرنے کی صفت ہوتی ہے۔ اور شیر میں غلبہ اور بے باکی کی۔ اور لومڑی میں
حیلہ اور مکر کی۔ اور کتے میں تکلیف اور بے شرمی کی۔ اور سور میں حرص اور بے شرمی اور بے حیائی
کی۔ اور چیونٹی اور چوہے میں حرص کی۔ اور سانپ اور بچھو میں تکلیف ناحق کی۔ اور گائے پر کھانے
اور سونے کی۔ اور گدہے میں بیوقوفی اور رعونت کی صفت غالب ہوتی ہے۔ اور ان صفات کا
مجموعہ بھی اور اسکے علاوہ بھی آدمی کی طبیعت میں موجود ہوتا ہے۔ گویا حضرت انسان ان اوصاف
اور عادات کا مجموعہ ہے۔ اور اسکی انسانی جبلت میں مرکوز ہوتا ہے۔ اور یہ تمام اوصاف اسکے وجودی
شہر کے کونوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور ان سب پر حاکم اور بادشاہ مقرر ہوا ہے۔ اور اسکو حکم دیا گیا ہے
کہ ان تمام اوصاف کو حد اعتدال پر رکھے۔ اور افراط تفریط کی آفات سے بچارہے۔ اور ان صفات
کے اثمار اور اشجار سے آخرت کا توشہ بنالے۔ اور اسکے حاصلات کو سعادت ابدی کے حصول کا وسیلہ
بنادے۔ اور اسکے حقائق کے آثار کو راہ مقصود کے آلات اوادوات بنالے۔ اور اعتدال کی رعایت
کی روشنی سے گنج حقیقی کی طرف راہ پاوے۔ اگر انسان ان شرائط کا قیام کریگا۔ ان سب حقائق کے آثار

دار آخرت میں اسکے کمال اور استکمال کا وسیلہ ہو جاوینگے۔ اور جزا کے دیوان میں اسکے فوز اور
فلاح کا باعث ہو جاوینگے۔ اگر ان صفتوں میں سے ایک صفت بھی اُسپر غالب ہوگی۔ تو اخروی
مواطن میں اس صفت کے احکام اور پھیر پھار اسکے وجود کے شہر میں نافذ ہو جاوینگے۔ اور اس صفت کی
حسن اور قبح کے آثار اسکی صورت کے صحیفہ پر ظاہر ہونگے۔ اگر ایذا، رسانی اور غلبہ کی صفت اسکی طبیعت
میں غالب ہوگی تو اس کا حشر کتے اور بھیڑیئے کی صورت میں ہوگا۔ اگر صفات بہیمی اسپر غالب ہونگی
تو گائے یا گدھے کی شکل میں اُٹھایا جاویگا۔ اگر شرہ اور حرص کی صفت غالب ہوگی۔ تو سور یا چوہیا یا
چیونٹی کی صورت میں اسکا حشر ہوگا۔ اگر طہارت اور تنزیہ اور محبت اور پیار اور شوق اور رضا اور
توحید کی صفات کاملہ اسمیں پائی جاوینگی۔ ان صفات کا کمال اسکے حال کی زینت اور اسکے جمال
کا نور کامل ہو کر نظر آویگا۔ اور ابتدائی حال والوں کا نور قیامت کے میدان میں ستارہ کے نور کیطرح
اور متوسطوں کا نور بدر منیر کیطرح اور کاملوں کا نور آفتاب کیطرح ہو کر چمکیگا۔ بلکہ کاملانِ مکمل کا نور
خواہ صدیق ہوں یا مقرب آفتاب کے نور کو بھی تیرہ کردیگا۔

جب یہ امر معلوم ہوگیا۔ تو بعض آدمی اگرچہ بظاہر آدمی نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کتے
یا سور یا چیونٹی یا چوہیا ہوتے ہیں۔ انکی اصلیت عام لوگوں کو قیامت کے دن یوم تبلی السرائر
کے وقت آشکارا ہوگی۔ یاد رکھو کہ ارباب قلوب ایسے آدمیوں کو فراست کے نور سے دیکھ سکتے ہیں جس
اصلیت سے وہ موصوف ہیں۔ کیونکہ اس قوم کی معرفت اور انکا شہود ماضی اور مستقبل کی قید
سے آزاد ہوتا ہے۔ اور احدیت کی میدان میں سرمدی معائنہ دیکھ رہے ہیں۔ اس گروہ پاک کو قیامت
کے دن اور اوسکے کشوف اسرار کی حاجت نہیں رہتی۔ وہ قیامت کا کل حال اس دنیا میں دیکھ سکتے ہیں

پس جس شخص نے ان صفتوں کا کمال حاصل کیا۔ وہی اللہ کی بارگاہ کا منظور اور درگاہ خدائی کا
برگزیدہ ہو جاتا ہے۔ اور تمام آسمان کے رہنے والے اور زمین کے بسنے والے اور اوسکے احکام جلالت
کے مقہور اور مطیع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ آسمان اور زمین۔ اور جو کچھ ان میں
ہے سب تمہارے واسطے مطیع کیے جاتے ہیں۔ اور جس شخص نے اپنے وجودی لباس کو اس پلیدی

اور ناپاکی سے ملوث اور آلودہ کیا۔ وہ کتوں اور سوروں اور تمام حیوانات سے بدتر ہے۔ اسکو یالیتنی کنت ترابًا کچھ فائدہ نہ دیگا۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔ جعلنا اللہ مِنَ الشاکرین لافضالہ وانعامہ والفائزین بِرحمتہ ورضوانہٖ

باب ہفتم امر معروف

اور نہی منکر کے وجوب اور اسکے فضائل اور شرائط اور آداب کے بیان میں ہے اور عادات مالوفہ کی تفصیل اور رسومات معتادہ کی شرح ہے جو خلقت کے درمیان متعارف اور متداول ہے

قال اللہ تعالیٰ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ اللہ جلشانہ اس آیت شریف میں مومن بندوں کو امور دین ہی تین کاموں کی خبر دیتے ہیں۔ اول یہہ ہے کہ امر معروف کا وہ برہے۔ دوم ہمیشگی اسپر فرض کفایہ ہے۔ اگر شہر میں ایک آدمی اس امر پر قیام کرے۔ تو دوسرے اس کی

ذمہ واری ہی بچ جاتے ہیں۔ اگر سب کے سب اس امر میں غفلت کریں۔ تو غرض اکبر میں
سب پوچھے جاوینگے۔ اور اللہ پاک کے دربار میں سب قابل مواخذہ ہونگے۔ اور تمہاری عذاب
الٰہی میں سب کے سب گرفتار ہونگے۔ سوم یہ ہے کہ خلاص اور نجاح کی سعادت کے حاصل ہونے او
فوز اور فلاح کے درجات حاصل کرنے کے واسطے اس امر شریف کا دوام اور اس قلعہ مضبوط کے دیوار
کا استحکام ضروری اور لابدی ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی قوم حق
کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور معاصی اور مناہی کو اختیار کیا کرتے ہیں اور ایک آدمی اس قوم میں ایسی
طاقت اور حوصلہ والا موجود ہے جو انکو انکے افعال پر سرزنش کرسکتا ہے۔ اور انکو برے کاموں
سے روک سکتا ہے۔ اور وہ باوجود اس مقدرت کے نہیں روکتا۔ تو اللہ تعالے اس قوم کے تمام
بندوں کو خواہ نیک ہوں یا برے عام عذاب میں گرفتار کردیتا ہے۔ اور اپنا عذاب سب پر عام
کردیتا ہے۔

حذیفہ بن الیمانی نے۔ روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے اللہ کی قسم ہے۔ جسکے قبضہ
میں محمد کی جان ہے۔ کہ دو باتوں سے ایک بات ضرور واقع ہوگی۔ یا تو تم امر معروف کرو اور اہل
معاصی کو گناہوں سے ہٹاؤ۔ یا یہ ہوگا۔ کہ وہ تمہارا مطلق اپنی طرف سے عذاب تم پر نازل کریگا۔ ہر چند
تم دعائیں مانگو گے وہ قبول نہ فرماوینگے۔ ابو سعید خدری نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا
ہے۔ کہ جو شخص تم سے کوئی برا کام دیکھے۔ اسکو چاہیے کہ اول ہاتھوں کے زور یعنے تلوار اور
بندوق سے بند کرے۔ اگر وہ ہاتھوں سے نہیں روک
سکتا۔ تو زبان سے روکے۔ اگر وہ زبان سے بھی نہیں روک سکتا۔ تو وقوع فتنہ کے خیال
سے دل میں اسکو برا سمجھے۔ اور یہ صورت ضعف ایمان پر دلالت کرتی ہے۔ اسکا غایت مقصود یہ
ہے۔ کہ اگر وہ ہاتھ اور زبان سے منع نہیں کرسکتا۔ اور دل سے بھی اسکو برا نہیں سمجھتا۔ تو پھر ایسے
آدمی کو ایمان سے کچھ حصہ نہیں۔

عرس بن عمیرہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جب روئے زمین پر گناہ کیا جاوے۔ اور جو حاضر ہو۔ وہ اوسکا انکار کرے۔ وہ اللہ کے دربار میں ایسا سمجھا جاتا ہے۔ کہ گویا وہ موجود نہ تھا۔ اور دوسرا آدمی ایسا ہے کہ موجود نہیں یعنے غائب ہے۔ مگر وہ اس فعل پر راضی ہے گویا وہ گناہ میں شامل ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ تم لوگوں کو نیک کاموں کیطرح متوجہ کرو۔ اور فرمان حق کی مخالفت سے انکو بچاؤ۔ ورنہ اللہ تعالے تمہارے بدوں کو تمہاری نیکوں پر مسلط کریگا جو ظلم اور ستم سے تمپر عذاب کرینگے۔ اسحالت میں تمہارے نیک بندے دعا کرینگے۔ اور وہ قبول نہ ہوگی۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جہاد کے وقت باقی تمام عبادتیں خدا کے رستہ میں ایسی ہیں جیسا کہ دریائے بیکراں کے روبرو ایک قطرہ یعنے جہاد کے مقابلہ میں دوسری عبادتوں کا قدر بہت ہی کم ہے

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ آپنے صحابہ کرام کو وصیت کی۔ کہ تم راہوں پر بیٹھنے سے بچو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بچ نہیں سکتے کیونکہ وہاں ہم بیٹھتے ہیں۔ اور مل جل کر باتیں کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر حق کو نہ چھوڑو۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ وہ حق کا راہ کونسا ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ رستہ کے حق یہ ہیں۔ نامحرموں سے آنکھوں کا بچانا۔ اور خلقت کی تکلیف نہ ڈہونڈنا۔ اور سلام کا جواب دینا۔ اور امر معروف کرنا۔ اور لوگوں کو منکرات سے ہٹانا۔ اگر تم یہ کر سکتے ہو تو بیٹھو ورنہ وہ مکان دوکان چھوڑدو۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ فرزند آدم کی تمام باتیں فائدہ مند نہیں بجز امر معروف اور نہی عن المنکر اور ذکر کے باقی سب اسیر وبال ہیں۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ جلشانہ عام لوگوں کی بداعمالیوں سے خاصوں کو عذاب نہیں دیتا ہاں اسوقت دیتا ہے۔ کہ جب وہ گناہ کو دیکھیں اور روکنے کی طاقت بھی رکھیں پھر بند نہ کریں۔ جب وہ اس قصور کے مجرم ہوجاتے ہیں۔ تو اللہ تعالے خاص اور عام کو عذاب میں مبتلا

کردیتا ہے۔

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے۔ کہ اُسوقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں گردنکش ہوجاوینگی۔ اور تمہاری فرمانبرداری نہ کرینگی۔ اور تمہاری جوان فسق اور فجور میں مبتلا ہوجاوینگے۔ اور تم [illegible] پسلے والے [illegible]۔ اور لذات نفسانی میں مشغول ہوجاؤگے۔ صحابہ نے عرض کیا [illegible] نے حکام کی اصلاح اور نصیحت [illegible] کی قسم ہے جسکی قدرت کے قبضہ میں محمدؐ مستفاد ہوتا ہے۔ پہلے علمائے دین کو وجہ ہے۔ کہ اسپر عمل کی بعد اس سے اور بدتر کیا ہوگا۔ آپنے علماء خود غفلت کے جنگل میں خوار پھرتے ہیں۔ اور اپنے انبیاء کی با[illegible] صحابہ نے عرض کیا۔ کہ یا ہیں۔ اور غصہ اور کینہ کے غبار نے انکے دل [illegible] آپنے فرمایا کہ محمد کی جان اسکے قبضہ قدرت میں ہے امیدیں بیوفائی سے تیرہ و تار ہوگئ آپنے فرمایا کہ معروف کو منکر سمجھینگے اور منکر کو معروف۔ انہوں نے رسمی کو اپنی [illegible] رسول اللہ کیا ایسا وقت بھی آئیگا۔ آپنے فرمایا ہاں۔ اللہ جلشانہ اپنی عزت اور جلال دوسروں اٹھا کر کہتے ہیں۔ کہ اس قوم کو ہم ایسی بلاؤں میں مبتلا کرینگے۔ کہ انکے نیک اور دانا اسمیں حیران اور ششدر رہ جائینگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اگر کوئی ایسے مقام میں جاوے کہ وہاں حق کہنے کی ضرورت ہو۔ اور وہ حق کہہ بھی سکے۔ مگر وہ عمداً خاموش رہے۔ اسکو ایسا کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ حق کہنا اسکے اجل کو قریب نہیں کر دیتا۔ اور جو اسکی قسمت ہے اس سے وہ بے نصیب نہیں رہتا۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو انکے رہنے والوں سمیت اُلٹا کر دو۔ فرشتہ نے عرض کی یا اللہ تیرے خاص بندوں سے ایک بندہ اس شہر میں ہے۔ جو ایکدم بھی تیرے حکم اور طاعت سے باہر نہیں ہوتا۔ حکم ہوا کہ اس شہر کو اوروں کے سمیت اسکو بھی جلدی الٹا دو۔ کیونکہ اسنے بدکار فاسقوں کے ساتھ ہماری محبت کی خاطر ایک گھڑی بھی ترش روئی نہیں کی۔

عائشہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ نے ایک شہر

کو عذاب میں گرفتار کیا۔ اور ہلاک کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس شہر میں اٹھارہ ہزار مرد صالح تھے۔ جنکا عمل انبیا کے عمل کے برابر تھا۔ فرشتوں نے عرض کی کہ یا پاک پروردگار وہ باوجود ان اعمال صالحہ کے کیوں ہلاک کیئے گیے۔ جواب ملا کہ اعمال صالحہ تو رکھتے تھے مگر امر معروف نہ کرتے تھے۔ اور دوسروں کو بُرے کاموں سے نہ ہٹاتے تھے۔ اسلیئے ہلاک کیئے گئے غائب ہے۔ مگر وہ اس ر [illegible] کہ تیرا کونسا

عروہ ابن زبیر نے فرمایا۔ اپنے با [illegible]

بندہ تجھے بہت پیارا ہے۔ آپنے فرمایا۔ لوگوں کو نیک کاموں کیطرح متوجہ کرو۔ اور فرمان حق کی [illegible] دوسرے اپنی خواہشات [illegible] اللہ تعالیٰ تمہارے بدوں کو تمہاری نیکیوں پر مسلط کریگا جو ظلم اور ستم سے [illegible] یا حادثہ پیش آتا ہے۔ تو وہ ہمارے صالح بندوں کی بددعا کرینگے۔ اور وہ قبول نہ ہوگی۔ [illegible] سے دعا کی خواہش کرتا ہے۔ جسطرح شیرخوار بچہ اپنی ماں کیطرف دوڑتا ہے خدا کے راستہ میں ایسی [illegible] چاہتا ہے۔ سوم یہ کہ جب وہ معاصی کو دیکھتا ہے۔ اُسکی طبیعت میں صرف للہ غضب [illegible] ادتوں کا قدر [illegible] ہماری رضا کیواسطے پلنگ کیطرح غضب کرتا ہے کہتے ہیں کہ پلنگ کی یہ خاصیت ہے کہ غضب کے وقت خلقت کی کمی اور زیادتی کی پرواہ نہیں کرتا اور خلقت کی ملامت اور تباہ کرنیکا خوف نہیں رکھتا۔ پس مومن کو چاہیئے کہ معاصی اور مناہی کو دیکھکر امر معروف اور دفع منکرات میں صرف خدا کیواسطے کوشش کرے۔ اور دینی غیرت اور غضب اور حمیت اسپر اسقدر غالب ہو کہ مخالفوں کی کثرت کی بالکل پرواہ نہ کرے۔ اور بادشاہوں کے دبدبے اور خوف اسکے خیال میں نہ آویں۔ اور نصرت الٰہی اور باطل کو دفعیہ میں مال اور جان کو قربان کر دے۔

ابی عبیدہ بن الجراح نے کہا۔ کہ میںنے رسول اللہ علیہ السلام سے پوچھا۔ یا رسول اللہ خداوند کی بارگاہ میں شہیدوں سے کون زیادہ گرامی ہوگا۔ آپنے فرمایا ایک شخص بادشاہ ظالم کے روبرو سچی بات کرتا ہے۔ اور اسکو عبادت کیطرف متوجہ کرتا ہے۔ اور عذاب آخرت سے ڈراتا ہے۔ اور ظلم اور معاصی سے اسکو بچاتا ہے وہ ظالم اسکو مروا ڈالے وہ شہدا سے اول نمبر پر ہوگا۔ اگر وہ نہ بھی مارا جاوے۔ تو خواہ وہ کتنی ہی مدت اور زندہ رہے۔ فرشتے اُسکے اعمال کو نہیں لکھتے۔

عبداللہ ابن عباس نے روایت کی۔ کہ لوگوں نے رسول علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ جس شہر میں مرد صالح ہوں۔ کیا اس شہر کو بھی خدا تباہ کر دیتا ہے۔ آپنے فرمایا ہاں۔ انہوں نے سوال کیا۔ کہ کیوں

آپنے فرمایا کہ جو شخص معاصی کو سبک سمجھتا تھا۔ اور منکرات پر چپ کر رہتا تھا۔

عبد اللہ بن عمر نے روایت کی۔ کہ ابو ہریرہ نے فرمایا۔ کہ رسول علیہ السلام نے تین دفعہ فرمایا۔ کہ دین نصیحت ہے۔ لوگوں نے فرمایا۔ آپنے کسکے واسطے فرمایا۔ آپنے فرمایا کہ پروردگار کی رضا اور اُسکے حکم کے اجراء اور اہل اسلام کے حکام کی اصلاح اور نصیحت دینی کے اجراکیواسطے جو کلام الٰہی اور اخبار نبوی سے مستفاد ہوتا ہے۔ پہلے علمائے دین کو واجب ہے۔ کہ اسپر عمل کریں۔ بڑا افسوس ہے۔ کہ اس زمانہ کی علماء خود غرضات کے جنگل میں خوار پھرتے ہیں۔ اور اپنے اختیار کی باگ نفس اور ہوا کے ہاتھ میں دیچکی ہیں۔ اور غصہ اور کینہ کے غبار نے اُنکے دل کے شیشہ کو دُہندلا کر دیا ہے۔ اور انکے باطن حرص بیجا اور امیدیں بیوفا سے تیرہ و تار ہوگئے ہیں۔ اور امور فانی کی زینتوں کو اُنہوں نے اپنا قبلہ بنالیا ہے۔ اور علم رسمی کو اپنی شہرت اور رہبری کا وسیلہ خیال کرتے ہیں۔ جبکہ یہ گروہ خود نصیحت کے محتاج ہیں۔ دوسروں کو خاک نصیحت کر سکتے ہیں۔ (او خویشتن گم است کرا رہبری کند)۔

عبد اللہ بن مسعود نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو پیغمبر ہمنے بھیجا ہے اسکے حواری بھی ہوتے تھے۔ اور جب تک اللہ چاہتا ہے وہ نبی انمیں رہتا ہے۔ اور اللہ کے احکامات پر عمل کراتا ہے اور اسکے امر کی اطاعت کراتا ہے۔ جب اُس نبی کا وصال اس دنیا سے ہوجاتا ہے تو اسکے حواری قائمقام ہوکر اللہ کی کتاب اور امر پر اور نبی کی سنت پر عمل کراتے ہیں۔ جب وہ بھی چلے جاتے ہیں تو ایک قوم انکے پیچھے آتی ہے۔ جو انکی باتیں تو یاد کرلیتے ہیں اور منبروں پر بیٹھکر طول طویل حکایات بیان کرتے ہیں۔

باتیں تو اچھی کرتے ہیں۔ مگر کام نہایت برے کرتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا میرے پیچھے بھی ایسا ہی ہوگا۔ جو شخص انکو دیکھے اسپر فرض ہے۔ کہ انکو قتل کرے۔ اور اگر ہاتھ سے کچھ نہ کرسکے تو زبان سے منع کرے۔ اور اگر زبان سے بھی منع نہیں کرسکتا تو انکو دل سے بُرا جانے۔ جو شخص اتنا بھی نہیں کرسکتا۔ وہ مسلمان ہونے کا دعوے کیونکر کرسکتا ہے

العزیز جب آیات بینات اور احادیث خیر سمات سے معلوم ہوا کہ امر معروف اور نہی منکر واجبات سے ہے۔ اب جاننا چاہیئے۔ کہ جو شخص خلقت میں اس امر شریف کے ادا کرنے پر اپنے آپ کو منسوب اور مشہور کرے اُسکو محتسب کہتے ہیں۔ اور جو کام وہ کرتا ہے اسکو احتساب کہتے ہیں۔ اور جس شخص پر احتساب واقع ہوتا ہے۔ اسکو محتسب علیہ کہتے ہیں۔ اور جس کام کے واسطے کوئی آدمی احتساب کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ اُس کام کو محتسب فیہ کہتے ہیں۔

رکن اول محتسب

محتسب کے وجوب کی یہ شرائط ہیں۔ کہ وہ شخص اہل اسلام اور مکلف اور قدرت کا موصوف ہو کیونکہ کافر کو احتساب کی قابلیت نہیں ہوتی۔ اور لڑکے پر امور شرعی کی اقامت واجب نہیں ہاں۔ اگر عقلمند لڑکا کسی منکر کا انکار کرے تو جائز ہے۔ اور اسکو ثواب ملتا ہے۔ کسی دوسرے کا حق نہیں کہ اسکو منع کرے۔ یہ ظاہر ہے کہ دیوانہ اور عاجز کو اُسکی اقامت کی قدرت نہیں ہوتی یہ معذور ہیں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حاکم اور عدالت کی اجازت احتساب کی شرائط سے ہے۔ لیکن یہ خیال فاسد ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی میں آیا ہے افضل الجہاد کلمۃ الحق عند امام جائر یعنی افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم حاکم کے روبرو حق بات کہی جاوے۔ صحابہ کرام اور اجماع سلف عظام اور علمائے دین کا احتساب باوصف انکار ملوک اور حکام کے ہوتا رہا۔ اسپر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے اگر ایک اللہ کا بندہ دین کی نصیحت میں مشغول ہو۔ اور بندوں کو مناہی اور معاصی سے روکے۔ اگر بادشاہ اور حاکم اسکے کام پر راضی ہوں تو ثواب میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اگر مانع یا کارہ ہوں۔ تو اُس حاکم سے انکار لازم ہے جسحالت میں حاکم خود منکر ہو رہا ہے۔ تو اُسکا اذن کس حالت میں شرط ہو سکتا ہے۔ آثار صحیح میں آیا ہے۔ کہ رسول علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے لیکر مروان کے زمانہ تک عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرتے تھے۔ اور منبر وغیرہ نہ ہوتا تھا۔ رسول علیہ السلام کھڑے ہو کر اپنا منہ مبارک قوم کیطرف کرتے اور عید کا خطبہ پڑھتے۔ بعد ازاں خلفائے راشدین بھی ویسا ہی کرتے رہے۔ جب مروان کی خلافت کا زمانہ آیا۔ تو اسنے عید گاہ میں منبر بنوایا۔ اور جب عید کے دن منبر پر بیٹھا تو

ابوسعید خدری نے اُٹھکر کہا۔ اے مردان یہ کیسی بدعت ہی۔ جو تونے شروع کی۔ مروان نے کہا یہ بدعت نہیں۔ یہ زیادتی تیجے مینے صرف اسواسطے کی ہے کہ خطبہ کی آواز دور تک لوگوں کے کانوں میں پہنچی۔ ابوسعید کھڑے ہوکر چلے گئے۔ اور کہا واللہ میں تیرے پیچھے نماز نہیں پڑہتا

نقل ہے کہ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے ساتھ میل ملاپ بہت کم کرتے تھے۔ او جو کام دینی امور سے نہ ہوتا تھا اسکو ہرگز نہ کرتے۔ اور جہاں منکر دیکھتے فوراً روک دیتے تھے۔ خواہ قتل ہی کیئے جاویں۔ اور عزت اور آبرو میں فرق پڑے۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ آپ دریائے دجلہ کے کنارہ پر تشریف لیگئے۔ وضو کر رہے تھے۔ دریا کے کنارے پر ایک ناؤ دیکھی کہ اسمیں بہت سے مٹکے بھرے ہیں۔ اور انکے منھ پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک مہر پر لطیف کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ ملاح سے پوچھا کہ ان مٹکوں میں کیا بھرا ہوا ہے۔ ملاح نے کہا آپ درویش ہیں آپکو اس دریافت سے کیا غرض گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش) شیخ جیو کو اسکی دریافت کا زیادہ خیال ہوا۔ ملاح کو کہا۔ کہ آپ کی نہایت مہربانی ہوگی۔ اگر مجھے بتلاویں۔ کہ امیں کیا چیز بھری ہے۔ ملاح نے کہا تو بڑا فضول آدمی ہے۔ ناحق پوچھتا ہے۔ اچھا میں بیان کرتا ہوں۔ اِن مٹکوں میں شراب بھری ہوئی ہے۔ آج خلیفہ کے ہاں ایک مجلس منعقد ہوگی۔ اُس محفل میں اسکا استعمال ہوگا۔ اُس ناؤ میں ایک بڑا سا لٹھا پڑا ہوا تھا۔ آپ نے ملاح کو کہا۔ ذرا یہ مجھے تو دیجیو۔ ملاح نے غصہ ہوکر اپنے شاگرد کو کہا بھلا اسکو دو تو سہی۔ دیکھیے کیا کرتا ہے۔ ملاح اُٹھا اور وہ لٹھ آپ کو دیدیا۔ شیخ جیو نے وہ لٹھا ہاتھ میں لیکر اُن مٹکوں پر دہڑا دہڑ یکے بعد دیگرے سب کو توڑ دیا۔ ملاح نے واویلا شروع کیا۔ یہانتک یونس بن افلح کوتوال اپنے ملازموں سمیت وہاں آپہنچا اور شیخ کو گرفتار کر کے خلیفہ کے روبرو پیش کیا کہتے ہیں کہ اندنوں میں خلیفہ معتضد تھا۔ اور وہ نہایت غصیلہ تھا۔ اور اُسکے ظلم کا یہ عالم تھا کہ اسکے حکم سے پہلے اسکی تلوار چلتی تھی۔ یہ بات سنکر تمام اہل بغداد غمگین ہوئے۔ انکو یقین تھا۔ کہ شیخصاحب اس ظالم کے ہاتھوں سے جانبر نہ ہونگے۔ جب شیخ جیو کو اُس ظالم کے روبرو اُنہوں نے پیش کیا۔ تو معتضد لوہے کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہاتھ میں لوہے کے گرز کو پکڑ رہا تھا

شیخ صاحب سے چلا کر بولا۔ تو کون ہے اور تو کیا طاقت رکھتا ہے جو تو نے گستاخی کی ہے۔ شیخ جیونے جواب دیا کہ میں محتسب ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ کسکے حکم سے احتساب کرتا ہے۔ آپنے جواب دیا اللہ اور رسول کے حکم سے۔ خلیفہ نے کہا تجھے محتسب کسنے مقرر کیا۔ آپنے جواب دیا جسنے تجھے بادشاہ بنایا ہے اسنے مجھے بھی محتسب مقرر کر دیا۔ کچھ دیر تک معتضد دلمیں سوچتا رہا۔ سر اٹھا کر کہا کہ تجھے کس جرأت نے اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ تو نے میرے مٹکوں کو توڑ دیا۔ شیخ نے فرمایا تیرے پیار اور تیرے فائدے نے۔ بُرے کام سے مینے تجھے منع کیا۔ گویا مینے کوشش کی ہے کہ قیامت کے دن تو مواخذۂ الٰہی میں گرفتار نہ ہو جاوے۔ اور تیرا یہ خوبصورت چہرہ دوزخ کی آگ میں جھلسا نہ جاوے۔ معتضد نے کہا کہ مینے آپ کو اجازت دیدی کہ آیندہ جس منکر کو دیکھو اسکو روکا کرو۔ آپکا کوئی مزاحم اور متعرض نہ ہوگا۔ شیخ جیونے کہا کہ اب تک تو میں یہ کام اللہ کے حکم سے کرتا رہا۔ اب جب تیرے حکم سے یہ کام کرونگا تو گویا تیرے حکم کا تابع ہو جاؤنگا یعنے خلقت کو تیرے حکم سے ستاؤنگا۔ اور یہ مجھسے ہر گز نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر تیری اطاعت کروں۔

اللہ والے غیریت سے ہر ایک امر میں بھاگتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اللہ والا ہی رکھنا چاہتے ہیں اس قسم کی حکایات صحابہ کرام اور تابعین عظام اور علمائے اور مشائخ سلف علیہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بہت سے منقول ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے خلفائے اور بادشاہوں کے احکامات کا انکار اکثر مواقع پر کیا ہے۔ یہ سب حکایات اور حالات اس امر پر دال ہیں کہ امر معروف کی اقامت میں بادشاہ اور حاکم کے اذن کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں اسموقعہ پر اتنا کہنا ضروری ہے۔ کہ جسجگہ فتنہ تک نوبت پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ وہاں ضرور بادشاہ کو ساتھ ملا لینا چاہیئے۔

تحقیق مسئلہ احتساب و محتسب

جاننا چاہیئے کہ محتسب کو احتساب میں پانچ حالتیں اختیار کرنی چاہئیں۔ مگر وہ ظاہری نہوں باطنی ہوں۔ اوّل تعریف۔ دوم نرم نرم لفظ اور سنجیدہ باتیں۔ سوم سخت گیری اور دشنام ہی

یعنے یہ کہنا اے جاہل۔ اے احمق۔ اے بے شرم۔ چہارم منکرات سے منع کرنا جبکہ وہ فعل منکر ہو مثلا
شراب کے برتنوں اور آلات مناہی کو توڑنا۔ اور ابریشمی کپڑوں کا مردوں سے اُتار دینا
اور اشیاء غصب کردہ کو اصل مالک کیطرف واپس کرنا۔ پنجم ڈرانا۔ اور خوف دلانا یا مارنا۔
اگر وہ سمجھے۔ کہ ملامت اور جھڑک میں مارکوٹ کی حاجت پڑتی ہے۔ اور یہ معاملہ شور اور فساد
تک پہنچنے والا ہے۔ تو بادشاہ اور حاکم کے اذن کے بغیر نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے امورات میں اگر حاکم
کی شمولیت ہو جاوے گی۔ تو پھر کسی قسم کا خوف اور خطرہ اور فتنہ کا اندیشہ نہ رہیگا۔ اور عامہ شورش
کا کوئی ڈر نہ رہے گا۔

اور جو لوگ احتساب یا امامت کی شرط عصمت جانتے ہیں۔ وہ تعصبات عامہ سے ہے
اسکا جواب دو وجہ سے دیا جاتا ہے۔ ایک عقلی دوم نقلی۔ یہ دونو جوابات انکے ردی خیالوں کو
ہباءً منثورًا کردینگے۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم الخ یا عیسے
عظ نفسك فان تعظت تعظ الناس۔ اس آیت سے تنبیہ ہے اُن لوگوں کیواسطے ہے کہ دوسروں
کی مہم کے اشتغال کے خیال سے اپنے ضروری کام کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جو داخل حماقت ہے۔
اس قسم کی اور بہت سی آیات اور احادیث احتساب کے احکامات کی افضلیت پر اور محتسب
کی اولویت (بزرگی) پر دلالت کرتی ہیں۔ بزعم مخالفین اس وجوب کی کمزوری پر ہرگز دلالت
نہیں کرتیں اور جو لوگ بطور استدلال قیاس کرتے ہیں کہ زکوۃ کی صفائی نصاب کی صفائی پر اور دوسرے کا قائم
ہونا مقوم کی اقامت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ سب کے سب جاہلوں کے خیالات میں ان سب کا جواب
یہ ہے کہ ہم اس قائل سے (جو احتساب کی شرط کو عصمت سمجھتا ہے) سوال کرتے ہیں۔ کہ احتساب کی
شرط عصمت ہی یا نہیں۔ اگر وہ کہے کہ ہے تو یہ کہنے والا اس قول کے بموجب امت کے اجماع کا
مخالف ہی اور احتساب کے دروازہ کو بیوقوفی سے بند کرنا چاہتا ہے کیونکہ اصحابہ کرام جو امت کے افضل
اور اکمل ہیں۔ انکی بابت عدم عصمت کا اتفاق ہے۔ دوسروں کو جانے دو بلکہ اللہ جلشانہ کا
یہ فرمان کہ وعصیٰ آدم ربہٗ فغویٰ اس امر پر صریح دلیل ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (جاہلوں

انبیا اور ابو البشر ہیں) معصیت کی نسبت دیجاتی ہے۔ اور ایسا ہی انبیا اور رسول علیہ السلام کی اس قسم کی دیگر حکایات اسی دعوے کی مؤید ہیں۔ اور سعید بن جبیر (جو اکابر تابعین سے ہیں) فرماتے ہیں۔ کہ اگر احتساب اور امامت کی شرط عصمت ہوتی۔ تو کوئی تبلیغ نہ کرتا۔ اس مسئلہ میں حق بات یہ ہی۔ کہ احتساب اور امامت کی شرط عصمت نہیں ہے۔ کیونکہ فاسق کو چاہیئے کہ دوسرے فاسق کو فسق سے منع کرے۔ مثلاً ریشم کے پہننے والے کا حق ہے۔ کہ شراب خوار اور زانی کو منع کرے کیونکہ شراب کا پینا اور زنا کرنا جامہ ریشمی پہننے کی نسبت کبیرہ ہے اور شراب پینے والے اور زانی کو سزاوار ہے کہ کسی نفس کو قتل کرنے والے کو قتل اور خون سے منع کرے۔ بلکہ شراب پینے والے کو لازم ہے۔ کہ اپنے نوکر چاکروں کو شراب پینے سے روکے۔ کیونکہ جو گناہ وہ خود کرتا ہے اسکا ہٹانا بھی اسپر واجب ہی۔ اور جو دوسرا آدمی گناہ کرتا ہے اسکا روکنا بھی واجب ہی۔ اپنے وجودی واجب کے ترک کرنے سے دوسرے واجب کا ترک کرنا لازم نہیں آتا۔ اور ایک معصیت کے ترک کرنے سے دوسرے گناہ کا ترک کرنا مباح نہیں ہوجاتا۔ اور ایک حرام کے اختیار کرنے سے دوسرا واجب حرام نہیں بنجاتا۔

افسوس کہ رسمی عادات اور لغو گفتگو اور جھوٹے خیالات اور فاسد حالات عام خلقت کے نفسوں پر غالب ہوگئے ہیں۔ اور جاہلوں کی بصیرت کی آنکھ حقائق شرعی کے مطالعہ سے اندھی ہوگئی ہیں اور بدبختی کے کورچشموں کی اندھی طبیعتیں اوامر کے قبول کرنے سے متنفر ہوگئی ہیں چنانچہ ایک آدمی نے دوسرے سے بے لگام گھوڑا غصب کیا ہے۔ اور وہ شخص غاصب سے لگام مانگتا ہے۔ اور گھوڑے کا ذکر نہیں کرتا۔ اور ایک آدمی خلقت کے روبرو کسی ظالم کے ہاتھ سے کسی مظلوم کو بچانا چاہتا ہے۔ لیکن اپنے باپ کو مظلوموں سے چھوڑ جاتا ہے۔ اسلیئے عام لوگوں کی طبیعتیں ایسے آدمی کے کاموں سے نفرت کرتی اور یہ نفرت اور دوری جو عام جاہلوں کے نفسوں میں راسخ ہوچکی ہے اس بات پر دلیل ہین نہیں کہ اہم کام کا چھوڑنا نہایت ضروری کام کی نفی کردیتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

احتساب کے دوسرے درجہ میں سے پہلا مرتبہ وعظ ہے۔ یہ مرتبہ فاسقوں سے ساقط ہے۔ کہ فاسق کا وعظ غالباً دوسرے پر اثر نہیں کرتا۔ اور اگر موقعہ وعظ میں اسکا انکار بھی کوئی کردے تو وعظ کی عزت ملیا میٹ

ہوجاتی ہے۔ واعظ کی نسبت اس امر کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔

جب یہ مسائل معلوم ہوگئے تو جاننا چاہیئے کہ احتساب تین قسم پر ہے (نوع اول) احتساب برابر کا برابر پر۔ اور احتساب عوام کا عوام پر ہے۔ اور احتساب خواص کا خواص پر ہے کیفیت سابقہ سے اسکا حال معلوم ہوچکا ہے۔

(نوع دوم) احتساب اعلےٰ کا ادنےٰ پر جیسا کہ بادشاہ کا احتساب رعایا پر اور والدین کا فرزند پر اور خاوند کا عورت پر اور افسر کا ملازم پر اس قسم کے احتساب کی بابت بہت گنجائش ہے اور اسکے احکام مراتب خمسہ میں جاری ہیں۔ اور قابل اصلاح کی درستی جسطرح ہوسکے ضرور کرنی چاہیئے۔

(نوع سوم) احتساب ادنےٰ کا اعلےٰ پر جیسا کہ رعیت میں ہر ایک کا احتساب بادشاہ پر ہو اور شاگرد کا استاد پر اور فرزند کا باپ پر اور عورت کا خاوند پر اور نوکر کا افسر پر۔ اس قسم کا احتساب مرتبہ سوم اور پنجم سے ساقط ہے۔ اور مرتبہ اول میں واجب ہے جس سے مراد وعظ ہے۔ کیونکہ یہ احتساب واجب ہے اور مرتبہ چہارم میں اختلاف ہے۔ چنانچہ فرزند صالح کو فاسق باپ پر مرتبہ اول و دوم میں جسکو تعریف اور وعظ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور مرتبہ سوم میں جس سے مراد ڈرانا دھمکانا اور سخت گیری کرنا ہے اور مرتبہ پنجم میں جس سے مارنا مراد ہے حرام ہے۔ اور مرتبہ چہارم میں بدلنے سے مراد ہے۔ مثلاً مزامیر کا توڑنا اور شراب کا لنڈھانا۔ اور ریشمی کپڑوں کا اتارنا باپ کے بدن سے اور باپ سے غصب یکردہ مال کو لیکر اصل وارث کو دلانا۔ اور گھر کی دیواروں سے تصویروں کا مٹا دینا اور سونے اور چاندی کے برتنوں کا توڑنا۔ اور ایسے چیزوں سے جنسے باپ ناراض ہو اختلاف ہے۔ یہ ظاہر بات ہے۔ کہ بیٹے کو احتساب کرنا ضروری ہے۔ بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ فرزند کا فعل اس قسم احتساب میں گونہ طاعت ہے۔ اور باطلہ محبت کے باعث باپ کا غصہ جو اسکے نفس میں راسخ ہوچکا ہے۔ معصیت ہے۔ اور اسکا کوئی اعتبار نہیں۔ ہاں اگر فرزند اس قسم کا احتساب کرے کہ باپ کی ساتھ سخت گیری اور مار کوٹ تک نوبت پہنچائے بالکل حرام ہے۔ کیونکہ والدین کے حقوق میں خاصکر

آیات اور احادیث وارد ہیں۔ اس حکم سے عام حکم کا استثنا ثابت ہوتا ہے۔ اور جمہور اصحاب
پر متفق ہیں کہ جلاد کو نہ چاہیئے۔ کہ اپنے باپ کو قصاص کی حدود میں اپنے ہاتھ سے قتل کرے
گو کافر ہو۔ پس جب بیٹے کو اس حکم سے روکا گیا ہے کہ باپ کو قطعاً عذاب نہ دے۔ اور پھر ان عذابوں
کا دینا جنکا گناہ عالم آخرت میں متوقع ہے۔ بطریق اولی منع ہے۔ اور زوجہ اور نوکر کا حکم اپنے خاوند
اور مالک کی بابت باپ اور بیٹے کیطرح ہے۔ اور رعیت کا احتساب بادشاہ پر اسی قسم کا احتساب
معذبانہ نہایت سخت ہے۔ کیونکہ کسی رعایا کا احتساب بادشاہ اور حاکم کی نسبت تعریف اور
لطف اور نرمی اور وعظ اور نصیحت کے سوا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن طاقت جو محتسب کی شرائط سے
ہے۔ جسکا ذکر ہم اول باب میں کر چکے ہیں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عاجز آدمی احتساب کر ہی نہیں سکتا۔
ہاں دل میں اس کام اور فعل کو برا سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی اسکی شاہد ہے۔

اسموقعہ پر محتسب کی قدرت اور عجز کے رو سے چار حال ہو سکتے ہیں (اول وجوب) دوم سقوط
وجوب) سوم استحباب۔ چہارم تحریم۔

حالت اول سے قدرت مطلق مراد ہے جس سے یقینا جانے کہ اوسکے احتساب سے منکر بدل جاویگا
اور اس سبب اسکے مال اور جان کو بھی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچیگا۔ ایسی حالت میں احتساب کا کرنا
فرض ہے۔

حالت دوم یہ ہے

کہ وہ سمجھے کہ احتساب مفید نہ ہوگا۔ بلکہ محتسب کو ضرر پہنچے گا۔ اسحالت میں وجوب کا چھوڑنا جائز ہے

حالت سوم یہ ہے۔

کہ وہ جانتا ہے کہ میرا احتساب نہ تو مفید ہوگا۔ اور نہ ہی ضرر کا خوف ہوگا۔ گو اسموقعہ پر احتساب
لازم نہیں لیکن شعار اسلام کے لیئے جائز ہے اور محتسب جب علم اور پرہیزگاری میں موصوف ہو اور
یہ بھی جانتا ہے کہ اُسکے احتساب کا اثر منکر کے ہٹانے اور فاسق کے خیالات کے ہٹانے میں اہل دین کے
دلوں کی تقویت کا باعث ہے۔ تو چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر مال اور مرتبہ کے زوال کی بالکل پرواہ نہ کرے

اور قتل سے نہ ڈرے اور دین کی نصیحت کو نہ چھوڑے۔ اگر وہ جانے کہ اسکے طفیل اسکے خویش واقارب
اور دوستوں کو ضرر پہنچیگا۔ تو ایسی صورت میں امر معروف نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اسکا احتساب
ایک منکر کو ہٹاتا ہوا دوسرا منکر پیدا کردیتا ہے۔ اور یہ دوسرا منکر پہلے منکر سے قبیح اور برا ہے۔ اسکی
یہ مثال ہے کہ ایک ظالم کسی عاجز کی بکری کو ذبح کرنے لگا ہے۔ اگر محتسب اس ظالم کو اس سے منع کرے۔ وہ
بھڑک اٹھتا ہے۔ اور اس کہنے والے کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ اس قسم کا احتساب حرام ہے۔ لیکن اگر
کوئی شخص چاہتا ہے کہ میں اپنے ایک صحیح عضو کو آپ ہی کاٹ ڈالوں اور وہ قتال کے سوا اس سے
وہ ہٹ نہیں سکتا۔ اور ممکن ہے کہ اسکی اس کشمکش میں قتل تک نوبت پہنچ جاوے۔ صحیح بات یہ
ہے۔ کہ اسکو اس سے منع کرنا چاہئے منکرات اور معاصی کے روکنے کی اس سے غرض ہے۔ اگر وہ قتل
ہو بھی جاوے تو معصیت نہیں۔ کیونکہ اسکا اپنے عضو کو قطع کرنا معصیت ہے اسکی مثال یہ بھی ہے
کہ حملہ آور کے حملہ کا دفع کرنا کسی مسلمان کے مال پر خواہ ایکدرم ہی ہو۔ ضرور چاہئے۔ اگر اس دفع کرنے میں
حملہ آور کا نقصان ہو جاوے یا قتل ہو جاوے تو یہ امر قابل مواخذہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص مسلمان کا
مال غصب کر رہا ہو۔ اسمیں غاصب کا قتل کرنا کوئی گناہ نہیں۔ شارع کا مقصود معاصی کا روکنا ہے
اور یاد رکھو کہ معاصی کی تین قسم ہیں۔ ماضی۔ حال۔ مستقبل۔ معصیت ماضی یعنی زانی گذشتہ کی
زنا اور خمر نوشی کیطرح ہے۔ کہ زمانہ گذشتہ میں وہ ہوا تھا۔ اب اسکے آثار مٹ گئے ہیں۔ اسلیئے اسکی
روک حدود اور تعزیر کے متعلق ہے۔ جو حکام اور امرا کے بغیر رعایا میں سے اور کسی کا اسمیں دخل
نہیں۔

دوم معصیت حال کہ اس فعل کا کرنیوالا اسوقت کر رہا ہو مثلاً ساز اور مزامیر اور خمر اسکے
پاس موجود ہوں۔ اور ریشمیں کپڑا پہنا ہوا ہو۔ وغیرہ ازیں قسم معاصی موجود ہوں۔ جسقدر ممکن
ہو سکے اونکا روکنا واجب ہی اور اوس امر معروف کا تارک گنہگار رہتا ہے۔ اور تمام مسلمان اسمیں
شریک ہوتے ہیں۔ اور جبتک وہ گناہ قبیح اور فحش ہوگا تب تک کے سب گنہگار ہونگے۔

سوم معصیت مستقبل میں آنی والی ہو۔ چنانچہ شراب نوشی کیواسطے مجلس آراستہ کرنا اور اسباب زنا وغیرہ

کی تیاری کرنا درحالیکہ ابھی شراب اور عورات مغنیہ موجود نہ ہوں۔ یہ امر مشکوک ہے۔ اور یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ عین معصیت کی موجودگی میں میسر نہ ہو۔ شاید کوئی ایسی رکاوٹ قوی واقع ہو کہ وہ کام پورا نہ ہوسکے ایسی حالتمیں احتساب کرنا لازم نہیں۔ مگر بعض کام ایسے ہیں جنسے حرام کی توقع یقینی ہو۔ انکو ابتدائی حالت میں روکدینا نہایت ضروری ہے۔ مثلاً اوباش اور شہدوں کو اون حماموں کے قریب کھڑا ہونا جہاں مستورات غسل کیواسطے آتی ہوں۔ یا گزروں پر صرف عورتوں کے دیکھنے کے واسطے کھڑے ہوں یا خلوت مرد اجنبی اور اجنبیہ عورت کی ہو۔ چونکہ ان حالات میں وقوع معصیت کا یقین کامل ہے۔ اسلیئے ایسے امورات کا ابتدائی حالت میں روکنا۔ قاضی محتسب پر واجب ہے۔

رکن دوم نفس احتساب

اس رکن کے آداب کے سات درجہ ہیں (اول) معرفت منکر (دوم) تعریف بہ وعظ ونصیحت (سوم) عنف (چہارم) تغیر (پنجم) تہدید بضرب (ششم) مباشرت ضرب (ہفتم) استظہار باعوان ومقاتلہ ان قسموں کی تفصیل اب مشرح بیان کیجاتی ہے

درجہ اول معرفت منکر اور اسکے آداب۔ اسدرجہ کا ابتدائی درجہ یہ ہے کسی منکر کی خواہ مخواہ تلاش اور تجسس میں نہ پڑنا چاہیے۔ اور کسی مکان کے دروازے اور جھروکے پر کان لگا کر کسی کی بات یا راز معلوم نہ کرنا چاہیئے۔ اور خواہ مخواہ کسی بوتل یا گلاس سے شراب کی بو کو نہ سونگھنا چاہیئے۔ اور اگر کسی نے مزامیر وغیرہ کپڑے کے تلے چھپایا ہوا ہے۔ چنانچہ اسکی شکل بھی نظر نہیں آتی۔ ہاتھ سے پردہ اسکا نہ اٹھانا چاہیئے۔ اور کسی کے حالات اسکی عدم موجودگی میں اسکے پڑوسی سے نہ پوچھنے چاہییں خواہ دو غلام یا ایک مرد عادل اس امر پر گواہی دیں۔ کہ فلاں آدمی گھر میں بیٹھکر شراب پیتا ہے۔ صحیح بات تو یہہ ہے کہ اسکی اجازت کے بغیر اسکے گھر میں جانا اور لوگوں کا ہجوم کرکے اسکے گھر پر دھاوا نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جبتک دو مسلمان عادل کی شہادت ثابت نہ ہوجاوے۔ تب تک مسلمان کے حق میں دخیل ہونا منع ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں یہہ

کندہ تھا۔ الستر لما عاینت احسن من اذاعتہ ما ظننت یعنے جس عیب کو تونے دیکھا ہے۔ اسکو چھپانا اس عیب کے ظاہر کرنے سے اچھا ہے جو بھی گمان میں ہے۔

درجہ دوم تعریف بہ وعظ و نصیحت ہے۔

اسدرجہ میں محتسب کا ادب یہہ ہے۔ کہ پہلے بہت عمدہ طور پر تعریف کرے۔ اور نصیحت اور موعظت مین نہایت نرمی سے برادری کے حقوق کو بجالاوے۔ کیونکہ عام خلقت کی دلیری منکرات میں جہالت کی باعث ہوتی ہے۔ اور وہی جہالت غالب ہو کر انکو اس نیک کام سے روکتی ہے۔ جب وہ منکرات کی حقیقت پر واقف ہو جاتے ہیں۔ فوراً چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا ہونا چاہیئے کہ مخول اور ٹھٹھا لڑائی اور جھگڑے تک نہ پہونچے۔ اگر اسکا معاملہ لڑائی اور جھگڑے تک پہونچ جاوے۔ تو پھر وعظ اور نصیحت کچھ مفید نہیں ہوتا اور انسان کی جبلی عادت ہے کہ اپنے نقصان اور برائی کے ظاہر ہونے سے جھجکتا ہے۔ اور جہل اور ضمانت اندرونی عیب ہے۔ اور اندرونی عیب کا پایا جانا اسکے ظاہر ہونے سے بھی برا ہے۔ اسلیئے اکثر آدمیوں کی طبیعتیں اپنے عیب کے چھپانے میں ستر عورت کے ظاہر کرنے سے زیادہ حریص ہیں۔

ارباب نفوس کا یہ کام ہے۔ کہ اگر مجلس میں ایک شخص سے خطا سرزد ہو۔ تو صاحب مجلس تمام حضار پر ناراضی ظاہر فرماتے ہیں۔ یا نہایت لطف اور شفقت سے سب کو ہدایت دیتے ہیں۔ اسکا اصل منشا یہ ہوتا ہے۔ کہ جس شخص کی غلط فہمی ہوتی ہے وہ سمجھ جاتا ہے۔ اور عام حاضرین پر اُسکی جہالت معلوم نہیں ہوتی۔ اس مرض کا دور کرنا حسن نصیحت اور نرمی کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔ بڑا ضروری کام یہہ ہے۔ کہ مخول اور مسخری ایک گونہ کی ایذا ہے۔ جب ایک مسلمان کی تقریر منکرات پر خطرناک ہے تو مومن کی ایذا بھی بے ضرورت حرام ہے اور محذور اور منکر سے چپ رہنا اور ایذا اور خوف کا اظہار نرمی اور وعظ سے پہلے کرنا ایسا ہے کہ گویا مغلظہ پلیدی کو پیشاب سے دھو لینا ہے۔ یعنے بالکل بے فائدہ ہے محتسب کو چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر بات کو وعظ کے طور پر ادا کرے اور قبر کے عذاب اور قیامت کی صدمات کو بیان کرے۔ اور جو احادیث اسبات کے وعید میں وارد ہوئی ہیں پیش کرے۔ اور اکابران امت اور سلف صالحین کے خصائل اور رویہ سے آگاہ کرے۔ اور کسی سے گناہ کار کے گناہ کو اپنا گناہ سمجھے

دریہ جاننے کہ تمام اہل اسلام نفس واحدہ ہیں۔ چنانچہ حضرت کی حدیث اسپر ناطق ہے۔ المومن کجسد واحد اذا اشتکے عضو منہا تداعے سائرہا بالحمی والسہر آپنے فرمایا کہ تمام مومن جسم واحد کیطرح ہیں۔ اور تن کی یہ خاصیت ہے کہ جب ایک عضو ان سے دردناک ہوتا ہے۔ تمام اعضا تپ اور بیماری میں اس عضو کے شریک ہوجاتے ہیں۔ ایسا ہی صحت ایمان کی یہ علامت ہے۔ کہ جب ایک مومن کو رنج ومصیبت پہونچے۔ تو دوسرے مومن کے وجود میں بھی اسکا الم محسوس ہو۔ اور معصیت دین کی مصیبت ہے۔ اور وہ دنیوی مصیبت سے زیادہ سخت تر اور مشکل تر ہے۔

(درجۂ سوم) سخن درشت اور دشنام سے کام لینا ہے۔ اس درجہ کے آداب ہیں۔

(ادب اول) یہ ہے کہ جب فاسق نرمی اور نصیحت اور وعظ سے راہ راست پر نہیں آتا اور گناہوں پر اصرار کرتا ہی جاتا ہے۔ بلکہ موعظ اور نصائح پر قہقہہ اڑاتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ اسکو سخت سست باتوں اور دشنام اور تہدید سے منع کرے۔ ہاں دشنام میں فحش سے بچا کرے۔ اور ایسی بات کرے۔ کہ واقعی جھوٹ نہ ہو۔

چنانچہ ان لفظوں کا استعمال کرے۔ اے فاسق۔ اے جاہل۔ اے احمق۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص نفسانی خواہشات کی مطابقت کرتا ہے اور احکام حقانی کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ احمق ہے۔ چنانچہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ الاحمق من اتبع نفسہ ہواہا وتمنے علے اللہ المغفرۃ احمق وہ ہے جسنے نفسانی خواہشات کا اتباع کیا۔ اور باوصف اس بےعقلی کے اللہ سے مغفرت کا خواستگار ہوا۔

(ادب دوم یہ ہے) کہ جو کچھ حق کہے۔ اور اللہ کیواسطے کہے۔ اور کہتے ہیں بقدر ضرورت خفگی سے کام لے۔ اور درشتی کو حد سے نہ گذارے۔ اور اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچے کہ اسمیں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور نرمی اور وعظ اسکو کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ تو پھر اسکے ساتھ ترشروئی کرنی ضرور پڑتی ہے۔ بلکہ غضب اور ایذا سے کام لینا پڑتا ہے۔

(درجہ چہارم) منکرات کا ہاتھوں سے تغیر کرنا۔ چنانچہ آلات مناہی مثلاً طنبور اور عود اور دوتارہ اور چنگ اور رباب وغیرہ کا توڑنا اور شراب کا لنڈھانا۔ اور ریشمی کپڑوں کا اتروانا

اور غاصب کو مغصوب کے گھر سے نکالنا علے ہذالقیاس اور اس درجہ کا احتساب دو طریقوں پر ہی
پہلا طریقہ یہہ ہے کہ جبتک زبان کی روکنے سے عاجز نہ ہو جاوے۔ ہاتھ سے کام نہ لے۔ کیونکہ مثل
مشہور ہے کہ اگر گڑ سے کام نکل آوے تو زہر نہ دینا چاہیئے۔ دوم جب محتسب کو یہ طاقت اور حوصلہ
ہے۔ کہ غاصب کو ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دے تو اسکے گریبان اور داڑھی تک ہاتھ نہ پہنچاوے
اور آلات ملاہی اور مناہی کو جب توڑ کر خراب کر سکتا ہے۔ انکو نہ جلاوے۔ اور مناہی کے ساز و ملاہی
کے توڑنے میں یہہ خیال رکھے کہ اسکی تجدید اور درستی اصل بنوانے کے مساوی ہو۔ اور خمر کے
گرانے میں وہ برتن جسمیں خمر ہے۔ اگر وہ صلاحیت غیر خمر کی رکھتا ہے۔ اور یہ معلوم ہو کہ اسکا مالک
اس برتن کو کسی دوسری چیز کا مٹکا بنالیویگا۔ تو اسکو توڑنا نہ چاہیئے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ پھر شراب
کا برتن ہی ہوگا۔ تو اسکو ریزہ ریزہ کر ڈالے کیونکہ رسول علیہ السلام کے زمانہ میں خمر کے برتن توڑے
گئے۔ اور یہ حکم منسوخ نہ ہوا۔ اور جب بدکاروں کی مذمت اور جھڑک میں تاکید ہو تو حکم کا جاری کرنا
لازم ہوتا ہے رسول علیہ السلام کے زمان مبارک میں شراب کے برتن کثرت ضرورت کے باعث تنبیہ اور تاکید
کے واسطے توڑے گئے تھے۔ بعد ازاں عدم احتیاج کے واسطے متروک رہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے تو
حکم بھی از سرِ نو لیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ تمام حکم علت کے دور ہونے سے زائل ہو جاتے ہیں
اور اسمیں شک نہیں کہ واپسی کی صورت میں علت بھی واپس آجاتی ہے۔ اور اگر خمر کا برتن بھرا ہوا
ہو۔ اور شراب کے لنڈھانے میں کچھ دیر لگتی ہے۔ اور اتنے توقف میں فاسق آجاتے ہیں۔ اور غالب یقین
کہ وہ گروہ آکر گرانے نہ دینگے۔ یا وہ اکٹھے ہو کر وہ برتن چھین لینگے۔ یا اسکا وقت اسکے آہستہ آہستہ
گرانے میں ضایع ہوتا ہے۔ اور کام بگڑ جاتے ہیں۔ جائز ہے کہ اسکو فوراً توڑ ڈالے۔ کیونکہ منکر کا باطل کرنا
اسکے ذمہ لازم ہے۔ ایسی حالت میں محتسب پر لازم نہیں کہ صرف برتن کے بچاؤ کی خاطر اپنے ضروری
کام کی منفعت اور مصلحت کو ضایع کرے۔ اور اگر شراب کا برتن ایسی جگہہ میں ہے۔ جہاں محتسب کا ہاتھ
نہیں پہنچتا۔ اور وہاں پتھر بھی نہیں پھینک سکتا۔ اسکو جسطرح مناسب ہو توڑ ڈالے۔ ظرف کی قیمت
اسکے ذمے سے ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسمیں ایک راز ہے جو سمجھنے کے قابل ہے۔ محتسب کا منشا

یہ ہے۔ کہ شراب کو گرا یا جاوے۔ مگر وہ برتن درمیان میں حائل ہے اسلیئے اسکے وجود کا توڑنا یعنے مار پیٹ اور پول بیزار سے کام لینا ضروری ہے یہ مسئلہ فقیہی ایسا ہے جسکا جاننا محتسب کو نہایت ضروری ہے

(درجہ پنجم) فاسق کی تہدید اور تخویف ہے۔

اگر محتسب محتسب علیہ کو کہے۔ کہ اس کام کو چھوڑ دے۔ ورنہ میں تیرے سر کو کچل ڈالوں گا۔ یا تجھے تعزیر لگاؤنگا۔ یا حد کا حکم دونگا۔ ہاں ایسے موقعہ پر محتسب ایسا خوف نہ دے جو شرعًا ناجائز ہے۔ یعنے یہ نہ کہے تیرے گھر کو اُجاڑ دونگا۔ یا تیرے بال بچے کو پا بجولان کرونگا۔ کیونکہ اگر ایسے تہدید ازراہِ عزم ہے تو حرام ہے۔ اگر بلا عزم ہے تو اسنے جھوٹ کہا۔ شرع میں جھوٹ بولنا بھی حرام ہے۔ لیکن اگر وعیدمیں صرف بیعزتی کرنے سے اشارہ دے۔ اور اسپر ارادہ بھی پختہ ہے۔ اور وہ عزم شریعت کی مطابق بھی ہے۔ تو جائز ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ فاسق فسق کے کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اور زجر کا زیادہ کرنا اسکا مانع ہوگا۔ اور تہدید اور تخویف کا مبالغہ اسکو ہٹائے گا تو اس قسم کی تہدید خوفناک اور خلاف شرع نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مبالغہ اس قسم کا ہے۔ کہ جب دو بھائیوں کا ملاپ منظور ہو یا عورت اور خاوند کے اصلاح مدنظر ہو۔ تو ایسے امور میں اجازت ہے۔ اور علمائے سلف اسکو مستحب جانتے ہیں۔ اور انہوں نے اسپر عمل بھی کی ہے۔

(درجہ ششم) ہاتھ اور پاؤں سے زدوکوب کرنا اور اس درجہ میں دو شرطیں ہیں اول یہ مارنا ضرورت کے مطابق ہو۔ اور یہ اسلیئے کہا جاتا ہے۔ کہ ظالم اور فاسق کا اصرار۔ یہاں تک ہو۔ کہ اسکو تعریف اور وعظ اور نصیحت اور سخت گیری اور ملامت فسق سے رُکنے نہیں دیتی۔ اسلیئے اس منکر کے دفع کرنے کے واسطے سزا دینا ضروری ہے۔ اور مارنا واجب ہے۔ دوسرا یہ کہ مارنا حد سے نہ گذر جاوے۔ یعنے ضرورت اور جرم کے مطابق ہو۔ جب وہ منکرات کے کرنے سے رک جاوے اسکی دل آزاری میں کوشش نہ کریں۔ چنانچہ قاضی پر لازم ہے۔ کہ قرضدار فراخ دست کو قرض ادا کرنے کے واسطے قید کرنا اور مارنا چاہیئے۔ ایسا ہی محتسب پر اس غفلت کی رعایت واجب ہے۔ اور اگر منکرات کے دفع کرنے میں ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت پڑے تو ضرور اُٹھا کر اسکو روک دے۔ چنانچہ ایک

فاسق نے کسی بیگانہ عورت کو پکڑا ہوا ہے۔ اور وہ اُسکو چھوڑتا نہیں۔ یا بینسری ہاتھ میں پکڑ کر بجا رہا ہے۔ اور اسکے اور محتسب کے درمیان پانی ہے یا چھت ہے۔ جسکے باعث محتسب اسکو پکڑ نہیں سکتا تیر اور بندوق کو اٹھا کر اسے دھمکاوے کہ تو اس منکر کو چھوڑ دے ورنہ تجھپر حملہ کرونگا۔ اگر وہ اسطرح کہنے سے باز نہ آئے تو اسپر تیر چلاوے۔ مگر اتنا ضرور خیال رکھے۔ کہ وہ ہاتھ پاؤں یا پنڈلی پر لگے کسی خطرناک اعضاء پر نہ لگے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جن کاموں کے حقوق اللہ کے متعلق ہیں۔ کوئی آدمی وعظ اور نصیحت کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں حاکم یا بادشاہ ضرب اور حبس کو عمل میں لا سکتا ہے لیکن جمہور ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ حقوق اللہ اور حقوق عباد کے احتساب میں کچھ فرق نہیں کیونکہ احتساب تمام امور میں سب لوگوں پر جائز ہے۔

(درجہ ھفتم) اگر محتسب ضعیف ہو اور فاسق قوی اور موٹا تازہ ایسے منکرات کی بدلنے میں ہتھیاروں اور مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہہ بھی ممکن ہے کہ فاسق کے پاس ہتھیار اور مددگار ہوں۔ اور مقابلہ اور مقاتلہ کے لیئے تیار ہو کر صف آرائی پر تیار ہو۔ یہ درجہ اختلاف کا مقام ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ تن تنہا آدمی کو اس درجہ میں استقلال نہیں رہتا۔ ایسے کام پر دلیری بحکم حاکم اور بادشاہ کے نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ایسی صورتوں میں فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ اور کئی شہر تباہ اور خراب ہو جاتے ہیں۔ بعض علما کا قول ہے کہ حاکم کے اذن کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور یہ قول قیاس کے بہت نزدیک ہے۔ کیونکہ رعیت سے صرف اکیلے آدمی کا امر معروف اور نہی منکر کا کرنا جائز رکھا گیا ہے۔ بلکہ اسکا وجوب نص کتاب سے ثابت ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اسکا اول دوم تک اور دوم سوم تک الغرض لا انتہا درجہ تک پہونچ جاتا ہے۔ اور طرفین کے مقابلہ اور مقاتلہ کی نوبت پہونچ جاتی ہے اور یہ امر معروف کے لوازمات سے ہے۔ پس جو شخص اس طاعت پر قیام کرتا ہے۔ اور فتنہ اور فساد کی تحریک سے مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ اور الٰہی رضا کے لشکر کو اسلام کی فتحمندی اور شرع کی اقامت اور معاصی کے دفع کرنے میں طاعات سے افضل اور عبادات سے اشرف گنتا ہے۔ اور ہم استثنا کو جائز سمجھتے ہیں کہ رعیت کے غریب آدمی بھی کفار کی بیخکنی کے واسطے ہر ایک فرقہ کے ساتھ کفار سے لڑائی کریں

اسحالت میں کفار کا مقتول فضول ہو جاتا ہے۔ اور اہل اسلام کو مقتولین کو شہادت کا خلعت ملتا ہے
ایسا ہی اگر رعیت سے ایک آدمی اہل فسا کا قلع قمع کرے۔ اگر فاسق ظاہر اس معرکہ میں مارا جاوے
تو اسکا خون معاف ہو جاتا ہے۔ اگر مسلمان محتسب مارا جاوے۔ تو وہ مظلوم اور شہید ہو جاتا ہے۔ اور
کافر کے مارنے کی بابت علما کا یہ فتوے دیتے ہیں۔ ولا بابن یقتلہ عند الجمہور

جب امر معروف اور نہی منکر کا انتہا اس حد تک ہے۔ اور یہ حد نوادرات سے ہے۔ اور نادر پر حکم
نہیں ہوتا پس شرعی قانون کا قیاس نوادر ہونے کے واسطے تغیر اور تبدل نہیں پکڑتا۔ جو شخص منکر کے
تغیر پر قادر ہو خواہ زبان سے یا ہاتھ سے یا نفس سے یا ہتھیاروں سے یا مددگاروں سے کر سکے اسپر
لازم ہے کہ جسطرح ہو سکے منع کرے۔ یہ مسئلہ احکامات فقہی کے محتملات سے ہے۔ چاہیے کہ اسکی حقیقت
او باریکی کو اچھیطرح سے سمجھ لے تا کہ کہیں غلطی میں نہ پڑ جاوے۔

رکن سوم محتسب علیہ کے بیان میں

اس رکن میں محتسب علیہ کا بیان ہے۔ محتسب علیہ سے یہ مراد ہے کہ کوئی آدمی مامور کے
چھوڑنے یا منہی کے کرنے کے باعث احتساب کے عذاب کا مستوجب ہو جاوے۔ اور اس رکن کی شرط یہ ہے
کہ محتسب علیہ میں وہ صفت پائی جاوے۔ کہ فعل ممنوع اسکے حق میں منکر ہو۔ یاد رہے کہ ایسے معاملہ
میں محتسب علیہ کا صرف انسان ہونا ضروری ہے۔ یہ شرط نہیں کہ محتسب علیہ مکلف اور دانا اور
مسلمان ہو۔ کیونکہ اگر لڑکا زنا کرے یا دیوانہ زنا کرے تو اسکا منع کرنا واجبات سے ہے۔ گو کسی کا چوپایا
جو کسی مسلمان کی زراعت کا نقصان کر رہا ہے۔ یا دیوانہ زنا کر رہا ہے منع کرنا ضروری ہے۔ مگر ایسے معاملہ
کو احتساب کی ذیل میں نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ احتساب سے یہ مراد ہے کہ اس منکر کو ہٹایا جاوے۔ جسمیں
اللہ کا حق ہے۔ اور ممنوع سے بچانا ہے تا کہ وہ منکر کالعدم ہو جاوے۔ کیونکہ منکر کا ہونا بذاتہ معصیت
ہے اور احتساب کے وجوب کے واسطے دو صورتیں ہیں۔ ایک تو اللہ کا حق ہے جسکا ضائع ہونا معصیت
سے موسوم ہوتا ہے۔ دوسرا بندوں کے حق کا ضائع ہونا۔ جسکو مظالم کہا جاتا ہے۔ پس بعض منکرات کے

دفع کرنے میں دوستوں کی رعایت ہونی چاہیئے۔ اور بعض موقعہ پر صرف ایک کی۔ چنانچہ ایک
کسی غیر کے مال کو ضائع کر رہا ہے۔ اسمیں دو حقوق کی رعایت ہے ایک تو اللہ کا حق ہے جسمیں فرمانِ
الٰہی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اور تلف کرنے والے کے حق میں معصیت ہوتی ہے دوسرا
دوسرے کے مال کی حفاظت۔ مثلاً اگر ایک آدمی دوسرے کے کہنے سے اسکا ایک جوڑ کاٹ
دیتا ہے گو اجنبی غلبہ کے کہنے کے باعث اسکا مواخذہ ساقط ہوجاتا ہے۔ مگر قاطع کا فعل اللہ کے حق
کو ضائع کرنے کے لحاظ سے معصیت سے خالی نہیں ہوتا۔ احتساب کا حکم اسمیں ثابت ہے۔ اور لڑکے
اور دیوانے کو شراب پینے اور زنا کرنے سے منع کرنا اس قسم سے نہیں۔ اور چوپایہ کا غیر کی کھیتی سے
باہر نکالنا۔ اس حکم میں داخل نہیں کیونکہ بہائم کا منع کرنا اس قبیل سے نہیں ہے۔ کہ وہ فعل اسی بہیمہ کے
حق میں معصیت ہے بلکہ مسلمانوں کے مال کی حفاظت کرنا مراد ہے۔ اسلیئے اسکو احتساب نہیں کہتے۔ بھلا
یہ سنو۔ کہ اگر وہ چوپایہ خوراک اور پانی کی جگہ نجاست اور شراب پیوے تو منع نہیں کیا جاتا۔ اور دیوانہ
اور لڑکے کا شراب پینے یا چوپایہ کے زنا کرنے سے منع کرنا حرمت شراب کے واسطے یا بدفعالی کے لحاظ
سے نہیں۔ بلکہ اسمیں صرف انسان کے احترام اور حفاظت کی خاطر ہے۔ یہ باتیں جو ہمنے بیان کی
ہیں احتساب کی نہایت لطیف باتوں سے ہے۔ کہ اہل فطنت کے سوا اسپر اور کوئی واقف نہیں
ہوسکتا۔ جب یہ مسائل معلوم ہوگئے تو اب جاننا چاہیئے کہ غیر کے مال کی حفاظت دو قسم پر ہے
صورت اول تو یہ ہے کہ اسکے نقصان اور خسارہ سے اسکے مرتبہ اور مال اور اسکے تن پر کسی قسم کا
نقصان عائد نہیں ہوتا۔ اس صورت کی رعایت رکھنا مسلمانوں کی حقوق کی نگاہداشت کا ادنی
درجہ ہے۔ اور بہت سے دلائل جو اہل اسلام کی رعایت کیواسطے وارد ہیں۔ وہ کافی ہیں۔ اور یہ صورت
انکار اسلام کی نسبت بجانب اسلام کیطرف زیادہ مائل ہے۔ یعنے ایسے آدمی کو مسلمان سمجھنے میں ذرہ
بھی تامل نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حقوق کی رعایت کے ترک کرنے میں مسلمان کی ایذا کا زیادہ اندیشہ ہے اور علماء
کا اتفاق ہے کہ جب کسی مسلمان کا مال کسی ظالم کے ظلم سے معرض تلف میں پڑ جاوے۔ اور ایک آدمی
کے پاس ایسی عمدہ شہادت ہے۔ کہ جس شخص کی شہادت سے اسکا مال اسکو ملجاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں

شہادت کا ادا کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ بلکہ اسکا اخفا باعث گناہ ہو جاتا ہے۔ آیت قرآنیہ اسپر ناطق ہے۔ اور ہر منکر کے دفع کرنے کو ترک کر دینا۔ جس سے دافع کو نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی حکم رکھتا ہے۔ اور اگر منکرات کی دفع کرنے میں اسکے مال اور مرتبہ اور تن اور مال کو کوئی نقصان یا تکلیف پہونچتی ہے احتساب لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسکا حق مال اور مرتبہ اور بدن میں بھی ہے۔ اور جسطرح اسکے غیر کا حق لازم نہیں کہ اپنے حق کو غیر کے حق کا فدا کر دے۔ ہاں اپنے حق کو ایثار کے طور پر مسلمان بھائی کے حق پر ایثار کر دے یہ امر مستحبات اور مندوبات سے ہوتا ہے۔ اور جانبین کے نقصان کی کمی بیشی کے اندازہ پر نہیں۔

چنانچہ ایک شخص نے کسی دوسرے کی کھیتی سے ایک چوپایہ کو کچھ مدت میں کھیت سے نکالا۔ اور اس مدت میں اسکا ایک درم کمانے کا نقصان ہوا۔ اگر وہ ایک درم آمدنی کا نقصان نہ کرتا تو کھیتے والے کا بہت نقصان ہوتا۔ ایسی صورت میں لازم ہے۔ کہ اسطرف کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ جدہر زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ زیادہ نقصان والی طرف کا دفع کرنا لازم ہے ایسا نہ ہونا چاہیئے بلکہ ایک درم کمانے والا ایکدرم لینے کا مستحق ہے۔ ایسا ہی ایک صاحب مال زیادہ مال لینے کا حقدار ہے۔ اس امر کے لزوم اور وجوب میں نص اور قیاس سے کوئی وجہ ثابت نہیں ہے۔ اگر مال کا فوت ہونا معصیت کے طور پر ہو مثلاً غصب اور لوٹ گھسوٹ اور ظلم اسکا منع کرنا واجب ہے۔ گو مشقت اور تکلیف کی برداشت کے بغیر حاصل نہ ہو۔

یہاں ہمارا مطلب یہہ ہے کہ ہمکو شرع کی حقانیت اور دین کی نصرت کی سمجھہ آجاوے۔ ہر مومن پر واجب ہے کہ معاصی کے ہٹانے میں شفقت اور تکلیف کی برداشت کرے تمام گناہوں کے چھوڑنے میں ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ تمام طاعات اور عبادات کا مدار نفس کی مخالفت پر ہے۔ اور یہہ بہت مشکل ہے۔ حضرت علی کا قول رجعنا من جہاد الاصغر الی جہاد الاکبر کا مصداق ہے جب تمنے معلوم کیا۔ کہ وجوب اور عدم وجوب میں مشقت کی کمی بیشی کا اثر ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ مشقت کے دو پہلو ہیں ایک وسط ہے طرف اول سختی کی کمی ہے۔ کہ اس تکلیف کے مقدار سے اندازہ پر مسلمانوں کی حقوق کی رعایت ساقط نہیں ہوتی مثلاً کسی شہادت کے ادا کے واسطے

کسی حاکم کی مجلس میں حاضر ہونا جبکہ وہ مجلس چند قدموں پر یعنے قریب ہو ایسی امانت کے اداکرنے میں یا شہادت دینے میں تکلیف نہ سمجھے۔ اور طرف دوم جسمیں ذرا کثرت تکلیف کا خیال ہے۔ اور اسکے وجوب کا ہٹ جانا کسی شخص پر پوشیدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر گواہ کو ادائے شہادت کے واسطے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانا پڑے۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی مشقت برداشت گواہ پر لازم نہیں ہے۔ اور ان دونو صورتوں کے درمیان وسط ہے۔ کہ دونوں طرفوں کے جاری ہونے کا موقع اور دونو حکموں کا محتمل ہے۔ اور یہ اُن قدیمی مشتبہات سے ہے۔ کہ اس عقدہ کا کھولنا احاطہ بشری سے خارج ہے۔ کیونکہ کوئی ظاہر علت نظر نہیں آتی کہ انکے اجزا پیوستہ کو جدا کرنے والی ہو۔ ایسی حالت میں اہل علم اور ارباب ورع پر لازم ہے کہ جس صورت میں بہتری دیکھیں۔ اور وہ ثواب کی بھی نزدیک ہو اور گناہ کے خطرہ سے دور ہو وہ اختیار کریں واللہ اعلم بالصواب۔

رکن چہارم محتسب فیہ کا ہے

محتسب فیہ سے یہ مراد ہے کہ عامل سے ایسا کام سرزد ہو جس سے احتساب کی عذاب اور عقاب کا مستحق ہو اور اس رکن میں چار شرائط ہیں۔

(**شرط اول**) یہ ہے کہ فعل حقیقت منکر ہو۔ اور منکر اُس فعل کو کہتے ہیں کہ اسکا وقوع شرع میں خطرناک ہو۔ قطع نظر اس امر کے کہ وہ فعل فاعل ہی معصیت میں شمار ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ بہت سے فعل ایسے ہوتے ہیں کہ فی الواقع وہ منکر معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان سے منع کرنا بھی واجب ہوتا ہے۔ مگر وہ معصیت نہیں ہوتے چنانچہ لڑکے کا زنا کرنا اور دیوانہ کا شراب پینا۔ کیونکہ دونوں ان معاصی کبیرہ کے ارتکاب سے عاصی نہیں ہوتے۔ اور معصیت کا وجود عاصی کے بغیر محال ہے پس منکر اور معاصی کا تعلق عموم اور خصوص سے ہے۔ اور تمام گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ اس لفظ منکر کے عموم میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور احتساب کا حکم۔ صغائر اور کبائر پر جائز ہے۔

(**شرط دوم**) یہ ہے کہ منکر فی الحال موجود ہو اور فعل منکر سے فراغت کی پیچھے کسی عام آدمی کو احتساب

کرنا لازم نہیں آتا۔ جب معصیت کا زمانہ ماضی ہو جاوے۔ تو پھر حاکم حد اور تعزیر کی اقامت کر سکتا ہے۔
اور جس گناہ آئندہ کے واسطے فاسق عازم پایا جاتا ہے اوسکا احتساب وعظ کے طور پر ہونا چاہیے
اگر وہ شخص منکر ہے تو وعظ کا احتساب بھی اسپر لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسمیں سوء ظن پایا جاتا ہے
اور یہ حرام ہے۔

(شرط سوم) یہ ہے کہ ایسا منکر ہو جو تجسس کے بغیر ظاہر ہو جو شخص کسی منکر کو اپنے گھر میں پوشیدہ کرتا ہے اسکو تجسس سے ظاہر کرنا لازم نہیں۔ کیونکہ فاسق اگر کسی منکر کو پوشیدہ رکھے اسکا اظہار لازم نہیں۔

حکایت ہے کہ اکثر اتفاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المومنین مدینہ میں بخیال حفاظت پھر رہے تھے۔ اس اثنا میں ایک مرد کو کسی فاحشہ عورت کے ساتھ ہم بستر پایا۔ دوسرے دن آپنے منبر پر بیان کیا۔ کہ اے میرے دوستو کہ اگر حاکم وقت کسی زانی کو عین زنا کی حالتمیں دیکھے۔ اسکے اجراء حدود کی بابت آپ کیا حکم فرماتے ہیں۔ سبنے متفق ہو کر عرض کی کہ آپ خلیفۃ المومنین ہیں۔ اور احکام کا اجراء آپکی رائے اور مصلحت کے متعلق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ اے عمر آپ کو یہ بات نہ کہنی چاہیے۔ اگر آپ تن تنہا اس امر کو ظاہر کرینگے تو آپ حد کے سزاوار ہو جاوینگے۔ کیونکہ اللہ جلشانہ کا حکم اس معاملہ میں چار شہادتوں کے موجود ہونے میں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حتے الوسع پردہ پوشی کیجاوے۔ ایک آدمی کی شہادت اس معاملہ میں کافی نہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت عمر اور عبد الرحمان بن عوف دونو ملکر ایک رات مدینہ کی حراست کر رہے تھے ایک گھر میں دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے۔ نزدیک ہو کر دیکھا کہ گھر کا دروازہ بند ہے۔ اور گھر سے ایسی آواز آرہی ہے جو شرابیوں سے سرزد ہوتی ہے۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن سے دریافت کیا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کسکا گھر ہے۔ اسنے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپنے فرمایا کہ یہ گھر ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے اور وہ شراب پینے کے عادی ہیں۔ اب تو اس معاملہ میں کیا کہتا ہے۔ عبد الرحمان نے کہا اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ ولا تجسسوا۔ ہم برخلاف اسکے تجسس کر رہے ہیں۔ حضرت عمر وہاں سے واپس آ گئے

اور پھر بات بھی نہ کی۔

ستر کی تعریف یہ ہے۔ کہ اگر کوئی گھر کا دروازہ بند کرکے اندر بیٹھا شراب پی رہا ہے۔ اور سرقی اور رقص اور مزامیر اوتار اور کلمات نامنظومہ اور ناشائستہ کی آوازاندر سے آرہی ہے۔ ایسی حالت میں بھی کوٹھے اور جھروکے اندر سے آنا شرع کے خلاف ہے اور اگر یہ آواز اسقدر بلند ہو۔ باہر کے لوگوں کو سنی جاوے۔ تو ایسی صورت میں جہاں سے راہ ملے اسکے گھر کے اندر آنا اور منکر کو ہٹانا واجب ہے۔ اگر کسی آدمی کے پاس برتن ہے۔ اور برتن سے شراب کی بدبو آتی ہے۔ اگر اسکو احتمال ہے کہ مشروبات محرمہ سے نہیں۔ مثلاً سرکہ وغیرہ اسکے گرانے پر تیار نہ ہونا چاہیئے۔ اگر قرینہ سے معلوم ہوا اور حال کے حالات اسپر دلالت کرتے ہوں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے صحیح قول ہے کہ اس صورت میں احتساب جائز ہے۔ کیونکہ یہ علامت مفید ظن ہے۔ اور ایسے امورات میں ظن کا غلبہ علم کے قائمقام ہوتا ہے۔ ایساہی اگر کسی فاسق نے طنبور یا عود کپڑے میں چھپایا ہوا ہے۔ مگر اسکی شکل معلوم ہوتی ہے تو ایسی صورت میں احتساب واجب ہے۔ کیونکہ جو چیز اپنی اصلیت ظاہر کررہی ہے وہ مستور نہیں بلکہ اسکا حکم ظاہر کا حکم ہے اور ہم اسبات پر مامور ہیں کہ جس بات کو اللہ چھپاتا ہے ہم بھی چھپاویں۔ اور جو کچھ ظاہر کرتا ہے ہم بھی ظاہر کریں۔ اور ظہور کے مدارج بھی کئی طرح کے ہیں۔ کبھی تو حس بصر سے اور کبھی حس سمع سے اور کبھی حس شم سے اور کبھی حس لمس سے معلوم ہوتا ہے۔ جب ہماری مراد علم کا حاصل کرنا ہے۔ تو یہ تمام حواس علم کے مفید ہیں یہ ہرگز نہ کہنا چاہیئے۔ کہ یہ برتن دکھاؤ اسمیں کیا ہے۔ کیونکہ اسمیں بھی تجسس پایا جاتا ہے۔ اور تجسس یہی نشانات معروفہ کا دریافت کرنا ہے اور جب نشانات بغیر طلب کے حاصل ہوگئے۔ اور وہ باعث علم ہوگئے اسلیئے عمل اسکے مطابق جائز ہے نشانات کے طلب کرنے میں رخصت نہیں۔

(شرط چہارم) ایسا منکر ہو جسمیں اجتہاد کی گنجایش نہ ہو۔ کیونکہ اس امت کے مجتہدوں کے اجتہاد جائز ہیں کسی دوسرے کو اُسکے انکار کی گنجایش نہیں۔

مثلاً حنفی کو شافعی پر یہ انکار کرنا کہ تم گوہ کیوں کھاتے ہو۔ اور عمداً تسمیہ کیوں چھوڑتے ہو

جائز نہیں اور شافعی کو حنفی پر یہ الزام دینا۔ کہ نکاح بلا ولی کیوں جائز سمجھتے ہو اور پڑوسی کا شفع کیوں درست سمجھتے ہو۔ اور وہ انگوری نچوڑ جسمیں نشہ نہو کیوں استعمال کرتے ہو ہر گز جائز نہیں۔ علے ہذا القیاس ایسا اور بھی جس مجتہد کا کوئی شخص تابع ہے اسکی متابعت اِسپر واجب ہے۔ اور دوسری مجتہد جو درست سمجھتے ہیں اسکے حق میں معصیت ہے جو کچھ اسنے صواب سمجھا ہے۔ اللہ کے نزدیک غیر صواب ہے۔ یہ معنے فروع اور افعال کے احکام میں جاری ہیں۔ اصول میں نہیں۔ اس مسئلہ کے صفات اور احتمالات جداگانہ ہیں اسکو ہم دو صورتوں میں بیان کرتے ہیں۔

مثالِ احتمال اول یہہ ہے کہ محتسب دیکھ رہا ہے۔ کہ او سمجھتا ہے۔ کہ ایک آدمی اجنبی بہری عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے۔ اور اصل واقعہ سے بے خبر ہے۔ کیونکہ لڑکپن کے زمانہ میں اس بہری عورت کے باپ نے اس شخص کے ساتھ اسکا نکاح کر دیا تھا۔ اور وہ عورت اس معاملہ سے بے خبر ہے۔ اور بہری عورت بہرہ ہونے کے واسطے اسکے بیان سے بھی عاجز ہے۔ یا وہ زبان سے بیان کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتی۔ او وہ جانتی بھی نہیں۔ پس ناواقف کے نزدیک وہ شخص جماع کرنیوالا گنہگار ہے۔ لیکن اللہ کے علم میں وہ اسکا خاوند ہے۔ اور یہ فعل جائز ہے۔

(مثال احتمال دوم) صورت متذکرہ بالا کے برخلاف ایک اور صورت یہی ہے کہ ایک شخص نے اپنی وجہ کی طلاق تعلیق کا بیان محتسب کے روبرو کیا اور تعلیق طلاق کی وجہ غضب یا حسد یا رنج تھا اور اس امر نے محتسب کے لئے یقین پیدا کیا اور محتسب بباعث موانعات کے زوجین کی ان صفات سے کماہی واقفیت نہیں کر سکتا ایسی صورت میں محتسب اس طلاق پر یقین کامل رکھتا ہے۔ اسلئے اگر محتسب ان دونو کو حالت مجامعت میں دیکھے تو اسکا روکنا اسپر واجب ہے۔ حالانکہ زانی کو وقوع طلاق کی سمجھ نہیں۔ اور جہالت عدم واقفیت مسئلہ کے باعث وہ گناہگار بھی نہیں۔ مگر اس فعل سے ہٹانے کا حکم نفی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے اس صورت کے عکس سے حکم کا عکس لازم ہو جاتا ہے۔ اس بحث کا اصل مطلب یہ ہے۔ کہ جو کام اللہ کے نزدیک برا نہیں ہے۔ اس سے منع کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ فعل فاعل کے نزدیک صرف اسکی اصلیت کی ناواقفی کے باعث برا ہوا۔ ان مسائل کے لوازمات سے ایک یہہ بھی ہے۔ کہ شافعی کا یہ مذہب نہیں ہے۔ کہ

حنفی المذہب کو یہ کہے۔ کہ تم گوہ کا استعمال کیوں نہیں کرتے۔ اور نماز میں بسم اللہ کیوں چھوڑتے ہو۔ اور حنفی المذہب کو شافعی المذہب پر یہ اعتراض کرنا بالکل بیجا ہے۔ کہ اسکو کہے کہ تم نکاح بلا ولی کیوں باندہ لیتے ہو۔ اور شفعہ جوار کا کیوں جائز رکھتے ہو۔ ہاں حنفی کو حنفی پر لازم ہے کہ گوہ کے کہانے اور تسمیہ کے چھوڑنے پر اعتراض کرے۔ اور شافعی کو مناسب ہے۔ کہ شافعی کی نسبت نکاح بے ولی اور قریبی کے شفعہ پر اعتراض کرے۔ یعنے اعتراضات کے ہونے کے واسطے محتسب اور محتسب علیہ کا اتفاق مذہبی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ مسائل جو ہمنے بیان کیئے ہیں پرانے شبہات سے ہیں۔ کیونکہ اُن مسائل میں دو تو پہلوؤں کے احتمالات متعارضہ ملتے ہیں۔ اور خطا سے مخالف پر عدم قابلیت کا حکم نہیں دی سکتے۔ سو وجہ یہ ہے کہ ہر ایک مجتہد کو اپنے اجتہاد کے زور پر اور دلائل کی قوت پر اور ظن کے غلبہ پر کوئی نہ کوئی وجہ قوی ملجاتی ہے۔ جسپر اسکا قلب مطمئن ہوجاتا ہے۔ ان فروعی اختلافات کی میدان میں ثواب کی دولت کا گیند وہ آدمی لیجا سکتا ہے۔ جو ہدایت کی بارگاہ کو نفسانی خواہشات کے خس و خاشاک سے صاف کرلے۔ اور اس سند کا صدرنشین وہ ہوسکتا ہے کہ رضا کے رستہ کو ریا کے غبار کے اندہیرے سے پاک کرلے۔ اور یقین کے آفتاب کا چہرہ دہوکا اور فریب کے بادلوں سے نہ چھپالے۔ اور اُخروی دولت کو دنیوی مردار پر خرچ کردے۔ اور اس عاریتی گھر کی زیبایش میں دین کے گھر کو نہ اجاڑلے۔ جب آپ نے احتساب کی شرائط اور آداب معلوم کرلیئے۔ اب اسباب کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ کہ اس زمانہ میں جن منکرات کا عام رواج ہوچکا ہے۔ اور خلقت کی عادات اور رسوم میں جائے گیر ہوگئے ہیں بہت ہیں۔ جنکی تفصیل ممکن نہیں۔ چند موٹی موٹی سات قسم لکھے جاتے ہیں۔ اور وہ سات یہ ہیں

(۱) منکرات مساجد۔

(۲) منکرات اسواق یعنے بازار۔

(۳) منکرات شوارع

(۴) منکرات حمامات۔

(۵) منکرات مجالس وضیافت۔

(۶) منکرات عمارت ونفقات۔

(۷) منکرات عامہ۔

ان قسموں سے کچھ انکے اصول اور امہات ذکر کیئے جاتے ہیں۔ تاکہ انکی شاخوں اور شعبوں پر قیاس کیا جاوے۔

قسم اول منکرات مساجد۔

(۱) مساجد کے بڑے منکرات اور اس قسم کے نہایت ہی قبیح برائیوں سے نماز کی کج ادائی ہے۔ یعنے وہ نماز جسمیں رکوع اور سجود میں طمانیت کو ترک کیا جاوے۔ طمانیت کا نہ پایا جانا نماز کا مبطل ہے۔ اس کا نہی واجب ہے۔ ایک تو قرآن مجید کا پڑہنا ہے۔ اسکا درست وجہ اور صحیح طور پر پڑہنا واجب ہے۔ ایسا ہی کسی راگ کی سر سے قرآن مجید کے پڑہنے والے کو روکنا واجب ہے۔ اور اسپر خاموش رہنا بھی فاحش معصیت ہے۔ کیونکہ باوجود اس امر کے کہ پڑہنے والے کو صحیح پڑہنے کی لیاقت اور استعداد ہے۔ پھر راگ سے پڑھنا معصیت ہے۔ اور معصیت پر خاموش رہنا بھی معصیت ہے۔ اور اگر قاری کی زبان ادائی مخارج سے عاجز ہے۔ تو بھی اگر اسکے قرأت میں لوگ کا اثر زیادہ ہے۔ تو قرأت کا ترک ہی افضل ہے۔ اور اگر اسکی اکثر قرأت صحیح ہے۔ مگر ادائے مخارج سے بالکل عاجز ہے تو علما نے فرمایا ہے۔ لاباس بقرأته۔ یعنے اسکے پڑہنے میں کوئی خوف نہیں۔ لیکن پڑہنے میں آواز کو بلند نہ کھینچے۔ نرم نرم آواز سے پڑہے

(۲) منکر دوم مساجد یہ ہے کہ خطیب ایسا کپڑا پہنے جسمیں ریشم زیادہ ہو۔ اور ہاتھ میں ایسی تلوار پکڑے کہ اسکا قبضہ سونے یا چاندی کا بنا ہوا ہو۔ اسکے پاس بھی بیٹھنا نہ چاہیئے۔ بلکہ اسکا انکار واجب ہے۔ اور جو شخص ان مسائل کو جانتا ہے۔ وہ ضرور پرہیز کرے۔

(۳) منکر سوم مساجد یہ ہے۔ کہ مسجد میں قصہ خوانوں کا حلقہ باندہا جاوے۔ قصہ خوانوں سے وہ واعظ مراد ہیں جنہوں نے اپنا پیشہ ہی وعظ مقرر کر رکھا ہے۔ اور وہ علوم تفسیر کے حقائق اور حدیث کے دقائق سے بالکل جاہل ہیں اور تخویف اور تحذیر کے دقائق سے نابلد ہیں۔ بیہودہ حکایتوں اور بناوٹی الفاظ پر مغرور ہیں اور وہ عشق انگیز ابیات اور اشعار سے عامہ جاہلوں اور فاسقوں کو گناہوں پر دلیر کر دیتے ہیں

منکر سوم واعظوں کا

اور شورہ پشت کودن احمقوں نے سمجھوں کو مخالفات شرعی کے کرنے پر دلیر کر دیتے ہیں۔ ایسے بد ذاتوں کا انکار واجب ہے اور انکے منع کرنے کا احتساب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ واعظ کی علامتوں اور نشانات سے یہ نشان ہیں کہ پرہیزگاری کے علامات اسکے اعضا ظاہری پر ظاہر اور باہر ہوں اور اسکی شکل اور صورت میں ایک قسم کا وقار اور رعب و داب نمایاں ہو اور اہل اصلاح کی پیشانی رکھتا ہو۔ اور خواہشات نفسانی کی بدعات اور میلوں سے پاک ہو۔ جسمیں یہ اوصاف نہ پائے جاویں اس واعظ کی شرارت اور بدنہادی اور بے تمیزی کی آگ صلاح اور بہبودی سے آگے قدم رکھکر بیچارے ارادتمندوں کے گھر بار کو جلا دیتی ہے۔ اور انکے دین و دنیا کے اسباب کو جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیتی

(منکر چہارم مساجد) وعظ اور نصیحت کی مجلس میں مردوں کے روبرو پاس پاس عورات کا موجود ہونا ہے۔ کیونکہ عورات کو مساجد کے حضور اور قبرستان کی زیارت۔ اور غزا یعنے جہاد میں جانے سے۔ اور ماتم میں اور رونے میں موجود ہونے سے روکنا واجب ہے۔ اگر بڑھیا عورتیں میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنکر وعظ کی مجلس میں پردہ کے پیچھے بیٹھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(منکر پنجم مساجد) جمعہ کے دن یا کسی اور دن مسجد کے دروازہ پر اہل شعبدہ۔ اور اہل تلبیس اور اطبا جامع مسجد کے دروازہ پر بیٹھکر دوائیں اور معاجین بیچتے ہیں۔ اور تعویذ اور گنڈے بنا کر دیتے ہیں یا قصہ وغیرہ بیچتے ہیں اور قصاید اور اشعار پڑھتے ہیں۔ یہ سب حرام ہیں۔ اور انکو منع کرنا واجب ہے اور عام دیکھا گیا ہے۔ کہ مسجدوں میں بیٹھکر جنگ نامے اور قصے وغیرہ پڑھتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کو منع کرنا چاہیئے۔ بلکہ مسجد سے دھکیل کر نکال دینا چاہیئے۔

(منکر ششم مساجد) مسجد میں دیوانوں اور مستانوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو نہ آنے دینا چاہیئے مگر وہ دیوانہ مرفوع القلم ہے جسکے حال پر طہارت اور سکوت غالب ہو۔ اور ایسا ہی وہ چھوٹے بچے جو صرف کھیلنے کودنے کے واسطے مسجد میں آتے ہیں۔ ان سب سے انکار واجب ہے۔

قسم دوم منکرات اسواق

اس قسم کے منکرات کے اصول دس ہیں جنکے سمجھنے سے باقی منکرات انہی میں شامل ہو جاوینگے۔

(اول قسم منکرات اسواق) یہ ہے کہ فائدہ کے بیان کرنے میں جھوٹ بولنا. مثلاً ایک شخص نے دس روپیہ سے ایک اسباب خریدا ہے. اور وہ کہتا ہے کہ مینے بارہ روپیہ سے خریدا ہے. ایک روپیہ کے فایدہ پر میں تجھے دیتا ہوں. وہ شخص اس بات میں جھوٹا بھی ہے. اور فاسق بھی ہے. اور جس شخص کو اسکے جھوٹ کا پتہ ہو. اسکو لازم ہے کہ مشتری کو بایع کے جھوٹ بولنے سے اطلاع دے. اگر وہ شخص خاموش رہے گا تو بایع کے ساتھ گناہ اور فسق میں شریک ہوگا.

(منکر دوم اسواق) مبیع کے عیب کا چھپانا ہے. کہتے ہیں کہ واثلہ بن اسقع کھڑا تھا. اور ایک اور شخص اونٹ بیچتا تھا. واثلہ کا خیال ادہر اُدہر تھا تاکہ وہ تین سو روپیہ پر اونٹ خرید کر چلا گیا جب واثلہ کو خبر ہوئی. تو اسکے پیچھے پیچھے چلدیا اور کہا. کہ بھائی یہ اونٹ تمنے ذبح کے واسطے خریدا ہے یا سواری کے واسطے اسنے جواب دیا کہ سواری کے واسطے. واثلہ نے کہا. اس اونٹ کے پاؤں میں ایک سوراخ ہے. رات کے وقت یہ اونٹ لمبا سفر چل نہیں سکتا اور بھاری بوجھ نہیں اُٹھا سکتا. وہ شخص بائع کے پاس آیا اور سو روپیہ واپس لے لیا. بائع نے واثلہ کو کہا. کہ تو نے میری بیع کا نقصان کیا. اسنے جواب دیا کہ مینے رسول علیہ السلام سے سنا ہے. کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز بیچے اور اسکا عیب بیان نہ کرے. وہ بیع حلال نہیں ہے. اگر کوئی اور شخص اسکا عیب جانتا ہے اور وہ مشتری کو آگاہ نہ کرے تو وہ گناہگار ہوتا ہے.

(منکر سوم اسواق) نجش ہے. اسکا یہ مطلب ہے. کہ ایک آدمی بازار سے کچھ خریدنے لگا ہے. دوسرا آدمی آیا اور اسکی قیمت بڑہائی اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مشتری دہوکھا کھا جاوے ایسا کرنا بالکل حرام ہے. اوسکا فاعل عاصی ہے. اور اسکا منع کرنا واجب ہے

(منکر چہارم اسواق) سوم ہے اسکا یہ مطلب ہے. کہ ایک شخص نے بازار سے کچھ اسباب خریدا دوسرے دکاندار نے کہا کہ یہ چیز واپس کردو میں اس سے اچھی اور سستی تجھے دیتا ہوں. یا بائع کو کہے کہ یہ چیز اس سے لیکر مجھے دیدو میں تمکو زیادہ قیمت دیتا ہوں. یہ بیع شرع میں تو جائز ہے لیکن وہ آدمی اس فعل سے گنہگار ہو جاتا ہے. اور انکار واجب ہے

(منکر پنجم اسواق) تفاوت کیال و میزان و ذرع کی ہے اہل بازار کا قاعدہ ہے کہ کیل اور وزن اور گز دو قسم کے رکھتے ہیں اگر لینا ہو تو بڑا استعمال کرتے ہیں اگر دینا ہو تو چھوٹا. وہ شخص گنہگار اور عاصی اور فاسق ہوتا ہے. محتسب کے لازم ہے کہ مہینہ بھر میں ایک دفعہ ضرور بازار

کرے۔ اور جس مسلمان کو اس معاملہ کا پتہ لگے اُسپر لازم ہے کہ فوراً اسکا حال حاکم کے روبرو ظاہر کر دے تاکہ وہ اسکو تعزیر لگائے اور اسکے فساد کی اصلاح کرلے۔

منکر ششم اسواق بیلابیع) ہے ایجاب اور قبول کا چھوڑ دینا امام شافعی کے نزدیک کبیرہ سے ہے اور امام حنفی کے نزدیک مقابلہ پڑ لینا دینا قائمقام ایجاب وقبول کے ہے۔

منکر ھفتم ربٰو وغیرہ کا لینا جو عام لوگوں میں متداول ہے۔ اور اہل بازار پر غالب ہے شروط فاسدہ سے ہے۔ یہ سب عقود فاسدہ کا مفسد ہے۔ اوسکا منع کرنا اور انکار واجب ہے۔

(منکر ھشتم اسواق) حیوانات کی تصاویر بیچنا۔ جو عید کے موقعہ اکثر لوگ بچوں کیواسطے خرید کر لاتے ہیں۔ ایسا ہی گانے کے سازوں کا خریدنا ہے۔ اسکا توڑنا سب پر واجب ہے اور انکا انکار لازم ہے۔

(منکر نہم اسواق) چاندی اور سونے کے برتن خریدنا اور مردانہ ابریشمی کپڑے پہننا منکر اور خطرناک ہیں۔ ان سب کا منع کرنا واجب ہے۔

(منکر دھم اسواق) اُن کپڑوں کو بیچا جاوے جو دراصل پرانے ہوتے ہیں۔ اور دھوکر اور رفو کر کے انکو نیا دکھلایا گیا ہے۔ یہ سب دھوکے اور فریب ہیں۔ ایسا کرنا قطعی حرام ہے انکا انکار واجب ہے

قسم سوم منکرات شوارع

شوارع اور مجامع کے منکرات بھی دس ہیں۔ جنکی تفصیل ذیل میں ہے۔

(منکر اول شوارع) رستہ میں تھڑوں کا رکھنا یا درختوں کا لگانا جنسے رستہ تنگ ہوجاوے (دوم) تھڑوں کا رستہ میں بنانا جنسے رستہ تنگ ہوجاوے۔ ایسی چیزوں کا بدلانا اور اُٹھادینا ضروری ہے

(منکر سوم شوارع) پرنالوں کا رستہ میں رکھنا جنسے لوگوں کے کپڑے پلید ہوجاویں۔

(منکر چہارم شوارع) طعام وغیرہ سبزی ترکاری کا بیچنا جس سے رستہ تنگ ہو کر راہ گذر بند کردے۔

(منکر پنجم شوارع) رستہ میں لکڑیوں اور کانٹوں کا ذخیرہ کرنا۔ہاں اگر تھوڑی مدت کے واسطے رکھے جاویں۔تاکہ کسی اور جگہ رکھنا مراد ہو تو جائز ہے۔

(منکر ششم شوارع) اونٹ گھوڑے۔گائے۔گدہے کا رستہ میں باندھنا جس سے راہ گذر تنگ ہو جاوے ناجائز ہے۔ہاں اگر بوجھ لادنے کے واسطے یا سواری کے واسطے کھڑا کیا جاوے تو اجازت ہے۔اور نیز چوپایوں پر انکی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا منکرات سے ہے اور اس سے منع کرنا واجب ہے۔ایسا ہی کانٹوں کا گٹھا لیکر آنا جس سے لوگوں کے کپڑے پھٹ جاویں منکرات سے ہے۔

(منکر ہفتم شوارع) قصابوں کا ذبح رستہ میں۔اور گوبر اور خون کا رستہ میں ڈالنا جس سے گزرنے والوں کی نفرت اور کراہت کا باعث ہونا جائز ہے۔ ہر قصاب پر لازم ہے کہ مذبح کو علیحدہ بناوے۔تاکہ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہے۔

(منکر ہشتم شوارع) قیامہ یعنے کوڑا کرکٹ رستہ میں ڈالنا مثلاً کوڑا اور راکھ اور خربوزہ یا ہندوانہ یا کیلے کی پھلی کے چھلکے جس سے پھسل جانے کا اندیشہ ہو منکرات سے ہے۔اور اسکا منع کرنا محتسب کے ذمے لازم ہے۔

(منکر نہم شوارع) مردار کا لوگوں کی رہ گذر پر ڈالنا جسکی بدبو سے لوگوں کو ایذا پہونچتی ہے اس منکر کا دفع کرنا نہایت ضروری ہے۔

(منکر دہم شوارع) اس گھر کے دروازہ پر جہاں عام آمدورفت ہے کاٹنے والے کتے کا رکھنا یہ سب منکرات خطرناک صورت رکھتی ہیں۔ان کا منع کرنا ضروری ہے۔ اور اسپر چپ رہنا یا سکوت کرنا باعث گناہ اور معصیت ہوتا ہے۔

قسم چہارم منکرات حمام

حمام کے منکرات آٹھ ہیں۔

(منکر اول حمام) جس حمام کے دروازہ پر یا اندر آدمی یا فرشتوں یا حیوانات کی تصاویر ہوں انکے اندر جانا بالکل ناجائز ہے۔ بلکہ انکا مٹانا اور دور کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر درختوں کے نقش یا بیل بوٹے ہوں وہ جائز ہیں۔

(منکر دوم حمام) کی یہ ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو ایک دوسرے کے ستر پر نظر ڈالنی حرام ہے۔ حدیث میں آیا ہے لعن اللہ الناظر والمنظور الیہا۔

(منکر سوم حمام) یہ ہے کہ دلاک اپنا ہاتھ تہ بند کے نیچے کرے اور دھنی کے نیچے ہاتھ کرنا اور پنڈلیوں کا ملنا بھی ناجائز ہے۔

(منکر چہارم حمام) یہ ہے کہ پسلیوں اور سینہ کا ملنا ناجائز ہے اور جس شخص کو اس عمل سے تحریک شہوت ہو بالکل حرام ہے۔

(منکر پنجم حمام) ہاتھ اور شیشے پلید کا پانی میں ڈبونا۔ جس پانی کا مقدار تھوڑا ہو۔

(منکر ششم حمام) بیری کے پتوں اور صابون کا پانی راہ گذر پر ڈالنا۔ اور بغیر دھونے کے چھوڑ دینا۔ اگر ایک آدمی سدرہ اور صابون سے کپڑے دھوئے۔ اور پانی ایسا پھینک دی اور ایک آدمی اسکے سبب گر پڑے اور اسکا عضو ٹوٹ جاوے۔ تو ضمان حمام والے اور پھینکنے والی پر ہے۔ کیونکہ گرانی والے پر اسکا پاک کرنا ضروری تھا۔ اور حمام والے پر بھی وجب ہے۔

(منکر ہفتم حمام) پانی کا قدر حاجت سے زیادہ گرانا۔

(منکر ہشتم حمام) حمام کے فرش میں پھسلنے والے پتھر کا رکھنا جس سے گذرنے والوں کو گرنے کا اندیشہ ہو۔ اسکا اکھیڑ دینا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے گر پڑے تو اسکا ضمان اور نقصان لازم آجاتا ہے۔ اور حتساب ان سب پر لازم ہوجاتا ہے۔

قسم پنجم منکرات ضیافت و مجالس

اسکے اصول بھی دس ہیں۔

(منکر اول ضیافت) اگر مردوں کے بیٹھنے کی جگہ پر ریشمیں فرش ہو۔ یہ حرام ہے۔ (دوم) سونے اور چاندی کی انگیٹھیوں میں بخور کرنا۔ یا سونے چاندی کے برتنوں میں مشروبات کا ملانا (سوم) ان پردوں کا لٹکانا جن پر حیوانات کی تصویریں ہوں۔ لیکن اگر وہ صورتیں سرہانوں پر ہوں۔ اور زمینی فرش پر ہوں اسمیں چنداں مضائقہ نہیں تاہم ترک بہتر ہے (چہارم) وہ مجلس جسمیں گانا ہوا ور چنگ اور رباب اور عود اور طنبور بج رہا ہو۔ (پنجم) چھتوں اور دیواروں پر عورتوں کا مجمع اسلیے ہو کہ وہ مردوں کو دیکھیں۔ یہ امر منکرات سے بہت بڑا ہے۔ اور اسکا ہٹانا واجب ہے (ششم) یا تو کھانا ہی حرام ہو۔ یا جسجگہہ میں مجلس منعقد ہوئی وہ جگہ مغصوب ہے۔ ایسی جگہ میں بیٹھنا اشد منکرات سے ہے۔ (ھفتم) اس مجلس میں نہ جانا چاہیے۔ جہاں مسکرات کا استعمال ہو۔ کیونکہ فاسق کے پاس اسوقت بیٹھنا جبکہ وہ فسق کر رہا ہو حرام ہے۔ (ھشتم) اس بدعتی کی ضیافت میں جانا جو بدعت کی باتیں کر رہا ہو۔ اگر وہ شخص اس بدعت کو دفع کر سکتا ہے تو بیٹھے ورنہ نہ جاوے۔ کیونکہ ایسی حالت میں بیٹھنا حرام ہے۔ (نہم) مجلس میں ایسا مسخرہ ہے۔ کہ فحش اور جھوٹی باتوں سے لوگوں کو ہنساتا ہے اسکے پاس بیٹھنا حرام ہے اور انکار لازم ہے۔ اگر اسکا مزاح فحش اور کذب سے پاک ہو تو مباح ہے بشرطیکہ مبالغہ نہ کرتا ہو (دھم) جس مجلس میں کسی مسلمان کا گلہ ہو رہا ہو۔ اور وہ اسکے روکنے سے عاجز ہے۔ تو ایسی مجلس میں بیٹھنا قطعاً حرام ہے۔ اور انکار واجب ہے اگر منع سے چپ کرانے والا ہے۔ اور باوصف قدرت کے انکار کرنے والا ہے تو عاصی ہے۔

قسم ششم از منکرات نفقہ

منکرات نفقہ کی دو قسمیں ہیں۔ اول تو لباس اور کھانے میں اسراف ہوتا ہے۔ دوم عمارت بنانے میں اسراف ہوتا ہے۔

منکرات مال کے پانچ قسم پر ہیں۔ اول بیہودہ طور مال کا ضائع کر دینا ہے۔ چنانچہ عمدہ چیزوں کو جلا کر انکی راکھ دریا میں ڈالدینا (دوم) معاصی میں مال کا خرچ کرنا۔ چنانچہ زنا اور شراب اور

باجے اور مطرب وغیرہ پر روپیہ خرچ کرنا (سوم) نفقہ ریا کی خاطر کرنا۔ چنانچہ صرف نمود کے واسطے روپیہ خرچ کرنا (چہارم) ریا کا معاملہ کرنا (پنجم) مباحات میں اسراف کرنا مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپیہ ہے اسکی اور اسکے بال بچوں کے خرچ کے لیئے کافی ہے۔ اس سو روپیہ سے اسنے ایک نہایت قیمتی کپڑا خرید کر کوٹ بنوالیا ہے۔ یا سو روپیہ شادی یا ولیمہ پر خرچ کر دیا ہے۔ ایسا آدمی مُسرف ہوتا ہے اور اسکا روکنا ضروری ہوتا ہے۔

یا ایک شخص کے پاس ہزار روپیہ ہے۔ اور اسنے وہ تمام روپیہ مسجد کی دیوار کے نقوش میں خرچ کر دیا ہے۔ یا اپنی گھر کی دیواروں اور چھت پر لگا دیا ہے۔ اور اپنے بال بچوں کو غربت اور فلاکت کے حوالہ کر دیا ہے۔ یہ سب اسراف میں داخل ہیں۔ اور حاکم پر لازم ہے کہ اسکو سزا دے یا سنگسار کرے

قسم ہفتم منکرات عامہ

یہ ایسے منکرات ہیں۔ کہ شاید ہی کوئی افضل ان سے بچا ہوا ہو (الا ماشاء اللہ)۔ یہ منکرات اسوجہ سے ہوتے ہیں کہ احکام شرع کی تحصیل میں قصور ہوتا ہے یا اسوجہ سے کہ خلق اللہ کی ہدایت اور نصیحت اور تعلیم اور تعریف میں قصور ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں جب جہالت کا یہ حال ہے۔ جو اہل روزگار پر غالب ہوگیا ہے۔ کہ بڑے بڑے شہر جہاں علماء اور فضلاء کا مرکز ہے اکثر لوگ وہاں بھی صلاح اور عین فریضہ سے غافل ہیں۔ پھر اہل جبال اور اہل قریے کی نسبت کیا کہنا ہے۔ اسلیئے اس زمانہ کے بادشاہوں اور والیوں اور حاکموں پر لازم ہے۔ کہ اپنے ولایت کے ہر ایک گانوں میں اور شہر کے ہر ایک محلے میں ایک معلم جو فقیہ ہو مقرر کریں۔ تاکہ وہ عام خلقت کو دینی تعلیم دے اور جو شرعی ضروری فرض ہیں سکھاوے۔ اور احکام واجبات اور متروکات کی تعلیم دے اور صلحاء اور اتقیاء کو عمدہ عمدہ وعظوں اور عجیب عجیب باریکیوں سے ممد اور معاون اور فساق اور فجار کو شرعی زواجر کرکے مناہی اور محظورات ہٹانے۔ اور اہل اسلام کی اولاد کو نرمی اور عمدگی سے تعلیم دے۔ اور حسن تادیب سے مؤدب کرے۔ اور اہل ہوا اور اہل بدعات کو فساد سے

صلاح کیطرف لاوے۔ اور جہل اور عصیان کی ظلمت کو علم اور عرفان کے نور کے سطوت سے مقہور کر دے
اور جو لڑکا اور فقیہ تحصیل علم سے فارغ ہوا اسکو چاہیئے۔ کہ فرض کفایہ کو مدنظر رکھکر شہر کے اپنے جاہل
بندوں اور پڑوسیوں اور اہل محلہ کو عین فرضوں کی تعلیم دے۔ جب اس کام سے فارغ ہو جاوے
تو ایک گروہ اہل جبال اور اہل قُرے کی طرف جاوے۔ اور جاٹوں وغیرہ کو اللہ کی طرف دعوت کرے۔
اور اللہ کا حکم بجالائے۔ اگر اس معاملہ میں قصور ہوا تو یہ حرج عام ہے۔ حاکم اور فقیہ اور عام خلقت سب
کے سب گنہگار ہونگے۔ اور میدان قیامت میں اس قصور پر پکڑے جاوینگے اور حقوق کے ضیع ہونے
سے سوال کیئے جاوینگے۔

باب ہشتم در فضیلت شکر و حقیقت اقسام آں

آٹھواں باب ہم شکر کی فضیلت اور اسکی حقیقت اور اُسکے اقسام میں بیان کرتے ہیں۔ اور ان
افضال اور انعام کے اقسام کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ جو اس معطی مطلق نے تمام بندوں پر عموماً اور خصوصاً
حکام اور بادشاہوں پر کیا ہے۔ اور انکے وجودوں کو نعمتوں کی خزانہ کی کلید اور احسان کا متمثل
کر دکھایا ہے۔

قال اللہ تعالےٰ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار۔ اللہ جلشانہٗ
اس آیت کے اسرار کے اظہار میں بندگان غافل اور فہمیدہ عاقل کو اپنے انعامات بیغایات کے تجددات
اور متواترہ اور بے نہایت سے تنبیہ فرماتے ہیں۔ کہ اے انواع افضال کے خوش حالو۔ اور اے ہمارے احسان کے
طالبو۔ اور ہمارے عنایات اور مہربانیوں کے شکر گزار رو۔ اگر ہمارے انعام کے تمام مرزوق۔ اور کیڑے مکوڑے
اور وحشی اور جانور ہماری رازقیت کے جمال کے افضال کے منہ سے پردہ اٹھا کر دیکھنا چاہیں۔ اور بہ جہد
وہ ڈھونڈیں یا کہیں یا سنیں یا دیکھیں یا جانیں۔ وہ سب انکی استعداد اور حوصلہ کے مطابق ہوگا کیونکہ
ہماری بارگاہ انکی مخلوقیوں تعریفوں سے بالکل پاک ہے۔ اور ہماری کبریائی کا آستان اُن سب سے
مبرا ہے۔ ہاں اگر وہ اعراض کریں یا نسیان سے کام لیں۔ تو خسران اور حرمان کا باعث ہے۔ اور جو کچھ

اسلئے ہو سکتا ہی ہمارا شکر کرتے ہیں تو ہم اپنی ذاتیہ مہربانیوں سے اپنے فضل اور احسان کو زیادہ کرتے ہیں ہمارا کلام اسی عالی ہمتی پر دلالت کرتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ہماری بارگاہ میں عجز و انکسار کی دامن میں کچھ ہی ڈالکر لے آؤ ہم اپنی کبریائی کو ہاتھ سے اسکو نہایت عزت سے قبول کرینگے۔

علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت باریتعالے فرماتے ہیں کہ اے فرزند آدم ہماری بارگاہ کا تم انصاف نہیں دیتے۔ اور عبودیت کے بساط پر تم اخلاص کا قدم نہیں رکھتے۔ اور ہمارے حکم کی تشریف کو نہیں پہچانتے۔ اور شیطان لعین کی فرمانبرداری نہیں چھوڑتے۔ اور ہمیشہ ہمت کے گھوڑے کو خواہشات نفسانی کے میدان میں دوڑاتے ہو۔ اور بدبختی کے خاک سعادت ابدی کے سر پر ڈالتے ہو۔ جسقدر ہم محبت اور احسان کا بیج تمہاری شورہ زار وجود کی کھیت میں ڈالتے ہیں۔ اتنا ہی تم سرکشی اور نافرمانی سے پیش آتے ہو۔ اور ہمارے احسان اور نیکیوں کے آثار جتنے تم زیادہ دیکھتے ہو۔ اتنا ہی بدی اور درشتی سے ہمارے پیش آتے ہو اگر تم ہماری بارگاہ کیطرف ایک بالشت آؤ تو ہم قدم اٹھاکر آتے ہیں۔ اور اگر تم آہستہ آہستہ چلکر آؤ تو ہم دوڑکر تمہارے گلے آملتے ہیں۔ اور اگر تم ایک ٹوکرا لیکر ہمیں ملنا چاہو۔ تو ہم جھاڑو لگاکر تمہارے دروازے پر آکھڑے ہوتے ہیں۔

عقبہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالے کی بہت سی نعمتیں جو سلامتی اور حفظ اور صحت پر مبنی ہوں۔ آدمی کی رگوں میں پوشیدہ ہیں۔ جنکے دقائق اور حقائق شرح اور بیان سے خارج ہیں۔ صاحب بصیرت اور ذکی کے سوا اسکی اور کوئی حقیقت نہیں سمجھہ سکتا۔ جسنے کچھہ سمجھا اسنے بھی ہمارے قدر کے موافق نہیں سمجھا۔

حکایت۔ کہتے ہیں۔ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام بھی نبوت کے ابتدائی سبقوں میں ہی تھے۔ کہ انکو حضرت خضر علیہ السلام کیخدمت میں بھیجا گیا۔ تاکہ انکو معلوم ہوجاوے۔ کہ ہمارے ولایت کے بندوں کے مقامات کسدرجہ تک ہیں۔ اور اس منزل سے گذرنے کے وقت انکو یاد رہے گا۔ کہ مقامات نبوت کا

....

اعلے مقام کہاں تک ہے۔ اس تعلیم سے انکو نبوت کے رستہ میں کبھی ملال خاطر نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کو ابتدائی سبق تو جبرئیل علیہ السلام نے دیا۔ پھر وہی جبرئیل تھے۔ جو مقام قرب اور نقطہ وحدت پر جانے سے متحیر ہوکر پیچھے رہنے پر مجبور ہوئے لو دنوت انملۃ لاحترقت بکا پے۔ کا اقرار کرنا پڑا۔ الغرض جب موسے اور خضر علیہما السلام کشتی پر سوار ہوئے۔ تو دیکھا کہ ایک چڑیا کشتی کے ستول پر بیٹھی تھی۔ اسنے وہاں سے اڑکر سمندر سے چونچ میں پانی لیا اور پھر اپنی جگہ پر آبیٹھی حضرت خضر علیہ السلام نے موسےؑ سے پوچھا۔ کہ اس چڑیا نے کیا کیا۔ موسے علیہ السلام نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ آپنے جوابدیا کہ اس چڑیا نے مجھے اور تجھے یہہ سمجھایا ہے۔ کہ میرا اور آپکا علم۔ الہی علم کے مقابلہ میں صرف اتنا ہی اندازہ رکھتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے اوصاف اور محامد کا مقدار اس بارگاہ کبریائی میں یہ اندازہ رکھتا ہے۔ مگر عجیب بات یہہ ہے کہ نہایت رحمیت اور شفقت سے آپ قبول کر لیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین صفتیں ہیں جنکو صفات مستعدہ کہنا چاہیئے۔ اور درحقیقت یہ تینوں صفتیں دنیا اور آخرت کی سعادت کی اصل ہیں۔ جنکو یہ تین صفتیں دیگئی ہیں۔ گویا دنیا اور آخرت کی تمام نیکیاں اسکو دیگئیں۔ اونمیں سے اول دل شاکر ہے یعنے وہ دل جو منعم کی نعمت کا شناسا ہو۔ اور اپنے کام میں ہشیار ہو۔ دوم زبان ذاکر یعنے وہ زبان جو یاد حق سے کبھی غافل نہ ہو۔ سوم نفس بلاؤں پر صابر۔ یعنے ایسا نفس ہو کہ بلاؤں کے صدمات میں سینہ سپر اور صابر رہو۔

بکر بن عبداللہ مزنی نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ کہ جسکو نعمت دیگئی اور وہ اس نعمت کے بادل کے قطرے پیاسوں پر گراتا ہے۔ اور اللہ کے بندوں کی خوشی دیکھکر خوش ہوتا ہے۔ اور اس گھٹا کی قطرہ باری اور اسکے ٹھنڈی چھینٹوں سے اسکو منعم کا فضل جانتا ہے۔ وہ حضرت یزدانی کا گہرا دوست ہے۔ اور جسکو نعمت دیگئی اور وہ اسکو ظاہر نہیں کرتا اور اسکو خفا اور پوشیدگی میں رکھنے کی ہی کوشش کرتا ہے اور اپنے منعم کے شکر اور ثنا کے اظہار میں

زبان نہیں کھولتا۔ وہ مردود دشمنوں اور خدائی نعمتوں کے چھپانے والوں سے ہے۔

ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس بندہ کو بہت دوست رکھتے ہیں جسکے احوال و اقوال سے اللہ کے انعام اور افضال کے آثار نمایاں ہوں۔ اور شکر کے حقوق کے ادا کرنے کے واسطے اسپر نعمت ہمیشہ سایہ ڈالے رہتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ باغ جنان میں جو لوگ سب سے پہلے بلائے جاوینگے وہ ہونگے۔ جنہوں نے تنگی اور فراخی میں دل اور زبان کو اللہ کی حمد اور شکر سے فارغ رکھا ہوگا۔ یعنے سرا و ضرا میں اپنے مولا کے مدح خواں اور ثنا گو رہے ہونگے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ توحید کا نور بہشت کی قیمت ہے اور مومنوں کو عزت کے مراتب پر پہونچانے والا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد اور ثنا کا ہمیشہ وظیفہ رکھنا اللہ کی تمام نعمتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جب اللہ جلشانہ اپنے بندے کو اہل اور مال اور فرزند کی نعمتوں سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے اور بندہ صدق دل سے کہتا ہے۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ اس کلمہ پاک کے کہنے کے بعد موت کے سوا اسکو اور کوئی آفت ضرر نہیں پہنچاتی۔

ماشاء اللہ کے یہ معنے ہیں۔ کہ بندہ اسکی حقیقت اور سر کو چشم بصیرت سے دیکھے اور زبان حال سے گواہی دے۔ کہ جو نعمت بندہ کو پہنچتی ہے۔ وہ اللہ کی عنایت اور ارادہ سے ہی ہوتی ہے۔ اور کسی شخص کو نعمت کا حاصل کرنا اللہ تعالےٰ کی مشیت اور عنایت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حاصل کرنیکا حول اور قوت اوس قوی متین کے سوا، ہرگز ممکن نہیں۔

علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جس بندہ کو ہمنے اپنے فضل سے نعمت دی اور اُسنے سمجھا۔ کہ ہمارے ہی فیض اور عطا اور احسان اور امتنان سے ہے تو گویا اُسنے ہماری نعمت کا شکریہ ادا کیا اور جب ہمنے نعمت عطا کی اور اُسنے ہماری نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ رب العلمین کہا گویا اُسنے تمام نعمتوں کا شکریہ ادا کیا۔ خواہ وہ نعمت کیسی قدر ہی

ابودرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں کہ مجھے آدمیوں اور جنوں اور پریوں کے ساتھ عجیب معاملہ پڑا ہے۔ افسوس کہ ہمنے انکو پیدا کیا ہے۔ وہ اوروں کی عبادت کرتے ہیں۔ روزی ہم انکو دیتے ہیں وہ شکر اوروں کا کرتے ہیں۔ اِس بڑے کام کو ہم بڑے دن میں ہی اُن سے پوچھینگے۔ وہ ایسا ہولناک ہوگا۔ کہ ہمارے مخالفوں کو ہمارے عفو کی بغیر کہیں پناہ نہ ہوگی۔ اور بھاگنے والوں کو ہمارے بغیر کہیں سہارا کہیں ملیگا۔

اخبار میں آیا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ نے داؤد علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی۔ کہ اے داؤد ہمارے حضرت جمال کو دوست رکھاکر۔ اور ہمارے دوستوں کو دوست سمجھاکر۔ اور ہماری بندوں کو ہماری دوستی کی خلعت سے مشرف کیاکر۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یا اللہ اپنے دل کو تو تیری محبت کی جگہ سے بنالی اور تیرے پیاروں کو پیارا سمجھا۔ مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آتی۔ کہ عزت کے پردوں اور مؤدت کے بقاء اور تیری محبت کی اعلے چمک کو غافلوں بدبختوں سیہ اندرونوں کے تنگ و تیرہ دلوں میں کسطرح سے داخل کروں۔ اللہ جلشانہ نے فرمایا۔ کہ تو اتنا کیاکر کہ ہمارے احسان اور مروت اور جود اور حسان کو انہیں ہر روز یاد دلادیاکر۔ کیونکہ ان معانی کی یاد محبت کی آگ انکے دلوں میں بھڑکادیگی۔ اور اس آگ کی چنگاریاں انکی غفلت اور بدبختی کے حجاب کو جلادینگی۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا کی نعمتوں کی ہمسائگی کی حفاظت کیاکرو۔ یعنے شکر کے حق کے اداء کرنے میں قیام کیاکرو کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی قوم کی نعمت ناشکری کی وجہ سے تباہ ہوجاتی ہے۔ پھر نادر بات سے ہے کہ واپس آجاوے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس اللہ کی نعمتوں کا ذخیرہ سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ خدا کے بندوں کے حقوق کی بجاآوری اسکے ذمہ بڑھ جاتی ہے۔ یعنے محتاجوں کے فاقہ کا روکنا نعمت کے اندازہ پر ہوتا جاتا ہے۔ پس جو آدمی خلقت کی ضروریات کا تحمل نہیں ہوتا۔ اور محتاجوں کی قضاے حاجت کو غنیمت نہیں سمجھتا۔ وہ نعمت معرض زوال میں آنے والی ہوتی ہے۔ اور خواری اور احتیاج کی گرد اسکے

روزگار کے چہرہ پر پڑجاتی ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہماری نعمتوں کا لقمہ لیکر شکر کرتا ہے۔ اُسکا مرتبہ ہماری بارگاہ میں ایسا ہوتا ہے۔ گویا اسنے روزہ رکھا ہے۔ اور بھوک کی شدت پر نہایت حوصلہ سے صبر کیا ہے۔

روایت ہے کہ جب کنز کی آیت نازل ہوئی صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ ہم کس مال کی رعایت کریں۔ آپنے فرمایا کہ دل شاکر ہو اور زبان ذاکر۔ کیونکہ دل شاکر ہمیشہ زیادتی نعمت کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ اور ذاکر کی زبان اُس خواری کی جڑ کو اکھیڑ دیتی ہے۔ جسمیں غیر کی حاجت پڑتی ہو۔ دل کا شاکر ہونا گنج لایزال ہے۔ اور زبان کا ذاکر ہونا سلطنت لازوال ہے۔ جب الفاظ نبوی سے شکر کی فضیلت معلوم ہوگئی۔ جاننا چاہیئے کہ شکر اولیاؤں کے مقامات سے ایک مقام ہے۔ اور سالکوں کے تمام مقامات تین اصول سے منتظم ہوتے ہیں۔ اور وہ علم اور حال اور عمل ہے۔ سلوک کے ابتدا میں علم اصل ہوتا ہے۔ اور حال اسکا نتیجہ ہوتا ہے اور عمل اسکا پھل ہوتا ہے۔ لاکن جب سالک کا قدم نہایت پر جم جاتا ہے تو یہ قضیہ بالکل اُلٹ جاتا ہے۔ یعنے عمل اصل ہو جاتا ہے۔ اور حال عمل کا ثمرہ ہوتا ہے اور علم دونوں کا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ بات جو ہمنے بیان کی ہے۔ یہ سلوک کے علم سے نہایت ہی باریک بات ہے۔ اس بات کو پاک دلوں اور پاک نفسوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اصل اول جس سے علم مراد ہے اس اصل کا مدار تین باتوں پر ہے۔ اصل اول نعمت کی معرفت ہے۔ (اصل دوم) یہ سمجھنا کہ یہ نعمت میرے حق میں نعمت ہے۔ اگرچہ اسکے غیر کے حق میں وہ نعمت نہیں۔ مثلاً ایک شخص دشمن رکھتا ہے۔ اور وہ مرگیا۔ دشمن کا مرنا اسکے حق میں نعمت ہے۔ مگر دشمن کے حق میں نہیں۔ اصل سوم منعم کی ذات اور صفات کا جاننا ہے۔ کہ وہ بزرگیوں اور نعمتوں کے پیدا ہونے کی جگہ اور بخشش اور بزرگی کی نشانیوں کا پورا کرنا ہے۔ اور یہ اصل سالکوں کے معراج کا ابتدائی درجہ ہے۔ اور پھر اسکے چار درجہ ہیں۔

درجہ اول یہہ ہے کہ اللہ جلشانہ کی ذات کو منفرد سمجھنا۔ اور اسکی کمال صفتوں اور نعمتوں کا معترف ہونا۔ اور اسکی ذات بزرگ کو نقصان اور زوال کی صفتوں سے منزہ سمجھنا ان معارف کے

معنے لفظ سبحان اللہ میں درج ہیں۔

دوسرا درجہ اسکی ذات مقدس کے منفرد ہونے کا ملاحظہ کرے۔ اور جو جو انعام اور فضائل پوہنچتے ہیں انکو دیکھنا۔ اور یہ خیال کرنا کہ یہ تمام باتیں استحقاق کے بغیر اور استعداد کے وسیلے کے ماسوا اسکے فیض اقدس کی خواہش اور فضل کے ابر کی قطرہ باری پر خواہ مسرات روحانی ہوں یا جسمانی ہوں جو بدن کی استعداد میں سے ہیں اسکے فیض مقدس کی بخشش کے دریا سے ہی ہیں۔ ان حقائق کا شہود الحمد للہ کے معنے میں مندرج ہے

(درجہ سوم) منعم کی ذات منزہ کے تفرد کا مشاہدہ ہے غلبۂ عظمت اس سے یہ مراد ہے کہ مراتب کثرت کے ذرے آفتاب وحدت کی شعاعوں میں نابود کیئے جاویں۔ انوار فردیت کے اشراق کا غلبہ وحدانیت کے طبقہ پر چمک پڑے۔ اس معنے کا شہود لا الہ الا اللہ حقیقی جمال میں جلوہ نما ہے۔

(درجہ چہارم) ذات کبریائی کی کنہ دریافت کرنے سے تقصیر اور عجز کا پورا اقرار کرنا ہے۔ اور شکر میں ثابت قدم رہنا اور صفات کی ثنا میں استقامت کرنا ہے۔ کیونکہ اس ذات عالی کی ذات قدیم اور مقدس اس سے وراء الوراء ہے کہ اسکو نطق کی قوت بیانیہ سمجھ سکے۔ اور اسکی عظمت اور کبریائی خیمے اس سے بھی بلند تر ہیں کہ فہم اور بیان کے وسیلے سے اس جناب کی صفت کیجاوے۔ اور اس حال کا ظہور اللہ اکبر کی تفسیر کے سر میں پوشیدہ ہے۔ اسیواسطے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا کہنا میرے نزدیک بہت پیارا ہے۔ بلکہ اس سے بھی جسپر سورج چمکتا ہے انہی حقائق کے ظہور کا اشارہ ہے۔ کیونکہ نبوت کا منصب اس سے وراء الوراء ہے۔ افسوس کہ تمہاری زبان پر تو کلمہ پڑھا جاوے۔ اور بصیرت کی آنکھ اسکے اسرار اور حقائق کے شہود سے بیکار رہو۔ اور ان کلمات کے فضائل میں جسقدر احادیث نبوی وارد ہیں۔ یہ سب کے سب حقائق اور معانی کا ثمرہ ہیں۔ اسی کو مرتبۂ عرفان کہتے ہیں۔ کیونکہ زبان کی ہلہک اور مخارج نفسانی کی تراش خراش کو اسقدر وسعت اور گنجائش نہیں۔ کہ ان ثوابوں کا نتیجہ نکال سکے۔ ان حقائق کا یاد رکھنا ظلمات شرک کا منفی اور نور توحید کا مثبت ہے۔ کیونکہ عارف موحد کی تفریح منعم۔ حمید۔ اور معطی مجیب کی عنایات

کی یاد میں ہے۔ اور دوست کو دلدادہ کو محبوب کی مار پیٹ رقیب کی لطف اور پیار سے بدرجہا گوارا ہی
اور دنیاوی مثالوں میں ظاہر ہے۔ کہ اگر کسی شخص کو بادشاہی فرمان کی معرفت نعمت ملے۔ اگر اسکو
خوشی صرف نعمت کے حاصل کرنے سے ہی ہوتی ہے۔ تو اسکی خوشی صرف قلم اور کاغذ اور کاتب اور
وکیل۔ اور خزانچی پر ہے جو اس نعمت کو پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ منعم کی عنایت پر خوشی نہیں سمجھی جاتی
ایسا آدمی جاہل ہوتا ہے۔ اور منعم کی نعمت کے کفران میں ثبوت کامل دیتا ہے۔ ایسا ہی جو شخص مشیت
ازلی اور قدرت ربانی کے جاری ہونے پر اطلاع رکھتا ہے۔ وہ بصیرت کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کہ
سورج اور چاند اور ستارے اور زمین اور آسمان اور فرشتے اور جن اور انسان یہ سب کے سب اسکی قدرت
کے قبضہ میں ایسے مسخر اور مقہور ہیں۔ جسطرح کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔ اور یہ مقام توحید کا ہے
جبتک مومن اس مقام پر نہیں پہنچتا شرک خفی کی کھٹکوں سے خلاصی نہیں پاتا اور جو شخص اس مقام پر پہنچا۔ اسنے سمجھ لیا کہ انسان اگرچہ فاعل مختار
ہے لیکن باوصف اختیارات کی خواہشات کا مسخر اور مجبور ہے اور جب وارد غیبی اللہ کے اذن سے دل پر مسلط ہو جاتے ہیں
فاعل اس کام کے کرنے میں بیقرار ہو جاتا ہے۔ اور فعل ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے۔

یہاں سمجھ لینا چاہیئے کہ خیر اور احسان کا کرنے والا حقانی داعیہ کے واسطے احسان کے پہنچانے میں
محسن الیہ کیطرف مضطر اور مسخر ہے۔ جسطرح قلم کاتب کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر احسان کرنے والے
کو یہ یقین نہ ہوتا۔ کہ میں جو محسن الیہ کے ساتھ احسان کر رہا ہوں۔ اسمیں دنیا اور آخرت میں میرا ہی فائدہ ہے
تو وہ کبھی احسان نہ جتلاتا۔ دراصل معطی اور محسن حقیقی اللہ پاک کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور اس بات
کا سمجھ لینا ہی شکر کی حقیقت میں داخل ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ موسےٰ نے اللہ کی جناب میں عرض
کیا۔ کہ یا اللہ آپنے آدم کو اپنی قدرت کے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اور اسکو تمام مخلوقات سے برگزیدہ کیا۔ اور فرشتوں
کو حکم دیا کہ اسکو سجدہ کرو۔ اور اسکے رہنے کی جگہہ بہشت ٹھیرائے۔ اور اپنی لونڈی حوا کو اسکی زوجہ بنایا۔
ان سب باتوں کا اسنے شکر کسطرح ادا کیا ہوگا۔ جواب ملا۔ کہ اسنے یقیناً سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ جو سب کچھہ ہے
ہماری ہی طرف سے ہے۔ اور اسکا اتنا سمجھنا ہی شکر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔

اصل دوم حال ہے۔ جسکو ہم علم کا نتیجہ کہتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ منعم پر خوشنودی ظاہر کرے

اور یہ امر تین صورتوں سے باہر نہیں ہوتا پہلا درجہ یہ ہے۔ کہ پانے والے کی خوشی صرف حصول نعمت پر ہی موقوف ہوتی ہے۔ اور اسکے نزدیک صرف نعمت کی خوشی اور نفع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور اُس کی ہمت کا جانور نعمت کے دام اور دانہ میں ایسا مقید ہوجاتا ہے کہ منعم کی عنایت کا عکس اسکے خیال میں آتا ہی نہیں۔ اور اسکو نعمت کے ملنے سے ہی غرض ہوتی ہے۔ خواہ وہ نعمت اسکو جنگل سے ملجاوے۔ یا کسی بادشاہ کے ہاتھ سے ایسی آدمی کو نعمت کے شکر کا کوئی حصہ نہیں ملتا۔

درجہ دوسرا یہ ہے۔ کہ اسکو حصول نعمت کی کچھ خوشی نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکو منعم کی عنایت اور شفقت ہی جو منعم علیہ کے بارہ میں ظاہر ہوئی ہے محسوس ہوتی ہے۔ اور اسکو یہ نعمت جو منعم سے ملی ہے اگر بیابان سے ملجاتی۔ تو اسکی طبیعت میں کسی قسم کی خوشی ظاہر نہ ہوتی۔ کیونکہ اس نعمت کو استغنا کے واسطے حقیر سمجھتا ہے۔ اسکو تو منعم کی عنایت کا دھیان ہے۔ عین نعمت سے کچھ واسطہ نہیں اور اس حال کا صاحب ابھی شکر کے ادنے مرتبہ میں ہی قدم رکھتا ہے۔ اور اسکا شکر نقصان سے شبہ سے بری نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابھی اس شخص کا خیال اپنی خوشی کے حاصل کرنے کے واسطے منعم کی عنایات کا خیال رکھتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ نعمت پانے والے کی خوشی صرف اس خیال پر ہوتی ہے۔ کہ وہ نعمت حاصل کرکے اپنے آقا کی خدمت میں قیام کر سکے۔ اور اسکو خرچ کرکے اپنے منعم کی ہی رضا حاصل کرے اور محبوب منعم کے دائمی جمال کے مشاہدہ میں خوش رہے۔ یہ درجہ سب درجوں سے اعلے ہے۔ یہ مرتبہ اعلے کہاں اور وہ دنارت اور خست کہاں۔ اصل خست تو یہ ہے۔ کہ حصول نعمت کے وسطے منعم کی محبت ہو اور اعلے یہ ہے کہ نعمت کو اسلیئے چاہیئے۔ کہ اسکو خرچ کرکے اپنے مولا پاک منعم حقیقی کو راضی کرے۔

اصل سوم۔ حال کے بموجب عمل ہے۔ جسکو ہم علم کا نتیجہ کہ سکتے ہیں۔ اور اس اصل کا حکم بھی تین انواع پر ہے

(نوع اول) نعمت پانے والی کا ارادہ یہ ہو۔ کہ اگر مجھے نعمت ملے تو میں اس نعمت کو مولا پاک کی رضا میں خرچ کرونگا۔ یعنے یہ خیال کرے۔ کہ میرا خرچ منعم کی رضا اور اوامر کے ماننے اور نواہی سے بچنے میں ہو

اور اقسام خیرات کو پوشیدہ رکھنے اور محبت کے نائرہ کو بھڑکانے اور تعظیم کے شوق اور منعم کے قرب کی آرزو میں ہوگا۔

(نوع دوم) پکا ارادہ کرے کہ میں اپنے اوقات کو اس مولا پاک کی حمد اور ثنا میں خرچ کروں

(نوع سوم) عمل جوارح کا ہے۔ کہ منعم کی طاعت میں جوارح کو تابع بنادے اور جوارح کو اس درگاہ لاابالی کی مخالفت سے بچاتا ہے۔ مثلاً آنکھوں سے یہ کام لے کہ مخلوقات کیطرف عبرت سے نظر کریں۔ اور عاجز غریبوں پر شفقت کی نظر کریں۔ اور صلحار اور علماء کو عزت سے دیکھیں۔ اور مسلمانوں کے عیوب کو حتے الوسع ڈھانپتے رہیں۔

اور کانوں سے یہ کام لے کہ اللہ کا کلام اور رسول اللہ کے اخبار اور انبیاء کے اخلاق اور سلف صالح کی سیرت اور وعظ۔ اور تعریفات اور تنبیہات شرعی کو سنیں اور سرود اور جھوٹ اور فحش اور نمیمہ سے بالکل بچیں۔

زبان کی عبادت یہ ہو۔ کہ ہمیشہ ذکر خدا اور تلاوت قرآن مجید۔ اور معروف کا امر اور منکرات سے نہی اور شکر کا اظہار ہو۔ اور گلہ شکایت بالکل مفقود ہو۔ ایسا ہی ہر ایک عضو کی عبادت خاص ہے۔ جسکی ملازمت اسکو ضروری ہے۔ اور گناہوں سے بچنا لازم ہے۔

ایک ایسا کام جو طاعات کی فضیلتوں کا جامع اور درجات کا تابع ہے یہ ہے۔ کہ نعمت پانے والا اتنا نہ ہو کہ بچھونے پر موٹا ہو کر بیٹھے۔ اور شکر کے حق ادا کرنے سے ہمیشہ قصور کا ہی معترف رہے۔ یہ عبارت صبر کے باب کے لیئے بطور مقدمہ ہمنے لکھدی ہے۔ جب آپنے اس مقدمہ کو سمجھ لیا۔ تو اب اچھیطرح معلوم ہوجاویگا کہ نعمت کی تقسیم دو اعتبارات سے ہے۔ اعتبار اول یہ ہے کہ حال اور انجام میں نفع اور ضرر کا اعتبار ہو

(اعتبار دوم) اعتبار خصوص عموم کا ہے۔

اعتبار اول کی تین قسمیں ہیں اول وہ ہے جو نافع ہے اور دنیا اور عقبے میں باقی ہے۔ مثلاً علم اور حسن سیرت اور یہ دو نعمتیں حقیقی ہیں کہ انکی لذات کا اثر دنیا اور آخرت میں قابل زوال اور قابل فنا نہیں۔ اور انکے آثار

کے فوائد ابدالاباد تک منقطع نہیں ہوتے۔ اور غبی اور بیوقوف اس دولت سے محروم ہیں۔ اور دنیا اور آخرت میں مذموم اور اللہ اور اسکے رسول کی بارگاہ میں ملوم ہیں۔

قسم دوم۔ گو ابتدا میں مضر اور خوفناک ہے۔ لیکن آخر نتیجہ بڑا نافع ہے۔ اسکو نعمت مجازی کہتے ہیں یہ مجازی نعمت نعمت حقیقی کی طالب ہے۔ یہ نعمت مجازی یا تو دنیوی اور جسمانی ہوتی ہے مثلاً بیماری ہے اسمیں کڑوی اور تلخ اور ناخوش دوائی کے پینے میں صبر کرنا ہے یا اُخروی اور روحانی ہوتی ہے۔ مثلاً شہوات کا جڑہ سے نکالنا اور نفس کی مخالفت کرنا ہے۔ یہ قسم انبیا اور اولیا اور ارباب بصیرت کے نزدیک نعمت حقیقی ہے گو جاہل اور اہل غفلت اور نفس پرور آدمی اسکو بلا و محنت سمجھتے ہیں۔ درحقیقت یہ دو نو بلا اور شدت کا لباس اوڑہے ہوئے نمونہ رحمت ہیں۔

انمیں سے ایک تو امراض اور اسقام کی دافع ہے۔ اور دوسرے گناہوں اور بدکاریوں کی منفی ہے ایک تو صحت اور سلامتی کی مورث ہے۔ اور دوسری منازل کرامت کا موجب ہے تونہیں دیکھتا۔ کہ بیوقوف اور کم سمجھ لڑکے کو دفع بیماری کے واسطے جب کڑوی دوائی پلاتے ہیں وہ تو اسکو محنت سمجھتا ہے۔ اور اسکا پینا ایک بلا جانتا ہے۔ لیکن عقلمند آخر میں اسکو نعمت اور کرامت جانتا ہے۔ اور ایسے دوا کے مہیا کرنیوالے کو اپنا مشفق جانتا ہے۔ ایسا ہی ماں اپنی کوتاہی عقل سے بچے کو پچھنے لگانا بُرا جانتی ہے۔ اور حجام کو منع کرتی ہے مگر باپ کمال عقل اور دوربینی سے اجازت دیتا ہے اور یہ جانتا ہے۔ کہ امراض کی مشقت ان پچھنوں سے زیادہ ہے۔ اسیواسطے کہتے ہیں کہ دشمن عاقل جاہل دوست سے اچھا ہوتا ہے۔ اور تمام خلقت اپنی نفس کی دوست ہے۔ مگر اکثر خلقت جاہل کی دوست ہیں جو جہل کی شامت اور نفس کی شومت سے ہلاک ابدی اور گرفتاری سرمدی کے شکار ہو گئے ہیں۔

قسم سوم۔ وہمی نعمت ہے۔ یعنے ابتداءً تو لذیذ اور نافع معلوم ہوتی ہے مگر اخیر پر مضر اور مہلک ہے اس قسم کے بھی دو نوع ہیں۔

نوع اول دنیوی اور جسمانی ہے۔ مثلاً ایک شخص وہ شہد کھا رہا ہے جسمیں زہر ملا ہوا ہے۔ اور شہد سمجھکر بڑی خوشی سے کھاتا ہے۔ اور اسکا کھانا نعمت جانتا ہے۔ دراصل وہ مضر ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا

کہ لذات کی فراغت کے بعد ہلاکت ابدی میں گرفتار ہو جائے گا جو لاعلاج ہوگا۔

نوع دوم۔ اخروی اور روحانی ہے۔ مثلاً مناہی کا کرنا چنانچہ زنا اور لواطت اور شراب خوری۔ اہل فجور کے نزدیک بیٹھنا فی الحال یہ نعمت معلوم ہوتی ہے۔ مگر ارباب بصیرت کے نزدیک محنت مطلق اور سراسر بلا ہے۔ کیونکہ یقیناً سمجھا جاتا ہے۔ کہ عذاب اور پشیمانی تک نوبت پہونچیگی۔ الا ان یتدارکہ اللہ برحمتہ۔

بہ اعتبار دوم۔ کہ وہ نعمت کی تقسیم باعتبار عموم اور خصوص ہے۔ العزیز اسبغ اللہ علینا و علیک انعامہ واحسانہ واتم فضلہ و امتنانہ نعمت سے مراد وہ چیز ہے جو فی ذاتہ لذیذ اور فی نفسہ مرغوب ہو اگر ہم اسپر غور کریں اور اسکی اشتراک و اختصاص پر نظر ڈالیں تو دو قسم پر پائی جاتی ہے۔ ایک عقلی دوم بدنی۔

اول عقلی۔ علم اور حکمت سے مراد ہے۔ جو حضرت انسان کا خاصہ ہے۔ کیونکہ اور کوئی حیوانات اسمیں حصہ دار اور شریک نہیں ہے۔

دوم لذت بدنی وہ دو قسم پر ہے۔ ایک تو ایسی ہیں جنمیں انسان اور حیوانات شریک ہیں مثلاً لذت بدن اور لذت فرج یہ تین بہت کمتر درجوں سے ہیں اور عام ہیں۔ دوسری یہ ہے کہ بعض حیوانات اسمیں انسان کے شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً غلبہ اور استیلاء کہ درندے اسمیں انسان کے شریک ہوتے ہیں اور حیوانات کا آخری درجہ درندگی ہے۔ اور اگر درندگی سے تجاوز کیا جاوے تو ہی دم انوار عقلی کا ابتدا شروع ہوتا ہے۔ اور صفات درندگی کا تابع کرنا صدیقوں کا کام ہے۔ اور جب اس صفت کا ظہور ہو جاتا ہے تو پردہ غیب سے عقلی انوار کے حقائق جلوہ انداز ہوتے ہیں۔ اور اس سعادت کے صبح کے طلوع کا یہ نشان ہوتا ہے کہ علم اور حکمت کی لذتیں تمام لذتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ اور اللہ کی معرفت اور اسکے اسرار ذات اور صفات اور افعال کی واقفیت تمام لذتوں کو مقہور کر دیتی ہے۔ پھر روح اور قلب کی حقیقت غفلت اور حجاب کی امراض سے صحت کا رخ لیتی ہے۔ اور سمع اور بصر اور بطن اور فرج کی لذتیں قلبی اور روحی لذتوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔ اور علم حقیقی کی لذت کی شرف جملہ لذتوں کو ہیچ

اور نابود کر دیتی ہے۔ اور یہ لذت از روئے درجہ اگرچہ لذتوں سے اعظم ہے۔ مگر از روئے وجود موجودات سے بہت کمتر ہے۔ کیونکہ علم اور حکمت کی معرفت کی لذت عارف اور عالم اور حکیم کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ گروہ کبریت احمر کیطرح کمیاب ہیں۔ اگرچہ خودنماؤں کی ایک جماعت جاہل کو عارف اور عالم کہتے ہیں۔ اور مغروروں کی ایک قوم اپنے آپ کو انسان جتلاتے ہیں۔ مگر صورت اور معنے کے فرق کو ہم اسطرح بیان کرتے ہیں۔ گویا زمین اور عرش کا فرق ہے۔ اور علم کی شرافت کا کمتر درجہ یہ ہے۔ کہ اسکی عزت اور شرافت کا دنیا اور آخرت میں خاتمہ ہی نہیں۔ اور اسکی اسرار کی لذت ایسی ابدی ہے جسکو زوال اور فنا کا کھٹکا ہی نہیں۔ اور طعام اور شہوات موجودہ سے ملالت کا ہونا ممکن ہے۔ مگر عالم کو ابدی علم سے ملالت کا ہونا متصور نہیں۔ یہ ایسا خزانہ ہے جسکی محافظت کیواسطے رکھوالوں اور پہرہ داروں کی ضرورت نہیں اور اگر اس خزانہ سے زیادہ بھی خرچ کیا جاوے۔ تو اُس خزانہ کو نقصان یا کمی کا خوف نہیں۔ یا ایسا خزانہ ہے کہ کسی چور یا ٹھگ کا ہاتھ وہاں پہنچ نہیں سکتا۔ اور ایسی حکومت ہے۔ کہ کسی حاکم یا بادشاہ کے معزول ہونے سے تباہ اور بے انتظام نہیں ہو سکتی۔

نعمت کے اقسام سے ہر ایک نعمت ایک خاص صفت سے مخصوص ہے۔ بعض ایسی چیزیں ہیں جو فی الحال لذیذ ہیں مگر اخیر پر مضر ہیں۔ اور جو اخیر میں نافع ہیں۔ وہ حال میں مضر ہیں۔ مگر علم کی نعمت حال میں بھی اور مآل میں بھی نافع اور جمیل ہے۔ اور یہ نیک صفتیں اسکی ذات شریف سے ابد تک علیحدہ ہونے کے قابل ہی نہیں۔ جو بے سمجھ بقا کی لذیذ اور نافع اور شریف نعمت کو فنا کی کمینہ اور مکدر کرنے والی کے مقابلہ پہ بیچتے ہیں۔ اور دولتِ آفتاب کو جدائی کی مٹی سے لتھڑ دیتے ہیں اور حمقانہ طور پر ابدی خسران میں کوشش کرتے ہیں۔ وہ شخص سعادت ابدی کی نعمتوں سے محروم ہیں۔ اور بدبختی کے دہوکھے میں ڈالے گئے ہیں۔ اور جہالت اور غفلت کی بدبختی کے سرگشتہ ہیں۔ اس بدبختی کا مادہ یا عقلی امراض سے ہوتا ہے۔ یا یہ بات ہوتی ہے کہ جہالت کی بیماری سے دل مر جاتے ہیں چنانچہ اللہ جلشانہ قرآن مجید میں ظاہری بندوں کو مردہ معنوی کے نام سے پکارتے ہیں۔ انك لا تسمع الموتی اسکا گواہ ہے۔ اور شہوات کی متابعت عقل کی بیماری ہے۔ اور جہل اور غفلت کا غلبہ اکی

موت ہے۔ جس شخص کا دل جہالت کے غلبہ سے مرگیا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک مردوں سے ہی ہے۔ خواہ غافل جاہل اوسکو حیات بدنی سے زندہ دیکھتے ہیں۔ اور جس نیک بخت مقبول کا دل عرفانی حیات اور محبت کی نور سے زندہ ہے۔ گو عام لوگ اسکو مقبرہ کے ساکنین سے شمار کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ اس حی قیوم کی بارگاہ میں نیکو کار بندوں اور برخوردار مقربوں سے زندہ ہیں۔ چنانچہ اللہ جلشانہ شہدا کی بابت کتاب پاک میں فرماتے ہیں

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین۔ کہ اے محمد یہ خیال نہ کر کہ ہماری بارگاہ کے جانباز بندے اور تن گداز فدائی مرگئے ہیں یا انکی ہستی کے نقش دنیا کی تختے سے ملیامیٹ ہوگئے ہیں۔ بلکہ وہ محب صادق اور جانباز مخلص۔ جنہوں نے اپنے جان اور مال کو بے تحاشا ہماری راہ میں لٹادیا۔ اور قرب کے بچھونے کو حرص اور لالچ کی آلودگی سے صاف رکھا۔ اور دل کی منزل کو اغیار کی کدورتوں سے بالکل صاف کر دکھایا۔ وہ حیات جاودانی سے زندہ اور عنایت ربانی کے نور سے تابندہ ہو کر آسمان سعادت پر ستاروں کیطرح چمکتے ہیں۔ اور رزق روحانی اور الطاف رحمانی۔ اور عنایات یزدانی سے ہمیشہ خوشی اور آرام اور امن اور چین میں مسرور اور محفوظ ہیں۔ اگرچہ ظاہر بین جاہل اور عاقل انکو مقبروں کے مردوں سے سمجھتے ہیں۔ اور چشم فانی سے انکے فنا کو بدیہی دیکھتے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں وہ زندہ ہیں۔ (لقائلہ

بروز مرگ چو تابوت من رواں باشد	گماں مبر کہ مرا درد ایں جہاں باشد
جنازہ ام چو بہ بینی مگو دریغ دریغ	بدام دیو در افتی دریغ آں باشد
تنم بخاک سپاری مگو فراق فراق	کہ خاک پردہ اسرار عاشقاں باشد

العزیز خلقت کی حیات اور موت معنوی میں اور افراد اشخاص کی سعادت حقیقی کے قرب و بعد الہٰی ہیں۔ لیکن یہہ سب مدارج چار اقسام پر تقسیم ہو سکتے ہیں۔

درجہ اول۔ ان لوگوں کا دل ہے جو عنایت کے مجذوب ہیں اور ہدایت کے مطلوب اور عرفان کے دریا کے غریق۔ اور محبت کی آگ کے جگر سوختہ اور وحشت اور حیرت کے جنگل کے مشتاق ہیں اور

اور غیرت کے رعب نے اغیار کا نقش انکے دلوں کی تختی سے مٹا دیا ہے۔ اور انکے شعور کا قطرہ احدیت کے دریا میں مل چکا ہے۔ اور خدائی محبت کے سوا انکے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی۔ اور محبوب کے ذکر کے سوا انکو آرام اور اطمینان ہی نہیں ملتا۔ انکا محبوب مولا ذوالجلال۔ اور بادشاہ ملک بے زوال ہی ہے۔ ایسے آدمیوں کا وجود گو ممکن الوجود ہے۔ لیکن علماء کے علوم سے پوشیدہ ہے۔ اور عقلاء کے عقول کی حدود سے بہت دور ہے۔

(اولیا کے حالات عجیب ہیں عام انکے حالات نہیں سمجھ سکتے)

درجہ دوم سیہ کار بدبخت کا ہے۔ جو بادیہ حرمان کا مردود۔ اور جنگل شقاوت اور خسران کا مطرود ہے۔ اُنس کی لذت اُسنے کبھی نہیں چکھی۔ اور محبوب حقیقی کی معرفت کا جمال اسنے کبھی نہیں دیکھا اور مال اور جاہ کی لذت کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اور ہمت کے گھوڑے کو شہوات کے میدان میں دوڑاتا ہے۔ غضب اور شہوت کا گرفتار اور جہل اور غفلت کا گرفتار بخل اور ریا کی بند کا بستہ اور نفس و ہوا کی رہن کا اسیر ہوتا ہے۔ اور یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا کی ملامت کا عتاب زدہ ہوتا ہے۔ اسکا یہ اصول ہوجاتا ہے۔ کہ برائی کو نیکی پر مقدم رکھتا ہے اور احسان کو بدعملی سمجھتا ہے۔ وہ مردودوں کے اخلاق اور شیاطین کی اوصاف میں موصوف ہوتا ہے۔ معروف کو منکر جانتا ہے اور منکر اسکے اعتقاد میں معروف ہوتا ہے اسکو ہم بدتر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو شخص اسکے ساتھ چھو جاتا ہے مردود ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اسکا منہہ دیکھتا ہے بدبختی کی گرد اسکے سر پر پڑتی ہے۔

(زمانہ حال کے فقراء اور علماء کا حال)

تیسرا درجہ اُس دل کا ہے کہ اکثر اوقات وہ چاہتا ہے کہ میں قرب حاصل کرلوں اور اسکا اکثر رجوع اللہ کی عبادت کیطرف ہوتا ہے۔ اور زیادتی معرفت سے وہ لذت پاتا ہے۔ اور مناجات کرنے میں اسے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ مگر بعض موقعہ میں علائق جسمانی اور عوائق نفسانی اسکے حال کے آگے حجاب ہوجاتے ہیں۔ اور بشری بکھیڑے اسکے رستے کے آگے مضبوط دیوار بنجاتے ہیں یہ ایسا گروہ بھی نادر ہوتا ہے۔ ایسے گروہ کا وجود بھی شریف ہوتا ہے اور کمیاب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ خواص جو ہمنے بیان کیے ہیں عالم آخرت کی تعمیر کا بنیادی پتھر ہیں ایسے آدمی کا وجود بھی ہر قرن میں بہت کم کم ملتا ہے۔

چوتھا درجہ وہ دل ہے کہ جسکا اکثر اہتمام جسمانی آرائش اور زیبائش کے ہی متعلق ہوتا ہے اور صفات بشریت کی حصول کا ہر دم فریفتہ رہتا ہے۔ مگر وہ کبھی کبھی علم اور حکمت کے مذاکرہ سے بھی آرام حاصل کرتا ہے اور اسی حالت میں امور فانی کی ناپائداری کا نقشہ بھی اسکے دل پر جم جاتا ہے ہر ایک زمانہ میں ایسے آدمی بہت ہوتے ہیں۔

جب آپنے معاملات دنیوی میں ان مراتب کو معلوم کیا۔ معاملات اُخروی کو اسیطرح قیاس کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ دنیا آخرت کا آئینہ ہے۔ اور دنیا کی صورتیں جو تمکو نظر آتی ہیں یہ سب عالم اُخروی کی حقائق کا عکس ہیں۔ اور یہ سمجھ لو کہ یہ عالم شہادت عالم غیب کے تابع وجود میں ہے۔ عرفان میں نہیں۔ کیونکہ ترتیب عرفانی ترتیب وجودی کا عکس ہے۔ چنانچہ آئینہ کا عکس مرتبہ کے لحاظ سے صورت اصلی کا تابع ہے۔ گو بلحاظ مرتبہ وجودی کے اسکا دوسرا نمبر ہے۔ لیکن دیکھنے کے لحاظ سے اول کا ہی حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ دیکھنے والا جبتک اپنی صورت کا عکس شیشہ میں نہیں دیکھتا۔ اپنی صورت کی حسن اور قبح کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتا اسلیئے عرفان کے مرتبہ میں تابع متبوع ہوجاتا ہے اور وجودی متاخر عرفی متقدم ہوجاتا ہے اور یہ قسم جو ہمنے بیان کیا ہے۔ احکام کے انعکاس سے ہے۔ اسلیئے ارباب بصیرت جو صورت اس دنیا میں دیکھتے ہیں۔ اس سے عالم ملکوتی کی صورت حقیقی کی طرف عبور کر جاتے ہیں۔ اور پھر اُس حقیقت سے اسرار ربوبیت کے بھیدوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اس سر کے شہود کو منازل قرب کا وسیلہ بنا لیتے ہیں اور بنجاتا ہے۔

مگر جو لوگ بادیہ غفلت کے اندھے ہیں۔ اور حبس طبیعت کے مقید ہیں۔ وہ اسرار عبور سے قطعاً خبر نہیں رکھتے۔ اور ہمت کی نظر کو ظاہری امور کے سوا اور کہیں نہیں لگاتے۔ سب کے سب دنیاوی مردار کے تابع ہوتے ہیں۔ اور اگر بندگی کرتے ہیں تو نفس اور ہوا کی کرتے ہیں۔ اسوقت تک نفس اور ہوا کی عبادت کرتے ہیں کہ ہوا داری کی کلید سے ہاویہ جہنم کا دروازہ اُن بدبختوں کی قبر میں کھل جاتا ہے اور دوزخ کے الینے شعلے مارنے لگتے ہیں۔ پھر وہ بیہودہ فریاد اور واویلا مچاتے ہیں۔ ربنا اخرجنا نعمل صالحاً۔ افسوس کہ مہلت کا زمانہ گذر گیا اور وہ فرصت گذر چکی۔ اور اعمال کا زمانہ ختم ہوگیا

اب عمل کا موقعہ گذر کر سزا کا موقعہ آگیا۔ اور گرفتاری کا نفارہ بچ گیا۔ اصبروا ولا تصبروا سواء علیکم انما تجزون ما کنتم تعملون۔

ہمنے جب شکر گذار کے شکر اور شاکر کے اقسام اور اسرار کے دقائق بیان کیے ہیں۔ اب اللہ جل شانہ کے انعام اور افضال کی طرف بھی کچھ ایما کی جاتی ہے۔ تاکہ عقلمند شاکروں کو تنبیہ اور غور کرنے والے راغبوں کو تصریح ہو جاوے۔

اے عزیز جاننا چاہیئے۔ کہ تمام اقسام کی نعمتیں اسی واجب الوجود کی نعمت کا فیض ہیں۔ جب آپکے جود کا دریا شہود کے ساحل لہریں مارتا ہے۔ تو محسوسات کی نعمت اسکی نعمتوں سے کم درجہ کی نعمت ہے۔ اور مطعومات کی نعمت محسوسات کی ردی اور غلیظ نعمتوں سے ہے جیسے اغذیہ اور ادویہ جسمانی مراد ہے۔ اور جو قوتیں معاش انسان کی اصل ہیں ان سے عام بھی ہیں اور ضروری بھی ہیں۔ اور اُنسے اکثر احتیاج پڑتی ہے۔ اس بارہ میں یہ عاجز ہیچمدان دانہ کی ترتیب بیان کرتا ہے۔ کہ وہ کسطرح بنا اور کہاں تک پہنچا۔ کیونکہ وہی معاش کا اصل اور حیوانات اور انسانوں کے قوام اور قیام کا مادہ ہے۔ اور وہ دانا تدابیر ربانی اور فرشتوں کی تعمیل اور اسباب آسمانی اور زمینی تاثیر سے ہوتا ہے۔ یعنی آفتاب اور چاند اور ستاروں اور ہوا اور خاک اور پانی کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اسکے اسباب جسمانی کی باریکیوں کا ذکر کرتے ہیں اس سے ہمارا منشا یہ ہے کہ سمجھدار طالب اور تیز بین سالک سمجھ لیں کہ ان وسائط اور اسباب سے ہر ایک چیز ایک بھاری نعمت اور بے نظیر حکمت ہے۔ اگر انمیں سے ایک بھی عدم سمجھا جاوے۔ تو تمام مخلوقات کیا فرشتے اور انسان اور کیا جن اسکی اصلاح اور درستی میں انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ اور وجود کا انتظام بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اب جاننا چاہیئے۔ کہ اس رب العالمین نے اپنی کمال حکمت سے دانہ کی ذات میں بندوں کی قوت قائم رکھنے کے واسطے غذائیت کی قوت مخفی رکھی ہے۔ ایسا ہی حیوانات کے انواع میں اور نباتات میں مسام پیدا کیے ہیں۔ تاکہ انکے ذریعہ سے غذا کو چوس سکیں۔ کیونکہ بعض حیوان ایسے ہیں۔ کہ ہر قسم کی غذا نہیں کھا سکتے بلکہ وہ خاص غذائیں کھانے کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایسا ہی دانہ کو بھی ہر چیز کا تغذیہ نہیں

حل سکتا۔ وہ اپنی نشو ونما میں خاص غذا کا محتاج ہے۔ مثلاً اگر ایک من غلہ کو گھر میں۔ یا صرف زمین خشک پر رکھا جاوے تو نشو ونما کا اثر نہیں ہوتا نشو نما حاصل کرنیکے واسطے لازم ہے کہ وہ زمین جسمیں دانہ ڈالنا مقصود ہے اسکو پہلے مینھ یا چشمہ یا نہر کا پانی دیا جاوے۔ اور اسکے اجزا میں ہوا کا نفوذ ہو۔ اور آفتاب کی گرمی بھی اسکو پہنچے۔ اور ہوا کے چلنے سے ہوا کے لطائف خاک کے امتزاج میں اثر کریں۔ وارسلنا الریاح لواقح میں القاح سے مراد عنصر خاکی اور آبی اور بادی کے میل جول سے ہے۔ چنانچہ پاک پروردگار فرماتے ہیں۔ فلینظر الانسان الیٰ طعامہ انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا یہ باتیں قوت کے ازدیاد اور نبات کے پورے نشو ونما کے واسطے کافی نہیں ہیں۔ اسلیئے آپ کی کمال حکمت نے یہ تقاضا کیا کہ نئی نئی غذاؤں کے موجود کرنے کے واسطے ہر ایک دور کو چہارگانہ فصلوں پر تقسیم کر دیا تاکہ بیج ڈالنے کے وقت شتا کی برودت اور رطوبت سے دانوں کی سختی اور خشکی ٹوٹ جاوے۔ اور بخارات جمع ہو کر زمینوں کی قوت نامیہ کو تحریک میں لاویں۔ جب قوت نامیہ نے نشو کی حرکت کو ابھارا تو ربیع کی حرارت اور رطوبت کی بخارات کی چڑھنے اور کثرت بارش کے ہونے سے نباتات کی قوت جاذبہ اعتدال کے درجہ تک پہنچکر درجہ کمالیت حاصل کر لیتی ہے۔ اور صیف کی ہوا کی حرارت اور یبوست کے باعث اجسام نباتی نے جو لطیف عنصر ہوائے ربیع میں حاصل کیئے تھے پک جاتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دانہ اور پھل اجسام نباتی میں منعقد ہو جاتے ہیں۔ اور کھانوں اور پھلوں میں خوشبو رنگ کمالیت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ آفت طوفان اور سڑنے سے بچکر بالکل امین ہو جاتے ہیں۔ اور ہوائے خریف کی حرارت اور یبوست کی وجہ سے پیدا شدہ چیزوں کی صفت حد کمال تک پہونچ جاتی ہے۔ اور دانوں اور پھلوں میں بقا ثبات پیدا ہو کر سڑنے اور خراب ہونے سے بالکل امین ہو جاتے ہیں

جیسا کہ فصول اربعہ میں سے ہر ایک فصل کو نباتی اور حیوانی پیدائش سے خاص اثر ہے ایسا ہی ہر ایک ستارہ کو خواہ وہ ثابت ہو یا سیار حرکت دینے اور ٹھہرانے۔ اور حل کرنے اور بستہ کرنے اور بخارات بنا کر اڑا دینے۔ اور مقطر کرنے۔ اور ملاپ کر دینے اور جوڑ دینے۔ اور شکل بناتے اور نکالنے میں خاص عمل اور اثر ہوتی ہے خواہ وہ اجسام معدنی ہوں یا نباتی ہوں یا حیوانی ہوں یا انسانی پر اثر

کسی اور چیز میں موجود نہیں - اور نہ پایا جاتا ہے۔ آپ دیکھتے ہو۔ کہ جہاں کی اجزاء کا گرم ہونا آفتاب کی خاصیت کی متعلق ہے۔ اور موجودات کی ذات کا قائم رکھنا زحل کی خاصیت کی متعلق ہے۔ اور عنصر آبی کا ہونا اور اسکا چیزوں کے مسامات میں چڑہنا اور بہانا مشتری کی معاونت کے سپرد ہے۔ عنصر بادی اور لطائف ہوا کا اُبھار اور محسوسات کے اجسام کے سوراخوں میں داخل کرنا مریخ کی خاصیت کے سپرد ہے۔ اور بخاراتِ مرطوب کا اُٹھانا اور مینھ کا برسانا قوت زہرہ کے سپرد ہے۔ اور بخار خشک کا بخار مرطوب سے ملاکر نباتات اور حیوانات کے اجسام میں اعتدال پیدا کرنا عطارد کی خاصیت ہے۔ اور مزاجوں کا ترتیب وار رکھنا اور عنصر آتشی کے غلبہ سے اسکو بچانا۔ اور مولدات میں قوائے نشو ونما کی امداد کرنا قمر کی خاصیت سی ہے۔ ایسا ہی اجزائے آسمانی سے ہر ایک کو اثر حاصل ہے۔ اور اجرام ثوابت سے بھی ہر ایک جرم کا فعل ہے خواہ ارضی یا سماوی ملائکہ ہوں۔ انمیں سی ہر ایک کا خاص عمل ہے جسکو دوسرا مطلق نہیں کرسکتا۔ آیہ شریفہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اسپر شاہد ناطق ہے اور جب دانہ کے موتیوں نے آبی اور خاکی معدن میں پرورش پائی اور نفوس فلکی کی کوشش اور اور اجرام سماوی کے تصرفات سی حد کمال تک پہونچا تو ہر نوع انسان کی غذا کے لائق بنا۔ اور عالم فانی کے کارکنوں کے قبضہ سے نکلکر نفوس انسانی کی حد تک پہونچا۔ اور وہ دانہ ہاتھوں کے ذریعہ سے منہہ کا نوالہ بنا۔ اور معدہ اور جگر وغیرہ میں جاتا ہوا۔ انسان کی شکل میں متشکل ہوا۔ بڑا تعجب یہ ہے۔ کہ یہ حضرتِ انسان باوصف کئی ہزار نوکر چاکروں اور قوائے طبعی اور حیوانی و نفسانی کے ہزارہا ہندسوں اور عاملوں کے محتاج اور دست نگر نظر آتا ہے۔ ان سب باتوں کی شرح اور تفصیل اور ان اسراروں کی تکمیل احاطہ بشریت سے خارج ہے۔

مگر مختصر طور پر ہم تھوڑا سا بیان کرتے ہیں۔ کہ جب ذات متعالیہ کی حکمت اس امر پر متقاضی ہوئی کہ جو شخص موجودہ کمالات صوری و معنوی کی کمالیت کی قابلیت رکھتا ہے۔ اسکو کمالیت کی خلعت سے سرفراز کرے تو نوع انسان کی طعام اور غذا کی کمالیت کو چار صفتوں پر موقوف کر دیا۔ وہ نرمی اور بو

(خواص ستاروں)

اور لذت اور رنگ ہیں۔ اور ان اقسام سے ہر ایک کا ادراک حواس انسانی سے ایک قوت حاسہ کے سپرد کر دیا۔ جنکو تم قوے سمجھتے ہو۔ وہ درحقیقت ملائکہ ارضی سے وہ ایک ایک فرشتہ ہو۔ اور انکے درجات کے تصرف اور اختیارات ملائکہ آسمانی کے اختیارات کی ہمرنگ ہیں جسطرح ملائکہ سماوی کو ایک ایک کام سپرد کیا گیا ہے۔ اور وہ دوسرا کام کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ ایسا ہی ملائکہ زمینی کا بھی یہی طرز عمل ہے۔ وجہ کامل یہ ہے کہ ملائکہ زمینی اعیان علوی کا عکس ہیں

اب جاننا چاہیئے جو ملائک کہ نفع اور ضرر کو سمجھنے والے ہیں انکا تصرف انسان اور حیوان کے نوع میں درجہ وار ظہور پکڑتا ہے۔ مثلاً اول ہی اول جو ادراک حیوان میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لمس ہے اور لمس کی حس باقی حواس سے ادنے درجہ پر ہے۔ حیوان کا ادنے درجہ اسحالت میں ہوتا ہے جبکہ وہ اس حس کے سوا اور کچھہ نہ رکھتا ہو۔ غور سے دیکھو کہ خراطین کے کیڑوں میں صرف یہی حس ہوتی ہے۔ جو حیوانات اور نباتات کی باہمی فرق میں امتیاز پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ جو موجود نباتات کے ادنے درجہ سے تجاوز کرتا ہے۔ وہ عالم حیوانات کی حد کے قریب قدم رکھ لیتا ہے۔ اور یہ حس اسکا قدم وہاں جما دیتی ہے۔ اور یہ حس نرمی اور سختی اور گرمی اور خشکی کا ادراک کرتی ہے۔

اب اس درجہ سے آگے حس ذوق پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دونو حسیں ادراک حاصل کرنے کے واسطے پہلو بہ پہلو ہیں۔ اور جب یہ حس پیدا ہوتی ہے تو مطعومات کا ادراک ہونے لگتا ہے کہ کھانا کڑوا ہے یا میٹھا ترش ہے یا نمکین۔ چربی دار ہے یا شیریں وغیرہ۔

اسکے بعد قوت شامہ یعنے سونگھنے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس سے وہ بوئیں جو اچھی یا بری ہوں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور قوت شامہ اور دو پہلی قوتوں میں یہ فرق ہے۔ کہ لمس اور ذوق کی حسوں سے کسی چیز کے چھونے یا چاٹنے کے بغیر ادراک نہیں ہوتا۔ اور حس شامہ کو ان اشیا کے ادراک کے واسطے خواہ مطابق ہوں یا غیر مطابق قوت لامسہ اور ذائقہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں قوت شامہ کیواسطے اتنا ضروری ہے کہ وہ چیز جسکا ادراک کرنا ہے قریب ہو۔ کیونکہ اس حس کو یہ قوت نہیں کہ بہت دوری سے بوؤں کا ادراک کر سکے۔

اب اس سے پیچھے نور بصر کا دورہ ہے اور یہ وہ حس ہے رنگ اور شکلیں اور صورتیں ادراک میں آتی ہیں۔ اگر انسان میں یہ حس نہ ہوتی تو رنگوں اور شکلوں کے عالم سے اسکو مطلق خبر نہ ہوتی۔ اور مطالب ضروری کو دوری سے ادراک نہ کر سکتا۔ پس اس صانع مطلق اور حکیم کامل کی حکمت اس نعمت کو اسکے وجود میں موجود کر دیا تاکہ اس قوت کے ذریعہ سے آیات اور عجائب اور غرائب کے اسرار کا مشاہدہ اور عالم الوان اور اشکال کا سیر کر سکے۔ اور حسن اور جمال کے علامات کے ملاحظہ سے خوش ہو سکے۔ اور اُن صورتوں کو جو جسم کو ضرر دینے والی اور نفع رسان ہیں نزدیک اور دور سے ادراک کرے۔ اور حسب معاملات دور کے ایسے تھے جنکو قوت بصر نہ دیکھ سکتی تھی۔ اسلیئے اس سے اگلے درجہ پر قوت سمع کو کرسی نشین کر دیا۔ تاکہ جو چیزیں پردہ کے پیچھے ہیں۔ انکی آواز سنکر ادراک ہو سکے۔ اور انکی اصلاح اور فساد میں فرق کر سکے۔ اور انسان کے حواس ظاہر کو اس حس کے ملجانے سے درجہ کمال ملجاوے۔ اور نوع انسان کو کلام کی باریکیوں کی نعمتوں سے دوسرے حیوانات کی نسبت ممتاز کرے۔ اور جب ان حواس خمسہ کے ہر ایک حس کے ادراک کا تصرف اس عالم میں خاص ہے اسلیئے ایک حس دوسری کا کام نہیں کر سکتی چنانچہ قوت سامعہ عالم الوان کے ادراک سے عاجز ہے۔ اور قوت باصرہ عالم اصوات کے فہم سے قاصر ہے۔ اور قوت شامہ کو یہ طاقت نہیں کہ کھانے کے چیزوں کی لذت دریافت کر سکے۔ اور ذائقہ کا یہ حوصلہ نہیں کہ سونگھنے والے چیزوں سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اسلیئے اس حکیم مطلق نے اپنی کمال حکمت سے حس مشترک کو دماغ کے آستان کا دربان بنا دیا۔ اور اسکو ان پانچ حسوں کا رئیس اور امیر قرار دیا۔ اور اسکو حواس خمسہ کے اخبار اور اسرار میں شراکت بخشی تاکہ وہ اخبار کی حاوی اور اسرار کی جامع ہوجاوے۔ گویا یہ حواس خمسہ اسکے جاسوس ہیں۔ جو جملہ عالم کے حالات لیکر اسکے روبرو پیش کرتے ہیں۔

مثلاً قوت باصرہ پانی کا رنگ۔ اور سامعہ پانی کی آواز۔ اور قوت شامہ پانی کی بو اور قوت ذائقہ پانی کا مزہ۔ اور قوت لامسہ پانی کی سردی یا گرمی دریافت کرکے ہر ایک اپنے ادراک کو حس مشترک کی بارگاہ میں لیجاتی ہے۔ اسلیئے حس مشترک ان سب سے واقف ہوجاتی ہے۔ اور اس قوت کا نام حس مشترک بھی اسلیئے ہے۔ کہ اسکا اشتراک تمام حسوں میں ہے۔

پھر ابھی حس مشترک میں ایک کمی تھی۔ کہ جو اخبار اور اسرار اسکو ملے تھے۔ انکو حفظ نہ رکھ سکتی تھی اسلیئے اس حکیم مطلق نے قوت خیال کو اسکے پہلو میں کھڑا کر دیا۔ تاکہ منافع کی صورتیں اور ضرر رسان اشیاء کی شکلیں خیال کے خزانہ میں خراب اور تباہ ہونیسے بالکل محفوظ رہیں۔ اور پھر انسان انکو ہر ایک موقعہ پر اپنا اصول قائم کرکے سمجھنے میں تیار رہے۔ اگر قوت خیال اور حافظہ انسان کے دماغ میں نہ ہوتی تو جو امور نافعہ یا مضر اسکو پہنچتے ہیں۔ اور ان سے خوش یا حیران ہوتا ہے۔ جب کبھی پھر پیش آتے تو پہچان نہ سکتا اور ایک بڑا لمبا چوڑا کام ہو جاتا۔ اور ہمیشہ کھچا کھچ میں گرفتار رہتا۔ اور انسان نفع کے حاصل کرنے اور مضار کے دفع کرنے میں عالم ظاہری کا محتاج ہے۔ اسیطرح اسکو عالم معانی کی حفاظت کی بھی نہایت ضرورت ہو۔ اور حس مشترک اور خیال اسکے حاصل کرنے میں بالکل بیکار ہیں۔ اللہ تعالے نے اپنی حکمت کاملہ سے وہم اور حافظہ کو دماغ کے درمیان مقرر کیا تاکہ اسکے ذریعہ سے معانی کا ادراک کرتا ہو اور حافظہ کا خزانچی حس مشترک کیطرح ودیعت اور دشمن کی صورت کا ادراک کرتا ہو اور اس صورت کے خیال کو نگاہ کرے اور وہم کا یہ کام ہوتا ہے کہ دوست کی حقیقت اور دشمن کی کیفیت کا ادراک کرتا ہے۔ اور حافظہ اُن معنے کو نگاہ رکھتا ہے۔ اور حس مشترک کا یہ کام ہے کہ دلپسند اور ناپسند شکلوں کی تمیز کرتا ہے۔ اور خیال کا ساتھ ہی اسکا یہ فرض ہوتا ہے کہ انکی حفاظت کرتا جاوے اور وہم کا یہ کام ہے کہ پسند اور ناپسند غذاؤں کی تمیز کرتا ہے۔ اور قوت حافظہ ساتھ کے ساتھ اسکو اپنے اپنے درجہ پر حفاظت میں رکھتی جاتی ہے۔ تمام حیوانات ان قوےٰ ظاہری میں انسان کے ساتھ شریک ہیں اگر آدمی کے قوےٰ انکے سوا اور نہ ہوتے تو وہ بھی حیوانات کے ہی برابر رہتا۔ کیونکہ حیوانات کے بھی حواس ہیں۔ اور باوجود ان حواسوں کے جب اسکو دشمن سے بند کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسکو یہ سمجھ نہیں ہوتی۔ کہ اس دشمن کو کسطرح دفع کرسکے اور اپنے آپ کو بچا سکے۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز اسکو فی الحال خوش معلوم ہوتی ہے۔ اسکو خوشی خوشی کھاتا جاتا ہے۔ اور آخر کی مضرت کی تمیز نہیں کرسکتا۔ اور استقبالیہ ہلاکت کی بابت اندیشہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان ظاہری حواس خمسہ سے جسمیں انسان اور حیوان شریک ہیں بجز موجودہ احساس کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔ پس اللہ تعالے نے حضرت انسان کو نور عقل کی شرافت سے منور کیا۔ جو پرلے درجہ کا آخر بین ہے۔ اسی عاقبت بینی نے اسکو حیوانات کے گروہ سے ممتاز کر دیا ہے۔

کیونکہ اس عقل کی نورانی چمک سے معانی کو سمجھ سکتا ہے اور طعمہ اور اغذیہ کے نتائج کو سمجھ سکتا ہے اور حال اور مآل کے نفع اور ضرروں کو اچھیطرح جان سکتا ہے۔ ان باتوں کا جاننا عقل کا ادنے درجہ ہے۔ اسکا اعلے اور اعظم فائدہ یہ ہے۔ کہ الٰہی اخبارات کا مطالعہ کرے۔ اور ذات نامتناہی کے اسرار کا مشاہدہ کرے۔ ان حواسوں کے آلات اور ادراک سے اگر انسان کی ذات میں صرف مختلف کھانوں کیطرف رغبت اور محبت ہی ہو۔ تو اسکے حق میں مفید نہیں ہو سکتے۔ کوئی حس نہ فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ نہ مضرت کو ہٹا سکتی ہے۔ دیکھو بیمار آدمی میں یہ سب ادراکات موجود ہوتے ہیں مگر وہ بیماری کی وجہ سے کچھ بھی کھاتا نہیں۔ تو یہ ادراکات اور قوٰے کس کام کے۔ اسلیئے اللہ جلشانہٗ کی کمال حکمت نے ملائکہ ارضی سے ایک فرشتہ کو آدمی پر موکل کیا ہے۔ تاکہ وہ ضرورت کی موافق کھانا کھانے کی طرف اسکو توجہ دلاتا رہے۔ یہ بھی ہے۔ کہ اگر یہ فرشتہ اس شخص کو کھانے سے نہ روکے تو ضرور ہے کہ کھانے والا ہلاکت تک پہنچ جاویگا۔ مثلاً نباتات میں جب یہ صفت گم ہو جاتی ہے۔ یعنی طوفان کی سیلابی میں جب وہ پانی کو زیادہ چوس جاتی ہے۔ تو اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرجھا کر بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ اسلیئے حکیم مطلق نے انسانی طبائع میں کراہت کو بھی موکل کر دیا۔ تاکہ ضرورت سے زیادہ نہ کھا جاوے۔ کیونکہ یہ زیادہ کھانا اسکی موت اور تباہی کا موجب ہو جاوے گا۔ اور کمال اور استکمال کے بعد بھی اگر یہ صفت اسکی ممد اور معاون نہ ہوتی تو کبھی وہ فائز المرام نہ ہوتا مثلاً ایک شخص لنجا ہے۔ اور وہ ایک چیز کو (جو اس سے دور ہو) پکڑنی چاہتا ہے۔ یا جو قریب ہے اس سے بچنا چاہتا ہے۔ اور وہ عدم قدرت اعضا کے باعث نہ تو مرغوب کو پکڑ سکتا ہے۔ اور نہ مکروہ سے بھاگ سکتا ہے۔ حکمت ازلی نے ان صفات کی کمال کے بعد قدرت اور طاقت اخذ کی قوت کو اسکا موکل بنا دیا ہے۔ تاکہ آدمی کے اعضا اور جوارح ارادہ کے مطابق مرغوب کو پکڑ لیں اور مکروہ کو ہٹا دیں۔ اور متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کر لیں۔ اور جب ہر ایک کے ارادہ اور قدرت کی حقیقت حقائق روحانی سے ہے۔ اور روحانی حقائق کا ظہور اس عالم حسی دنیا میں آلات جسمانی کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔ تو حکمت ربانی نے جسطرح باطن انسانی کو ان صفات کے آثار سے مزین کر دیا ہے

اسیطرح اسکے ظاہری جسم کو اعضا اور جوارح کے آلات سے کمال پر پہنچا دیا ہے۔ پاؤں کا یہہ کام ہے کہ مرغوب کو طلب کریں اور خوفناک جگہ سے بھاگیں۔ اور فرج کا یہ کام ہے کہ اس سے نسل کا بقا ہو اور پیٹ کا یہ کام ہے۔ کہ غذا کا برتن بنے۔ اور زبان کا یہ کام ہے کہ معانی کی ادا میں شیریں زبان ہو۔ اور ہاتھوں کا یہہ کام ہے کہ غذا کے کھانے میں استعمال ہوں۔ اور انسان کی تکریم و تعظیم کا بھی کام دیں۔ اور لینے اور دینے اور باندہنے اور کھولنے کا کام دیں۔ تاکہ دیگر حیوانات کیطرح کھانا کھانے کے وقت زمین پر سر نہ رکھیں اور مخذول اور محروم اور نگونسار ہوویں۔ اور جسمانی غذا کے واسطے غذا کے روبرو سر جھکا کر اس مولا پاک کی بارگاہ کی ناصیہ سائی کا مقابلہ نہ کریں۔ اور ہاتھوں کے جوڑ ایسی حکمت سے ترکیب کیئے گیے ہیں۔ کہ اگر آدمی چاہے تو لمبے کر سکے یا کوتاہ کر سکے۔ خواہ اپنی طرف سکڑلے یا جدہر چاہے موڑلے اور ہاتھ کی ہتھیلی کو پیدا کیا اور اسپر پانچ پانچ انگلیاں مرتب کیں اور ہر ایک انگلی کے تین تین جوڑ بنائے اور چار انگلیوں کو ایک قطار میں رکھا۔ اور انگوٹھے کو چاروں کے مقابل قایم کیا۔ اور یہ تقابل ایسا عجیب ہے کہ یہ چاروں انگلیوں پر احاطہ کر سکتا ہے۔ اور سکیڑنے اور کھولنے میں سب کا معاون ہوتا ہے اور انگلیوں کو ایک ایسے عجیب طرز پر بنایا ہے۔ کہ آدمی انکو کھول سکتا ہے۔ بند کر سکتا ہے۔ پیالہ بنا کر پانی پی سکتا ہے۔ اور انکو موڑ کر چمچے کی شکل بنا کر کسی چیز کو چن سکتا ہے۔ اور انگلیوں کو اکٹھا کر کے کسی چیز کو مضبوط پکڑ سکتا ہے۔ اور کسی موقعہ پر ہتھیا کا کام اُنسے لے سکتا ہے۔ اور انگلیوں کے پوروں پر ناخن بنائے ہیں۔ تاکہ اُنکے باعث انگلیوں کے پور زخم اور جراحات سے بچے رہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی اور باریک چیزوں کو اُن سے چن لیں۔ اور باوجود ان سب کے اگر منھ اور دانت اور تالو۔ اور زبان۔ اور حلق۔ اور مری۔ اور معدہ اور امعا اور مثانہ اور آلات جذب کرنے والے اور رفع کرنے والے نہ ہوتے تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔ اور یہ سبکے سب بیکار اور فضول رہ جاتے۔ اسلیئے حکمت ربانی نے منھ کو بنایا کہ وہ معدہ کا رستہ ہو جاوے اور دونو جبڑوں کو چکی کے دو پاٹوں کیطرح بنایا۔ اور دانتوں کو پیسنے کی آسانی کے واسطے جبڑوں پر ترکیب کیا۔ چونکہ کھانے کی چیزیں تین قسم پر ہیں۔ بعض صرف کاٹنے کے لائق اور بعض توڑنے کے مناسب اور بعض پیسنے کے لائق۔ اسلیے دانتوں کو بھی تین قسم پر تقسیم کیا۔ بعض صرف کاٹنے کے واسطے تیز

ہیں جنکو رباعیات کہتے ہیں۔ اور بعض مدور ہیں جنکو انیاب کہتے ہیں انسے توڑنے ہی کا کام لیا جاتا ہے۔ اور بعض چوڑے ہیں جنکو اضراس (چبانے والے) کہتے ہیں۔ انسے پیسنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اور زبان کو اس چکی کی کلی بناکر منہہ کے اندر رکھدیا ہے۔ تاکہ وہ کھانا کھانے کے وقت ادہر ادہر پھیرنے کا کام دیتی رہے۔ اور ان دانتوں کے پیش کرتی رہے جو چبانے اور پیسنے کا کام دیتے ہیں اور زبان کے نیچے دو چشمے پانی کے پیدا کیئے۔ اور ایک فرشتہ کو انپر موکل کیا۔ تاکہ کھانا چبانے کے وقت ضرورت کے مطابق وہ پانی اسپر گراتے رہیں۔ اور کھانا اس پانی سے آٹے کیطرح گوندھا جاوے جسکی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ کھانیوالا اسکو آسانی سے نگل جاتا ہے۔ جب کھانا ختم ہوجاتا ہے تو پہران دو چشموں کا پانی بند ہوجاتا ہے۔ اتناہی بند نہیں ہوتا۔ کہ کام اور زبان ہی خشک ہوجاویں۔ اگر وہ پانی ہمیشہ اسیطرح جاری رہتا جسطرح کہ کھانا کھانے کے وقت ہوتا ہے۔ خلقت کے نزدیک نہایت امر معیوب اور فضیحت کا باعث ہوتا ایک عجیب نکتہ اس آسیا میں یہ کہ اس آسیا کی وضع عام مخلوق چکیوں سے انوکھی رکھی گئی ہے۔ کیونکہ لوگوں کی چکیوں کا نچلا پاٹ قائم اور اوپر لا متحرک ہوتا ہے۔ اور ان جبڑوں کی چکی کا پاٹ نچلا متحرک اور اوپر لا ساکن ہے۔ سبحانہ واعظم شانہ واجل برھانہ واوسع احسانہ وامتنانہ۔

جب کہانا منہہ میں معجون ہوجاتا ہے۔ تو اب اس معجون کا معدہ میں پہنچنا مشکل تھا۔ اسکے پہنچانے کے واسطے آلات حنجرہ اور مری کو پیدا کیا۔ اور ان کے طبقات کو بندہنوں سے باندھا۔ اور روحانی قوتوں سے ایک قوت کو اسپر موکل کیا۔ جو طعام کے لینے کے وقت اسکو کھولدیتی ہے۔ اور جب طعام نیچے اتر جاتا ہے۔ پھر وہ رستہ سکڑ کر بند ہوجاتا ہے۔ یہاں ایک قوت جاذبہ ہے جو مری کی دہلیز سے لیکر معدہ میں اُتار دیتی ہے۔ اور معدہ کو (جہاں غذا جمع رہتی ہے) ایک عجیب طرز پر بنایا ہے۔ اور اسکو چار عضووں کے درمیان رکھا ہے۔ دائیں طرف جگر ہے۔ اور بائیں طرف طحال ہے۔ اور اسکے سامنے سینہ اور سینہ کا گوشت اور پیچھے کیطرف گوشت صلب بیٹھ ہے۔ پھر ایک اور موکل روحانی جسکو قوت ماسکہ کہتے ہیں۔ پیدا کی ہے۔ جسکو یہ حکم ملا ہے۔ کہ جبتک معدہ میں کھانا نہ پک جاوے۔ معدہ کا منہہ بند رکھے

تا کہ کھانا معدہ میں ٹھیر کر قوت ہاضمہ کی مدد سے اور اِن چار عضووں کی حرارت سے پورا نضج پاوے۔ اور پانی کی شکل میں کیلوسی صورت بناوے۔ اور رنگ اور رقت میں نہر کے پانی کی طرح گندلا ہو جاوے۔ پھر قوت دافعہ کا حکم یہہ ہوتا ہے کہ اس کھانے کا پھوگ آنتوں کیطرف پھینکدیں۔ اور جو اسکا خلاصہ ہوتا ہے وہ معدہ سے جگر میں اُن رگوں کے رستہ جنکو ماساریقا کہتے ہیں چھنکر جا پڑے اور یہ کام قوت جاذبہ کا ہے۔ کیونکہ معدہ کو بذاتہ یہ طاقت حاصل نہیں۔ کہ کھانے کو اس نضج کی لطافت تک پہنچا سکے جو اعضا کے تغذیہ کے لائق ہوں۔ اسلیئے اللہ تعالے کی کمال حکمت نے جگر کی طبیعت خون بستہ سے بنائی ہے۔ اور جگر کو روح طبعی کا محل بنایا ہے۔ روح طبعی کا یہ کام ہے کہ بدن کے شہر میں غذا کو تقسیم کرے۔ اور جب طعام کا کیموس اسکے پاس جاتا ہے۔ تو اسکے ہم نشینی اور صحبت سے اور روح طبعی کے تصرف سے خون کا رنگ پکڑتا ہے۔ اور اسکے اجزا حیوان کے اجزا کے متشابہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ غذا کا خلاصہ اس موقعہ پر لطافت اور نضج جگری اور روح طبعی کے تصرف سے چار قسم پر منقسم ہوتا ہے۔ وہ خون اور بلغم اور صفرا اور سودا ہے۔ جنکی تفصیل نیچے درج ہوتی ہے۔

اول خون سے کیموس میں جب کمال نضج ہوتا ہے۔ تو خون صاف معتدل پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ اخلاط اربعہ سے افضل ہے۔ اُسکی طبیعت گرم اور تر ہے۔ اور خون کے اعتدال کی یہ علامت ہے۔ کہ رنگ میں سرخ اور قوام میں صاف۔ اور مزہ کے لحاظ سے میٹھا۔ اور بو کے لحاظ سے بے بو ہوتا ہے اسکا فائدہ تمام اعضا بدنی کا تغذیہ ہے۔ دوم بلغم ہے جن اجزا نے ابھی کمال نضج اور طبخ نہیں پایا اسکو بلغم کہتے ہیں۔ اسکی طبیعت سرد اور تر ہے۔ اسکے اعتدال کا یہ نشان ہے۔ کہ اسکا حال ہونا رقت اور غلظت کے لحاظ سے خون کے قریب قریب ہوتا ہے۔ رنگ سفید ہوتا ہے اسکا فائدہ یہہ ہے کہ غذا کی عدم موجودگی میں۔ وہ خون کی صورت پکڑتا ہے۔ اور پھر اعضا کی غذا بنجاتا ہے۔ اور اسکا یہ کام ہے۔ کہ اعضا کی حرکت کو تازہ کرتا ہے۔ اور حرکات کی حرارت کے بموجب اعضا پر یبوست کا غلبہ نہیں ہونے دیتا اور اُس کا خلاصہ دماغ کی غذا بنتا ہے۔ اور جو دماغ سے بچ رہتا ہے اسکو پھیپھڑا جذب کرکے حفاظت میں رکھتا ہے۔

سوم صفرا ہے۔ کیموس میں جب حرارت اثر کرتی ہے۔ تو اس حرارت کے اثر سے کیموس پر ایک قسم کی جھاگ پیدا ہوتی ہے اسکو صفرا کہتے ہیں۔ اسکی طبیعت گرم اور خشک ہے اور اسکے اعتدال کا یہ نشان ہے۔ کہ سرخ اور چمکدار اور ہلکی اور تیز ہوتی ہے۔ اسکے تین فائدہ ہیں۔ اول خون کا پتلا کرنا۔ اور خون کا اعضا کے رستوں میں چلانا۔ دوم پھیپھڑا کی غذا بننا۔ سوم آنتوں کو ثفل کی کثافت اور بربوی سے دھونا اور جو باقی رہ جاتا ہے اسکو پتا جذب کر لیتا ہے۔

چہارم سودائے۔ کیموس کی تلچھٹ ہوتا ہے۔ یعنے کیموس کے نچلے اجزائے رسوب بنجاتے ہیں اسکی طبیعت سرد اور خشک ہے اسکے تین فائدہ ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے۔ کہ پتلے خون کو قوام یعنے اعتدال پر لاتا ہے تاکہ وہ اعضا کی غذا بنجاوے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ ہڈیوں کی غذا بنجاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ طبیعت ہر روز ایک خاص وقت میں اسکا کچھ حصہ معدہ کے منہہ پر ڈالتی ہے۔ اور وہ بھوک کی قوت کو ابھارتا ہے۔ اور جو باقی بچتا ہے۔ اسکو تلی جذب کر لیتی ہے۔ اور جب خون کا جوہر بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ اسکو کیموس کہتے ہیں۔ اور جو کچھ اس کیموس کا زبدہ اور خلاصہ ہوتا ہے۔ اسکو روح نامیہ کہتے ہیں۔ اور جگر سے تمام اعضا کیطرف رگیں پیوستہ ہیں۔ انکا کام یہہ ہے کہ انکے رستہ اعضا کو غذا پہنچتی ہے۔ ان رگوں کا نام اور وہ جمع ورید کی ہے۔ ایک یہاں اور موکل ہے جسکو قوت قاسمہ کہتے ہیں۔ اسکا یہ کام ہے کہ کیموس کو ان رگوں کی نالیوں سے تمام اعضاء کو بانٹ دیتی ہے۔ ان رگوں کا نام سواکن یعنے غیر متحرک ہے۔ اس سے قوت مصورہ کا یہ فعل ہوتا ہے۔ کہ اس خون کو ہر ایک اعضاء کے مطابق طوالت اور لمبائی اور تجویف میں متشکل کر دیتا ہے۔ بعد ازاں قوت مولدہ منی کے اجزاء کو نسل کے قیام کے واسطے بدن کی رگوں سے الگ کر دیتا ہے اور منی کی ہر ایک جزو کو عضو کے بننے کی قابلیت بخشتا ہے۔ اور جب وہ خون لطیف (جو بدن کی غذا کے لائق ہوگیا ہے) جگر کی اندرونی طرف سے اوپر چڑہتا ہے۔ اور جگر کے عنق تک پہنچتا ہے۔ گردوں کا یہ کام ہوتا ہے۔ کہ اس خون کی مائیت کو جذب کر لیتے ہیں تاکہ بالکل صاف شدہ خون عروق کیطرف روانہ ہوجاتا ہے۔ اور اللہ پاک حکیم مطلق کی ایک نہایت ہی عجیب یہ حکمت ہے۔ کہ جگر کی گردن گردوں کی گردن کے ساتھ پیوستہ ہے جب پتلا خون جگر کی گردن کے قریب پہنچتا ہے۔ اور عروق کی نالیوں

کے پاس آجاتا ہے تو گردے اسکی مائیت کو ذرا جذب کر لیتے ہیں۔ اور خون کو قوام پر لے آتے ہیں۔ اور رگوں میں لیجاتے ہیں۔ اگر گردوں کی گردن جگر سے پیوستہ نہ ہوتی۔ اور خون کی مائیت کو جگر سے جذب نہ کر لیتی۔ تو خون گاڑھا ہو جاتا۔ اور پتلی پتلی جگر کی رگوں میں اسکا دورہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اور اعضا کی غذا نہ بنتا اور جگر میں ورم ہو کر باعث ہلاکت ہو جاتا۔ اور جس طرح گردے کیموس سے جذب کرتے ہیں۔ وہاں قوت غاذیہ کا عمل یہ ہوتا ہے کہ اس خونابہ میں جو خون کی جزو ہوتی ہے۔ وہ گردوں کی خوراک بنجاتی ہے۔ باقیماندہ کو قوت دافعہ مثانہ میں بھیجدیتی ہے۔ اگر گردوں میں کچھ آفت آجاوے اور وہ پانی کو پوری طرح خارج نہ کر سکے تو اس سے پانی کی بیماریاں مثلاً کمی شہوت اور پیٹھ کا درد۔ اور بدن کی لاغری۔ اور استسقاء طبلی۔ یا لحمی یا زقی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر پتے کو آفت پہونچے اس سے صفراوی بیماریاں مثلاً یرقان۔ دق۔ پھوڑے پھنسی۔ سوزش آبلے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ طحال آفت میں مبتلا ہو جاوے تو اس سے سوداوی بیماریاں مثلاً جذام۔ اور پھل بہری و مالیخولیا وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

اور روح نامیہ جب کمال صفائی پر پہنچتی ہے تو اسکے زبدہ اور خلاصہ روح حیوانی بنجاتا ہے۔ اور دل اسکو جذب کر لیتا ہے اور دل کی حرارت کی قوت اسکو تیسری بار پھر نضج دیتی ہے۔ اور جو اسکا خلاصہ ہوتا ہے وہ روح نفسانی ہو جاتا ہے اور دماغ اسکو جذب کر لیتا ہے۔ اور دل سے لیکر تمام اعضا کی طرف رگیں ملی ہوئی ہیں انکو شرائین کہتے ہیں یہ زندگانی کی رگیں ہیں۔ ان رگوں کا نام ضوارب بھی ہے۔ ان رگوں کے راستے روح حیوانی دل سے نکلکر تمام اعضا میں جاری ہوتا ہے۔ اور یہی روح بدن میں حیاتی کا تقسیم کرنیوالا ہے۔ اور دماغ سے لیکر تمام اعضا کیطرف اعصاب ملے ہوئے ہیں پھر روح نفسانی دماغ میں پہنچکر چوتھی دفعہ نضج پاتا ہے جب نہایت لطیف اور صاف ہو جاتا ہے تو حس اور حرکت کا مادہ ہو جاتا ہے۔ اور حس اور حرکت کی طاقت اعصاب کی امداد سے تمام اعضا اور جوارح میں پھیل جاتی ہے۔

…… اور حس اور حرکت کا تقسیم کرنے والا بدن میں یہی روح ہے۔ بعد ازاں سمجھنا چاہیئے

کہ روح نفسانی کے دو خادم ہیں پہلے کا نام محرکہ اور دوسری کا نام مدرکہ قوت محرکہ کے پھر دو خادم ہیں اول
قوت فاعلہ یہ قوت بے اختیاری ہوتی ہے۔ مثلاً رعشہ اور تشنج دوم قوت باعثہ قوت باعثہ کے بھی دو خادم ہیں
اول قوت شہوانی۔ دوم غضبانی۔ اور قوت مدرکہ کی بھی دو قسم ہیں۔ پنج حواس ظاہری ہیں اور پنج حواس
باطنی ہیں جیسا کہ مذکور گذرا۔ ان قوای مذکورہ کی ہر ایک قوت کا موکل ملائکہ ارضی سے کوئی نہ کوئی ہوتا ہے
پس حکیم مطلق کی کمال حکمت نے روح نفسانی کی استقامت کے واسطے دماغ (جسکو عقل کا گھر کہتے ہیں) کو پچپن
استخوانی ٹکڑوں سے ترکیب کیا۔ اور دماغ کی کھوپری کو مختلف سات ہڈیوں سے مرکب کیا۔ اور چودہ
ٹکڑوں سے اوپرلے جبڑے کو اور دو ٹکڑوں سے نچلے جبڑے کو بنا کر اوسپر تیس دانت جڑے جنمیں رباعیات
اور انیاب اور چبانے والے بھی ہیں۔

اور گردن کے ستون کو کھوکھلے سات مہروں سے ترکیب دیا۔ اور پیٹھ کے رکن کو چوبیس مہروں سے
جو باہم ملے ہوئے اور گول ہیں) ترکیب دیا باقی جسم کو دو سو اٹھائیس مختلف ہڈیوں سے اور سات سو اور دو
عروق اور بندہنوں اور وتروں سے بنایا اور تین سو ساٹھ پٹھے۔ اور انتیس مچھلیوں سے جوڑ باندھا
اور ہڈیوں اور رگوں اور پٹھوں اور وتروں اور عضلوں کی تعداد (جو بدن میں موجود ہیں) ایکہزار نوسو ترانوے
ہے۔ ابھی ان سے رباطات اور جھلیاں اور غضروفیں علیحدہ ہیں۔ یہ جو ہمنے اس حکیم مطلق کی قدرت کاملہ
کا تھوڑا سا بیان کیا ہے۔ انمیں سے یہ بھی ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ایک ایک فرشتہ موکل ہے۔ جو اسباب
صحت کے نگاہ رکھنے کا ذمہ وار ہے۔ اور اسکا یہ کام ہے کہ غذاؤں اور ہواؤں کی تاثیرات کی آفات سے انکو بچاتے رہنے
اور جن اور شیاطین کے حملوں کا مانع ہوتا ہے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان مچھلیوں اور ہڈیوں اور رگوں
اور پٹھوں اور غضروفوں اور بندہنوں اور رباطوں اور جھلیوں میں بہت سے فائدہ مستور رکھے ہیں۔

بعض کی تاثیر گرم بعض کی سرد بعض کی تر بعض کی خشک ہوتی ہے۔ اور بعض متحرک اور بعض
ساکن ہیں۔ انکا یہ کام ہے۔ کہ حرارت کی گرمی برودت کی سردی کو توڑ دیتی ہے۔ اور برودت کی
سردی حرارت کی گرمی کو مات کر دیتی ہے۔ اور رطوبت کی تری یبوست پر غلبہ پاتی ہے۔ اور یبوست کی خشکی
رطوبت کی تری پر غالب آجاتی ہے۔ اور انمیں یہ بھی خاصہ ہے۔ کہ اگر متحرک رگ ٹھیر جائے۔ یا ساکن رگ

متحرک ہو جاوے۔ تو آدمی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور عام کالانعام کو اس سے ہی خبر نہیں ہوتی۔ انہیں
صرف اتنا ہی دھیان ہوتا ہے۔ کہ جب بھوکے ہوں۔ تو کھانا کھالیں۔ اور جب شہوت غلبہ پاوے۔ تو جماع
کرلیں۔ اور جب غصہ چڑھ جاوے تو کسی غریب بیچارے کو ستالیں۔ اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ اگر یہی امور باعث
فخر ہیں تو کتے اور گدھا کھانے میں اس سے زیادہ ہیں۔ اور چڑیا شہوت میں اس سے بڑھ کر ہے۔ ان
مردودوں کا یہ کام ہوتا ہے کہ اللہ جلشانہٗ انعام اور فضلوں کو عمر بھر معصیت کا سرمایہ ہی بنلاتے رہتے
ہیں۔ اور جناب ربانی کی رضا کو نفسانی خواہشات میں گنوا دیتے ہیں اور پھر طرہ یہ کہ اپنے افعال
قبیحہ سے ایکدم بھی شرم نہیں کرتے۔ اور ایک منٹ بھی اپنے حالات کی تبدیلی پر دھیان نہیں لگاتے

نقل ہے کہ ایکدن حضرت شیخ ذالنون مصری کسے دریا کے کنارے پر بیٹھے وضو کر رہے تھے
کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا سا بچھو دریا کے کنارے کنارے جنگل سے دوڑتا چلا آرہا ہے۔ جب وہ دریا کے
کنارے پر پہنچا۔ تو ورا ایک مینڈک پانی سے باہر نکل پڑا وہ بچھو اس مینڈک کی پیٹھ پر سوار ہو گیا
جب وہ مینڈک دریا کے دوسرے کنارہ پہنچا۔ تو وہ بچھو زمین پر اتر پڑا۔ اور آگے چل دیا۔ شیخ جیو نے
تعجب کیا۔ اور کہا کہ یہ قصہ خالی از حکمت نہیں ہے۔ شیخ صاحب نے بھی پانی سے نکلکر بچھو کے پیچھے پیچھے راہ
لی۔ حتیٰ کہ وہ بچھو ایک سایہ دار درخت کے سایہ میں جا پہنچا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مرد جوان درخت کی سائے
کے نیچے بیخبر سویا پڑا ہے۔ اور ایک اژدہا اسکی تاک میں لگا ہوا۔ جوان کے ہلاک کا ارادہ رکھتا ہے۔
سانپ اس جوان کے پاس ابھی پہنچنے نہ پایا تھا۔ کہ بچھو ادھر سے جا پہنچا۔ اور سانپ کے سر پر ایک ایسا
ڈنگ لگایا۔ کہ سانپ فوراً مر گیا۔ جب یہ معاملہ ہو لیا تو بچھو پھر واپس الٹے پاؤں چلا۔ اور اسیطرح سے مینڈک
نے اسکو سابقہ دستور کے مطابق دوسرے کنارہ پر پہنچا دیا۔ شیخ جیو نے خیال کیا۔ کہ غالباً یہ جوان اولیاء اللہ
سے ہے۔ پھر وہاں سے الٹے پاؤں پھر کر جوان کے پاس آئے۔ دیکھا کہ اس جوان نے شراب پی ہوئی ہے
اور بیہوش پڑا ہوا ہے۔ شراب کی بدبو اس اسکے منہ سے آرہی ہے شیخ جیو نہایت حیران ہو رہے
تھے۔ کہ ہاتف رحمت نے یہ آواز دی۔ کہ اے ذالنون متحیر اور متفکر نہو۔ کہ اگر ہماری حفاظت اور مہربانی
کا بدرقہ متقیوں اور معصوموں اور پاکوں کی ہی حمایت کرے تو پھر بدبختوں بد اعمالوں گنہگاروں

اور عاجزوں کی رعایت کون کریگا۔ اگر ہماری عفو کا سیلاب بدبختوں کی میل کچیل نہ دہووے۔ تو اور کون دہوویگا۔ اگر ہماری رحمت کا دریا گمراہی کے جنگل کے پیاسوں کی سیرابی نہ کرے تو اور کون کریگا اور اگر ہماری بخشش کے بادل سے ہدایت کے قطرے غفلت کے جنگل میں سونے والوں پر مینہ برسائے تو اور کون برسائیگا۔ اور اگر ہماری عنایت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا طبیعت اور لالچ کے غرقابوں کو گرداب ہلاکت سے بچا کر توبہ اور انابت کے کنارہ پر نہ لاوے۔ تو اور کون لاویگا۔ اسبات سے شیخ جیو کا حال نہایت خوش ہوا۔ اور خوشی خوشی ایسے مقبول جوان کے گرد طواف کرنے لگے اور زبان سے یہ شعر پڑہنے لگے۔

اے خفتہ کہ دوست نگہبانِ جان تست ۔۔۔ تو مست و غافلے کرمش پاسبانِ تست

خوابت چگونہ آید از شوق آں کریم ۔۔۔ کش رحمت و عنایت بیش از گمانِ تست

جب وہ جوان ہوش میں آیا تو شیخ جیو کو دیکھکر نہایت شرمندہ ہوا۔ اور عرض کی میدان دین کے فارس آپ اس گنہگار شرمسار کے پاس کیونکر آگئے۔ شیخ جیو نے اپنے آنے کا من وعن حال بیان کیا۔ جوان نے جب اس پارسا کی زبان سے یہ حال سنا تو نعرہ مارا۔ اور وہیں زمین پر گر پڑا۔ اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اور زار زار رونے لگا۔ اور جنگل کی راہ لی۔ اور اپنی باقی عمر کو عبادت اور یاد الٰہی میں گذار دیا۔ میرے مولٰے کریم کے کام نہایت ہی عجیب ہیں۔ اگر اسکی نظر عنایت ہو تو طرفۃ العین میں نہال کردے۔ اور خشکی دیدہ شاخوں کو ہرا بھرا اور مالا مال کردے۔ اور چوروں اور بدکاروں کو قطب اور ابدال بناوے۔ اور ان غریبوں کو جو نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ ایک دم میں دوجہان کا شہنشاہ بناوے۔

اے عزیز جاننا چاہیے کہ اُس منعم عظیم کے انعام اور فضل اور اُس معطی کریم کے احسان اور بخششوں کی کوئی نہایت ہی نہیں۔ کیونکہ آدمی کیا بلکہ تمام مخلوقات اُس پروردگار کی نعمتوں کا مظہر ہیں۔ جو قدم کے دریا سے تجسس کی ہوا کے جھونکوں سے ساحل شہود پر آپڑے ہیں۔ اور ایک دم کے دم میں کئی ہزار نعمت ظاہرہ اور باطنہ (جنکو ایجاد اور عدم اسباب کی کوئی ضرورت نہیں جنکا ہمنے تھوڑا سا ذکر کیا ہے) اعیان شہودیہ کا ظہور ہر ایک آنکھ پر جلوہ انداز ہوتا ہے۔ دیکھو کہ پروردگار کی نعمتوں سے ادنے درجہ کی نعمت

کھانا ہے۔ یہ شہوات اور بدی کو پیدا کرتی ہے۔ اور نجاسات اور تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ جسکا ہمنے ذکر کیا ہے۔ یعنے الٰہی امور کی تدابیر سے اور ملکوتی رہنے والوں کی ذمہ واری۔ اور زمینی اور آسمانی اسباب کی مدد سے خواہ سورج یا چاند یا ستارے یا سیارے یا نفوس ملکی اور عنصری طبیعوں اور روحانی آلات کی باریکیوں اور آلات جسمانی اور طبعی اور حیوانی قوتوں سے ہوں۔ اس نعمت اکل کے اسباب کے اسرار میں جسکو ہم کم درجہ کی نعمت کہہ چکے ہیں۔ بہت تھوڑے سے تھوڑا ہے۔ اسکا بیان نہایت مختصر طور پر ہمنے کیا ہے۔ کیونکہ اگر ہم مفصل لکھنا چاہتے۔ اول تو ہم خود نہ لکھ سکتے۔ اور جو کچھ ہم جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر انکو لکھتے وہ بھی اتنا دفتر بنجاتا جسکو میں خود ہی نہ اٹھا سکتا۔ اور اس قسم کے اسباب کے دقائق کی نسبت دوسری اقسام سے نسبت اتنی دے سکتے ہیں کہ قطرہ دریائے بیکران کے روبرو ہو۔ آدمی کا پیدا ہونا۔ اور لطائف روحانی کا اسکو دیا جانا۔ اور جسمانی کثافتیں وبکر نفس روحانی کا حکم دینا۔ یہ عام سمجھ نہیں سکتے ہاں ان اسرار کی بعض حقیقتیں نور نبوت اور نور ولایت سے سمجھی جاتی ہیں۔ جو شرق عنایت ایزدی سے طلوع پا چکا ہو۔ اور اسکے عکس کی صفائی پاک دلوں اور ستھرے نفسوں پر جو محبت کے جنگل میں جلکر راکھ ہو چکے ہیں اثر کرتی ہے۔ اور شراب عرفان کے مخموروں کو اسکے ٹھنڈے جھونکوں سے آرام اور تسلی ملتی ہے۔ اور اس آگ کی چنگاریاں ان کو جو جہل اور غفلت میں افسردہ مزاج ہو چکے ہیں طلب کی حرارت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس دولت کی فضل اور فیض کی قطرات رحمت بُعد اور حرمان کے مردودوں اور دھکیلے ہوؤں کو سعادت کے مسند کے قرب پر پہنچا دیتے ہیں۔ اس حالت موجودہ کا مقابلہ اس بارگاہ عالی میں کرنا ایسا ہے۔ گویا ذرہ کو آفتاب درخشاں کے سامنے دھرنا ہے۔

ہم اُن غافل مغروروں اور جاہل کودنوں پر حیران ہیں۔ کہ اللہ پاک کے یہ سب انعام آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور دلمیں سمجھتے بھی ہیں۔ اور باوجود اس فہمید کے پھر کفران کے پردہ میں بیٹھتے ہیں۔ اور ابدی خسارہ کو سرمدی دولت پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اور باوجود ان سب باتوں کے اللہ پاک کی مخالفت میں قدم جمائے رکھتے ہیں۔ اور سعادت کے آفتاب کے منہ پر بدبختی کی مٹی لیپ دیتے ہیں۔

ابروباد ومہ وخورشید فلک درکار اند تا تو نانے بکف آری وبغفلت نہ خوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ایعزیزا اگر بادشاہ کسی اپنے نوکر کو مال اور لباس اور گھوڑا۔ اور تلوار عنایت کرے۔ اور حکم دے کہ جسقدر تجھکو ضرورت ہے استعمال میں لا۔ اور باقی ہمارے دوستوں اور ہواخواہوں کو بانٹ دے۔ یہ خلعت تو پہن لے اور گھوڑے پر سوار ہو۔ اور تلوار ہاتھ میں لیکر دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑا ہو جا۔ اور وہ نوکر مال تو بادشاہی دشمنوں کو دیدے گھوڑے پر سوار ہو کر اور تلوار ہاتھ میں لیکر اپنے بادشاہ کے ہی مقابلہ پر کھڑا ہو۔ اسمیں کسی عقلمند کو شک ہوگا۔ کہ وہ نوکر نہیں بلکہ نعمت کا کافر ہے۔ اور ضرب اور قتل کا سزاوار ہے۔ یہاں سمجھنا چاہیئے۔ کہ بہت سے آدمی اللہ کے حکم کی مخالفت میں جمع رہتے ہیں۔ اور اس مالک کی نعمت کے کفران میں کوشش کرتے ہیں۔ اور سلطنت پائدار لازوال کو نفسانی تخیلات کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ عالم علوی اور سفلی کے ذمہ داران بدبختوں کو کئی قسم کی نعمتیں دیتے ہیں۔ مگر وہ بدبخت کج رفتار بدبختی اور بدنصیبی کی خاک اپنے روزگار کے سر پر ڈالتے ہیں۔ اللہ جل شانہ اسی واسطے فرماتے ہیں۔ وقلیل من عبادی الشکور اس مقام رفیع کے سالکوں کی کمی۔ اور اس منزل مقصود کے اسرار کے واقفوں کا نادر ہونا اس مقام کی عزت اور شوق اور رغبت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سنت اللہ جاری ہے۔ کہ اہل کفر اور گمراہی کا وجود عام ہوتا ہے اور ارباب کمال کا وجود شریف ہمیشہ کم بلکہ گمنام ہوتا ہے۔

غیرتے این درچنیں کرد اقتضاء — کز دراو دور باشد ہر گدا

کیا تو نہیں دیکھتا کہ تمام پہاڑ اور جنگل پتھر اور ڈھیلوں سے پٹے پڑے ہیں۔ اور انکی کوئی قیمت نہیں لیکن یاقوت اور لعل جنکا وجود عزیز اور قیمتی ہے بہت کم ملتے ہیں۔ اور نادر پائے جاتے ہیں۔ شکر کا مقام ہے جو سالکوں کے مقامات سے اشرف ہے اور انعام اور احسان کا امیدوار ہے اور فضل اور رحم کی بزرگی کا نگران ہے بہت ہی نادر ہوتا ہے۔ اور ولایت کی کچہری کے مقبول اور بارگاہ عنایت کے پسندیدہ جو اس مقام شریف کے سالک ہیں۔ اور عزیز ہیں۔ بہت ہی کم ملتے ہیں۔ کسیکا قول ہے۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

ماہہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب خاک — حور را حلہ گردد یا شہیدے را کفن

اور عنائت کے خطہ کے رہنے والے جو شرک کے بجھانے کے ملازم اور شرک اور کفر کے آثار کے بیخ کن ہیں۔ گو بظاہر کم اور نادر پائے جاتے ہیں۔ مگر عالم باطنی ہیں کثیر المقدار ہیں۔ گو جاہلوں کی نظر میں حقیر اور لئیم اور بے مقدار اور حیران اور پریشان اور خوار پھرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن حضرت جبار عظیم کی بارگاہ میں ایک بھاری جیتھے میں ہوتے ہیں۔ گو بدبخت اور بدنصیبوں اور بوم صفتوں کے نزدیک وہ جہان میں حقیر اور بیمقدار ہیں۔ مگر فیوض ربانی کے تصرف کے کچہری اور انفاس رحمانی کے آثار کے فیض رسانی میں وہ تمام جہان کا مجموعہ ہیں۔ اگر تو اس بات کی شہادت چاہتا ہے۔ تو قرآن مجید سے سن لے اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیْفًا اللہ جلشانہ فرماتی ہیں کہ آنکھوں کی کوری اور نظر کی خرابی سے حضرت علیل کے مکرم اور معظم حضرت خلیل صلوات اللہ وسلامہ کیطرف مت دیکھ۔ اور اسکو عالم صورت یعنے دنیا کے متوالوں اور حسن طبیعت کے محبوسوں سے مت خیال کرو۔ کیونکہ آپ کی ذات بابرکات زمین اور آسمان کے صدف کا گوہر یگانہ ہے۔ اور آپ کے انفاس شریف کے برکات میں جہان اور جہانیوں کے انتظام کا دار ہے۔ اور آپ کے افعال اور اخلاق پسندیدہ کا اتباع ابنائے روزگار کے حصول ثواب کا اعلے ذریعہ ہے اور انکی پسندیدہ سنتوں کے آثار اہل زمانہ کے صواب اور ہدایت کے عین راہنما ہیں۔ گو صورت بشری کے لحاظ سے۔ انسانوں کے انواع سے وہ بھی ایک انسان ہیں لیکن آپ کے ستا اور معنے کی جلالت اور رفعت تمام جہان کی حقیقت ہو مولا پاک کی یہ سنت ہے۔ کہ ہر ایک زمانہ اور قرن میں عبودیت کے بساط پر بہت سے ابراہیم صفت مسند ہدیت پر جلوہ افروز ہوتے رہینگے۔ جو عالم حقیقت کے بادشاہ اور ارباب طریقت کے رکن رکین ہونگے۔ انکا کام یہ ہوگا کہ صفائی کے منازل کو وفا کے قدموں سے طے کرینگے۔ اور نصائح کے ناخنوں سے اہل جفا کے نفوس کی اراضی سے بدبختی کے کانٹے نکالتے رہینگے۔ اور ان مقبولوں کی فیض صحبت اور رمام رحمت سے بیچارے گنہگار بدبختی کے درکات سے خلاصی پاوینگے۔ اور جو دور کے بچھڑے ہونگے۔ انکو انکا فیض کمال کے درجات پر پہنچاویگا۔ گویا انکا وجود پاک وور انکا ہونا کون اور مکان کا زبدہ اور زمانہ کا خلاصہ خیال کرنا ہوگا جنکو زمانہ کا مجدد کہنا زیبا ہوگا

ہر چہ از گردون گردان میرسد ... از طفیل پاک مرداں میرسد
گر نباشد نفس ارباب شہود ... خود نگرددد ورِ پرکارِ وجود۔

العزیز جاننا چاہیے۔ کہ شکر کے بچھونے کے ملازموں کو شکر کے حقوق کے ادا کرنے میں دس حالات ہیں
(حالت اول) متواتر نعمتوں اور پے در پے احسان کا ابتدائی شروع دیکھنا ہے۔ جسکو منعم حقیقی ہمیں بے استحقاق دے رہا ہے۔

(دوم) منعم کی نعمتوں کے پہونچنے کے وقت جس تواضع۔ اور عجز و انکساری کا اظہار کرنا ہے۔

(سوم) نعمت کے حصول کے وسائل کے شکر میں حسن ثنا او خوشی کا اظہار کرنا ہے

(چہارم) منعم کی رضا میں نعمت کے استعمال پر حسن ادب کا لحاظ رکھنا ہے۔

(پنجم) اگر نعمت کے پہنچنے میں کچھ دیر ہو جائے تو اسپر اعتراض نہ جتانا

(ششم) چونکہ وہ جبار کبیر ہے۔ گو اسکی طرف سے نعمت تھوڑی سی ملے اسکی عظمت کا خیال رکھنا

(ہفتم) جو کچھ منعم نے دیا ہے اسکو نہایت اچھی طرح سے قبول کرنا۔

(ہشتم) منعم کریم کی متواتر نعمتوں اور معطی عظیم کی متوالی رحمتوں کا خیال کرتے ہوئے عاجزی کے ساتھ پیار کرنا۔

(نہم) شکر کے حقوق کے ادا کرنے میں عجز اور تقصیر کا معترف ہونا ہے۔

(دہم) جو نعمت از سر نو پہنچے اسکا شکر یہ ادا کرنا۔ کیونکہ وہ شکر زیادتی کی مفتاح اور نعمت جدید کا مورث ہوتا ہے۔ اور ان حالات کے تمام منازل کا لب لباب تین درجوں پر ہے۔

(درجہ اول یہ ہے کہ من مانی مرادوں کے ملنے پر شکر کرنا۔ یہ درجہ ارادت کے رستہ کی مبتدیوں اور درجہ شہادت کے نچلے درجہ کے خواہشمندوں کا ہوتا ہے۔ اور معرفت کے روسے اس درجہ کے احکام کے علامات ارباب ملک اور تمام اہل ادیان کو شامل ہے۔ اور شکر کے مراتب سے ادنیٰ ترین مرتبہ ہے اللہ پاک کی رحمت غیر متناہی کی یہ عنایت ہے کہ کم قیمت اور کم مہر اسباب کو قبولیت کی محل میں قبول کرتا ہے۔ اور لَئِن شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ کے مقتضاے سے اس شکر کو زیادت کی کلید بنا دیا ہے اور سیجزی اللہ الشاکرین کی بشارت نے اس فریق کو اخروی جدائی کے غموں کی سوزش سے بچا دیتا ہے۔

(درجہ دوم) شکر کا یہ ہے کہ تکلیفوں پر خوشی کرنا اور مصائب کی تکالیف میں دلجمعی ظاہر کرنا ہوتا ہے۔

یہ درجہ طریقت کی منازل کی سالکوں۔ اور عالم حقیقت کی راہ کے طالبوں کا ہی۔ جنکو ہم فقیر مجرد اور اہل سلوک کے راہنما کہہ سکتے ہیں۔ انکا کام یہ ہوتا ہے کہ عزت پر خواری کو اور غنا پر فقر کو اور شادی دنیاوی پر یار کے غم کو اور راحت عالم فانی کو رنج باقی پر اور شہرت پر گمنامی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اس کے گروہ کے نظر کا منظر جام خلقت کے منظر کا عکس ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ تو دنیاوی ظاہری امور کو دیکھتے ہیں۔ انکی نظر کا دیکھنا باطن اور معنے کی طرف ہوتا ہے۔ عام لوگ تو دنیاوی نمود پر جان دیتے ہیں۔ اور خاص لوگ اسکے انجام کی برائیوں کو دیکھکر دنیا کے شبہات سے بچتے ہیں۔ لوگ تو دنیا کی تعمیر میں کوشش او سعی کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی ویرانی پر کمر باندھتے ہیں۔ اور جو عاقبت سے غافل ہوا اسکا منہ بھی نہیں دیکھتے۔ اور جس معاملہ پر فنا کی رقم صادق آتی ہے۔ اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ؎ پس اہل غفلت اور حرمان اور اہل درجات کے مشتاقوں کے مدارج کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں۔ کہ جب بہشتی حوروں اور غلمانوں میں مشغول ہونگے۔ اعلے طرف سے ایک نور چمکیگا جسکے نور سے انکی خوشی کا بچھونا لپیٹا جاویگا۔ اور انکو یہ معلوم ہوگا۔ کہ وہ نور جو ہمپر چمکا ہے ایسا ہے جسطرح سورج کے شعاع سے اندھیرا بالکل گم ہوجاتا ہے۔ جب اوپر نظر اٹھاوینگے۔ تو اعلے علیین پر ایک قوم کو دیکھینگے کہ رب العلمین کے قرب کی دولت میں مقرب ہیں اور انکے نور اور جمال کا یہ عالم ہے کہ ستارہ اور چاندا اور سورج انکے سامنے بالکل ہیچ ہیں۔ اور ان کی مدارج کی بلندی اسقدر ہوگی جسقدر دنیا میں ہم سے ستارہ اور چاندا اور سورج دور ہیں۔ جب اچھیطرح دیکھینگے تو انکو بساط قرب کے مقبول نظر آوینگے۔ جو کہ سعادت کے تختوں پر سوار ہیں۔ اور جناب باری کے لقائے محبت کے گلزار میں مطمئن جانوروں کیطرح خوشی سے چہچہاتے ہیں۔ اور رقیب کے کدورات سے بالکل محفوظ اور حبیب کے جمال کے مشاہدہ میں محفوظ ہیں۔ یہ قوم دیکھنے والی حسرت کی آنسو آنکھوں سے برسا دینگے۔ اور نہایت دل جلے ہو کر آہ سرد بھرینگے۔ اور کہینگی کہ اے بھائیو آپنے انصاف نہیں کیا۔ کیونکہ آپنے ہمکو اس دولت سے محروم کیا۔ دنیا میں ہم تو تمہارے ساتھ ملکر نمازیں پڑھتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ اور مل جل کر کھاتے اور پیتے تھے۔ اب کیا ہوگیا جو نعمت آپکو ملی ہے اس سے ہم محروم ہیں۔ بلکہ اسکے اثر سے بھی دور ہیں

اللہ جلشانہ کی بارگاہ سے جواب ملیگا۔ کہ جب تم دنیا میں لذیذ اور نفیس کھانے کھاتے تھے اور مزے اُڑاتے تھے۔ تو یہ بیچارے وہ مزے بھوک سے لیتے تھے۔ اور جب تم میٹھے اور ٹھنڈے برفانی خوشبودار شربت پیتے تھے یہ لوگ پیاس کے دلسوز پیالہ پر خوشی مناتے تھے۔ اور جب تم عجیب عجیب قسم کے لباس پہنکر فخر اور ڈینگ مارتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چلتے تھے۔ یہ غریب عریانی کا لباس ہین شکور تھے۔ اور جب تم غفلت کی سردی میں ٹھٹھر کر مجھے بھولجاتے تھے۔ تو یہ ہماری یاد کے شوق کی حرارت میں جوش مارتے تھے۔ اور جب تم اپنے خاندانی ہونے پر اس ناکارہ دنیا میں ہنستے تھے۔ یہ مسافر پر درد آنکھوں سے اشتیاق کے درد کا خونناب بہاتے تھے اور جب تم نرم نرم بستروں پر آرام سے سوتے تھے۔ یہ صدق اور نیاز کی مدد سے عبودیت کے بھاری بوجھ کو سر پر اُٹھاتے تھے۔ اسلیئے آج یہ لوگ ہماری رحمت اور عنایات اور بخشش کے فضل میں فائز اور کامیاب ہو گئے۔ اور ہمارے وصال کا شربت پی رہے ہیں۔ اور ہماری بخشش کی مہربانیوں کا جمال و مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اللّٰھم اجعلنا منہم۔

(درجہ سوم) صفات بیرونی کے احکام کے جاری ہونے اور آیات اندرونی کے نشانات کے وارد ہونے اور تجلی ذات کے ظہور کے موقعہ پر حالات کا ایک سا رہنا اور اضافات کے ساقط ہو جانے کے وقت وقت شکر کرنا۔ یہ درجہ اُن کامل محققوں اور واصل مقربوں کا ہے۔ جو الٰہی دربار کے منظور اور خداوندی کی بارگاہ کے مقبول اور ہدایت کے جذبات کے محفوظ اور عنایت کی نظروں کے منظور ہیں۔ عزت خداوندی کی جلالیت نے انکے پاک رواحوں کے قطرات کو صفائی کے بحر میں ملایا ہوا ہے۔ اور قدرت کے دبدبان نے انکے پاک بدنوں کو وفا کا خلعت پہنایا ہے۔ اور وہ ایسے مرد ہیں۔ کہ انہوں نے وفا کے راستہ میں فنا کی زہر کو پی لیا ہے۔ اور لقا کی مجلس کے حلقہ میں بقا کا شربت پیا ہے۔ اور غیرت کے دھوبی نے اس قوم کے وجود کے لباس کو آلائش کے غبار اور میل سے بالکل ہی دھو دیا ہے۔ اور صبغۃ اللہ کے خم انکے دل کے کپڑے رنگین ہو گئے ہیں۔ اور وہ لوگ شرمندگی کی آلودگی اور کمینہ پنی کی آلائش سے قطعاً پاک ہو گئے ہیں۔ اور سلطنت بے زوال کے تخت پر مسند آرا ہو گئے ہیں۔ انکا حال یہہ ہے کہ نہ تو انکو روزگار کے حوادثات کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ اور نہ انہیں دوستوں کی ستایش سے اثر اور نہ مخالفوں کی مذمت سے پریشانی ہوتی ہے

اور نہ انکے ظاہری وجود کو جسمانی بیماریوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اور نہ انکے دل کو انعام و اکرام کی روحانی کی رغبت ہوتی ہے۔ اور دوست کے منہ سے بجز تجلیات انوار کے اور کچھ نہیں دیکھتے۔ اور جس کوچہ میں اللہ تعالے کے لطف کے آثار پاتے ہیں وہاں ہی دوزانو بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اُن بہار و درد کے انفاس کی صفائی پر روحانیوں کی جانوں کو آرام ہوتا ہے۔ افسوس کہ اُن یوسف صفتوں کے جمال کا حال نااہلوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہی ہوتا ہے۔ اور اُن مسیح سیرتوں کی کمالیت کا دامن جاہلان مغرور کے ہاتھوں سے بہت دور ہوتا ہے۔

اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری

اس قسم کا شکر جبکا ذکر ہمنے تھوڑا سا کیا گیا ہے۔ یہ کاملان محقق اور سالکان موقف کے رسوم اور عادات کا تھوڑا سا نمونہ ہے اور غفلت اور جہالت کے مذاق والوں کو اس اسرار کے ذوق سے کچھ بھی حصہ نہیں اور شکر کی منزل جو سعادت کی منزلوں سے اعلےٰ منزل ہے عام لوگوں کو کورپن جہل کے باعث باوجود ظاہری اور باطنی نعمتوں کے رستہ بند رہتا ہے۔ خیال کرو۔ کہ ایک عام نعمت تازہ ہوا ہے۔ جسکی تمام مخلوقات محتاج ہے۔ اگر ایک منٹ ایک شخص کا منہ اور ناک بند کردیں۔ یا کنوئیں یا گرم حمام میں ڈالدیں۔ یہانتک کہ ہوا کا پہنچنا اسپر رک جاوے تو وہ مرجاتا ہے۔ اگر کوئی جاہل ایسی شفقت سے خلاصی پاوے اور پھر تازہ ہوا کو سونگھے تو اسکو دم کا دم ہی قدر معلوم ہوتا ہے۔ اور اس نعمت کا قدر جانتا ہے۔ اور جب ایک گھڑی گزر جاوے۔ تو پھر وہ بھول جاتا ہے۔ ایسا ہی تندرستی کی نعمت جو تمام نعمتوں کا سر ہے۔ غافل آدمی اسکی قدر نہیں جانتا۔ اور شکر بجا نہیں لاتا۔ تاوقتیکہ بیماری میں مبتلا نہ ہوجائے

اس بدبخت قوم کی مثال اس گردنکش اور احمق آدمی کی طرح ہے۔ جو اسبات کا مستحق ہے۔ کہ ہمیشہ اسکو عذاب دیں۔ اگر اسکے عذاب سے ایکدم کوتاہی کریں تو اسکو منت جانتا ہے۔ اگر اسکے عذاب کو بالکل ہی چھوڑدیں۔ تو پھر سرکشی اسپر زیادہ غالب ہوجاتی ہے۔ اور طاغی اور باغی ہوجاتا ہے۔ یہ حال جو ہمنے بیان کیا ہے اکثر خلقت کا ہے۔ جو مال کی کثرت کو نعمت جانتے ہیں۔ اور بطن اور شہوت کی لذت کے سواء اور کوئی لذت نہیں جانتے۔ اور یہ انکو سمجھ ہی نہیں۔ کہ جو دم نیچے جاتا ہے یا اوپر آتا ہے اُسکے

انقباض اور انبساط میں دو نعمتیں ہیں۔ جو دو فرشتوں کی مدد سے اسکو پہنچتی ہیں۔ کیونکہ ایک فرشتہ انبساط کے ذریعہ سے جلے ہوئے اندر کے دھوئیں کو اندر سے نکالتا ہے۔ اور دوسرا فرشتہ نفس کے انقباض سے ٹھنڈی اور تازہ ہوا کو اندر لیجاتا ہے۔ اور دل کو پہنچا کر خوشی کرتا ہے اور دل سرد سرد تازہ ہوا کے پہنچنے سے حرارت کے صدموں سے بچکر آرام پاتا ہے۔ اگر یہ دونو فرشتے ایک دم بھی اپنے کام سے لاپرواہی کریں تو۔ ہوا کا پہنچنا دلکو بند ہو جاتا ہے اور آدمی وغیرہ مرجاتے ہیں جیسا کہ دم لینے کا قیام منہہ اور تالو اور حلق اور مری سے ہے۔ ایسا ہی منہہ کا قیام سر سے۔ اور سر کا بدن سے۔ اور بدن کا غذا سے۔ اور غذا کا قیام پانی اور ہوا اور مٹی اور آفتاب اور ماہتاب اور بادل اور مینہ سے ہے۔ اور ان سب کا قیام آسمان اور زمین سے ہے۔ اور آسمان اور زمین کا قیام آسمانی اور زمینی فرشتوں سے ہے۔ ان سب کا جوڑ میل آپسمیں ایسا ہے۔ جیسا کہ آدمی کے اعضا ہیں چنانچہ جب آدمی کے ایک جوڑ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تمام جوڑوں کو درد اور تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ظاہر ہے۔ کہ اگر دنیا میں ایک آدمی کفران نعمت کرے۔ تو ظاہر ہے کہ اسنے ان سب چیزوں کی مہربانیوں پر کفر کیا۔ پھر تو یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ کوئی نفس خواہ نفوس ملکی ہو یا آسمانی یا عنصری یا طبعی یا جمادی یا نباتی یا حیوانی ہو زمین کے نچلے درجہ سے لیکر آسمان کے انتہا تک کوئی ہو سب اسپر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس مضمون کا یہ مطلب تھا۔ جو موسےٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ کہ یا الٰہی میں آپ کی بے نہایت نعمتوں کا شکر کسطرح ادا کروں جو تیری کمال حکمت اور تیری قدرت کے تصرفات سے میرے تن کے ہر ایک بال میں ہے۔ اور میری ہر ایک بال بال میں دو نعمتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ انکو ہمیشہ کی صحت میں ثابت اور صحیح رکھتے ہو۔ دوم یہ ہے کہ انکو آفات اور برودت ہوا سے مختلف سے محفوظ رکھتے ہو اس قسم کی نظر ان برگزیدوں کی ہے۔ جو اس عالم شہود کے تیز بین ہیں اور عرفان کے خانقاہ کے خلوت نشین ہیں۔ جنہوں نے غیریت کے غبار کو دل کے شیشہ سے جھاڑ دیا اور اسرار کا گینہ مشاہدہ کے میدان سے لے نکلے ہیں۔ اور انکی ہمت کے ہمانے معانی کے میدان میں جلالیت کے پر پھیلائے ہیں۔ اور انکے بھید کی صفائی نے روحانی تختوں پر کمالیت کے طوبے کے سایہ میں آرام لیلیا ہے۔ اور انکے صدق کا گھوڑا شہود کے میدان میں دوڑا ہوا ہے۔ اور انہوں نے خدائی اسرار

کے آیات کو وجود کی تختوں کے صفحوں پر پڑھا ہی نہیں بلکہ چشم تحقیق اور غور سے دیکھا ہے اور سمجھا ہے اور اچھیطرح سمجھا ہے کہ دنیا کی ہر ایک نعمت ہزارہا مصیبتوں میں زہر آلودہ ہے اور اس دنیا ناپائدار کی ہر ایک لذت صدہا آفات سے مغلوب ہے۔ اس عالم فانی کی لذتیں فراق کے درد کا مقابلہ نہیں کھا سکتیں۔ اور اس کے ادراک کی خوشی ہلاکت کے روبرو منہ نہیں دکھا سکتی۔ اس قوم کا یہہ حال ہے کہ تعلیم روحانی کے سوا کسی اور نعمت کو خیال ہی نہیں کرتے اور معانی کے ادراک کو ہی لذت جانتے ہیں۔ مگر جاہل اور مغرور بیماروں کے عقول اسکے ادراک کو سعادت اور ذوق اور لذت تصور کرتے ہیں۔ . . . .

. . . . اگر وہ اس مرض مہلک کے گرفتار ہوجاویں تو پھر کیا علاج ہوسکتا ہے؟ اور اس قوم کا علاج یہ ہے کہ اہل بلا کے احوال پر نظر اور وہ بیان کریں۔ تا انکو عافیت اور آرام اور صحت کی قدر ہو۔ اور مردوں کے حالات کیطرف غور کریں۔ اور عمر کی نعمت کو غنیمت سمجھیں۔

نقل ہے کہ مشائخ کرام صوفیہ عظام سے ایک بزرگ روز قبرستان اور ہسپتال اور جیلخانہ میں ایک دفعہ ضرور جایا کرتے تھے۔ اس روزانہ آمدورفت کا حال آپ سے دریافت کیا گیا۔ آپنے جواب دیا کہ ہسپتال میں جاکر کئی قسم کے اہل بلا اور مرض کے گرفتاروں کو دیکھکر اپنے نفس کو عافیت کا قدر جتلاتا ہوں۔ اور جیلخانہ میں جاکر گنہگاروں کی گوشمالیاں اور بدکاروں کی پائمالیاں دیکھکر اپنے نفس کو امن و عصمت کے قدر سمجھاتا ہوں۔ اور قبرستان میں جاکر مردوں کا حال دیکھتا ہوں اور مردوں کے حال میں غور کرتا ہوں۔ اور انکو یہہ کہتے سنتا ہوں۔ کہ اگر انکو صرف ایکدن ہی پھر دنیا میں واپس بھیجیں۔ تو عاصی اپنے گناہ کا تدارک کرلیں اور مطیع بندگی میں زیادہ کوشش کریں۔ چونکہ قیامت کا دن جزا کا دن ہے اور افسوس کا مقام ہے کہ خواہ گنہگار ہو یا نیکوکار سب کے سب سیلاب حسرت کے حسرت زدہ اور دریائے حیرت کے غرقابوں سے ہونگے۔ گنہگار تو اسلئے آہ اور نالہ اور فریاد اور زاری کرینگے۔ کہ افسوس ہمنے موقعہ فرصت کو غنیمت سمجھا۔ اور زادراہ کچھ نہ

اور مطیع بھی افسوس کے ساتھ ہاتھ ملتے نظر آوینگے۔ بلکہ ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹینگے۔ کہ ہم زیادہ اطاعت اور عبادت کی طاقت رکھتے تھے۔ تابعداری اور اطاعت کیوں کم کی۔ مطیع حسرت کا پانی آنکھوں سے برساوینگے۔ کہ افسوس ہمنے سابقین کے درجات عالیہ کے شرف سے اپنے آپ ہی کیوں محروم رکھا؟ اور گنہگار گرفتاری کے عذاب میں روونگے۔ کہ ہمنے رسوائی کی گرد اپنے زمانہ پر کیوں ڈالی اور انکار اور اصرار کا غبار اپنے سر پر کیوں ڈالا۔؟

نقل ہے کہ ربیع بن خشیم اکابر تابعین سے تھے۔ مجاہدہ میں اعلےٰ درجہ کے شاہ سوار تھے۔ انہوں نے اپنے سکونتی گھر میں ایک گڑھا قبر کا نمونہ کھودا ہوا تھا۔ آپکا یہ قاعدہ تھا۔ کہ ہر روز ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنکر اور پاؤں کو بیڑی ڈالکر اور ٹاٹ کا ٹکڑا پہنکر۔ اس قبر میں گھس جاتے اور ایک گھڑی زمین پر لیٹتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یا اللہ یہ وہ قبر ہے جسکا آپنے اقرار کیا ہے۔ اب اس عاجز کی یہ التجا ہے۔ کہ مجھے صرف ایکدن کے واسطے یہاں سے نکالکر دنیا میں واپس بھیجدیجئے۔ شائد کوئی ایسا عمل صالحہ کرآؤں جو میرا اگلا راور بچانیوالا ہو۔ پھر وہاں سے نکل آتے۔ اور کہتے۔ اے ربیعہ جو کچھ تو نے مانگا تھا وہ تو تجھے ملگیا۔ اب اس فرصت کے دن کو غنیمت سمجھ اور مہلت کی قدر کر۔ اور آنے والے دن کی تیاری میں کمی نہ کر۔ اور پھر تو یہ فرصت طلب کریگا۔ اور نہ پاویگا۔ کیونکہ عمر اور تندرستی اور امن جیسی اور کوئی نعمت نہیں جو شخص اس نعمت کی قدر نہیں جانتا وہ تکالیف کے درد اور بلا کی گرفتاری میں مبتلا ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ لِاِنْعَامِہٖ الْفَائِزِیْنَ بِمَزِیْدِ فَضْلِہٖ وَاِکْرَامِہٖ اِنَّہٗ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

باب نہم در فضیلت صبر و حقیقت آن

اس باب میں مقام صبر اور شکر کی تفصیل ہے علماء کا اختلاف اس بارہ میں ہے کہ ان دونوں میں سے کسکو ترجیح اور تفضیل ہے۔ اور صبر کے ناموں کا اختلاف اسکے متعلقات کے اختلاف کے باعث ہوتا ہے۔ اور اسکے مراتب اور درجات اور قسموں کا بیان اسکے ضعف اور قوت کے مطابق اور احتیاج کے موافق ہوتا ہے۔ اور اسکے حقائق کے حاصل کرنے کی تدبیریں جو اس مقام کی شرائط کے مناسب ہیں دولتمندوں اور تونگروں کے حال کے لوازمات سے کیا بلکہ ضروری ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو شخص ذات پاک کے انعام اور افضال میں خاص ہوجاتا ہے۔ آداب عبودیت کا ادا کرنا اسپر زیادہ لازم ہوتا ہے اور جو شخص دنیا کی امیری اور حکومت (جو صدموں اور مصیبتوں اور بلاؤں کا گھر ہے) کے اختیار کرنے میں آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ اسکو تکلیفوں کے قاصدوں کے پیغام اور تنگیوں اور سختیوں کے سلام ضروری ماننے پڑتے ہیں۔ اور صبر اور رضا کے تحائف اسکو ضروری قبول کرنے پڑتے ہیں جب اللہ تعالے کے احکام کا اجرا اسیطرح ہو چکا ہے۔ کہ منصب ولایت کے میدان کے بہادروں کو اعزازی خلعت بلا کے رومال میں لپیٹ کر دیجاویں۔ اور ثروت باقیہ کے مخلص غنا کا گیند عنا کی چوگان سے لیجاویں۔ بمصداق سنت اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا۔ اسلیئے اہل تحقیق کے نزدیک بلا پر صبر کرنا عنایت کا نشان اور عنا کی برداشت صحت ولایت کی پہچان ہے۔ معانی کے موتیوں کے طالبوں کی تفہیم۔ اور منازل عرفانی کے سیر کرنے والوں کے واسطے وہ ذات پاک فرماتے ہیں کہ ہم ایسے مالک ہیں۔ کہ عبودیت کے بچھونے کے ملازموں کو اور ربوبیت کی بارگاہ کے مراقبوں کو صبر کے بدرقہ کی برکت اور یمن سے درجات کی بلندی پر پہنچا دیتے ہیں بلکہ انکو امام اور مقتداء بنا دیتے ہیں۔ اور ان مقبولوں کے پاک نفسوں کو کرامت کی خلعت سے خاص کر دیتے ہیں۔ اور ہدایت کی کنجیاں ان سچے رہنماؤں اور پیشواؤں کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اخروی

لذت اور معنوی سلطنت کو جسکو نعمت بے نہایت اور دولت بے غایت کہنا زیبا ہے۔ صابروں کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے۔ کہ رسول علیہ السلام سے ایمان کی نسبت پوچھا گیا۔ آپنے فرمایا۔ کہ ایمان معنوی طاعات کے جیلخانہ میں نفس کو قید کرنا اور سعادت اخروی کا حاصل کرنا اور دنیاوی امور اور اسباب کے اہتمام میں بیفکر ہوتا ہے۔

انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جب اللہ تعالے چاہتا ہے۔ کہ اپنے بندہ کو خاصوں کا درجہ عطا کرے۔ اور یہ بھی آپ کا ارادہ ہوتا ہے۔ کہ بندہ کے وجود کے لباس کو اوصاف بشری کی میل کچیل سے بالکل پاک کردے۔ اور وہ آدمی عبادات اور زہد سے اس درجہ پر فائز نہیں ہوسکتا۔ تو آپ بلا کا مینہ اُسکے بدنی کشت زار پر برساتے ہیں۔ اور جب وہ بیقراری اور بے آرامی کا پر درد اور پر آہ اور جانسوز نالہ آسمان تک پہنچاتا ہے تو آسمانی فرشتے اسکے معنوں کی سرعت کو دیکھکر ششدر رہ جاتے ہیں۔ اور اُن اوراق کے آثار سے آشنائی کا مفہوم پاتے ہیں۔ اور پھر جب وہ دل کے قاصد کو خفیہ رستہ سے اللہ پاک کی جناب میں پہنچاتا ہے۔ اللہ پاک اوصاف پروردگاری میں تجلی فرماکر بخشش کے بدرقہ کو لبیک کی خلعت اور سعدیک کی تشریف دیکر بندہ کے حال کے متوجہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ اے میری پیارے بندے ہمنے اپنی کمال حکمت کو تیرا محافظ بنا دیا ہے۔ تاکہ مصلحت کی بموجب تیری حاجات کو پورا کرتا رہے۔ یا بلا جو تجھپر نزول کا ارادہ رکھتی ہے۔ ہماری مدد سے تجھہ سے ہٹاتا رہیگا۔ یا تیری بہبودی کے واسطے ہم تیرے سوال کو چند در چند فوائد کے ساتھ صرف تیری عظمت اور مرتبت کیواسطے بقا کے خزانہ اور لقا کے مقام میں ذخیرہ کرتے رہینگے۔

(حدیث بیہقی)
(بلا کا فائدہ)

ایک حدیث نبوی میں آیا ہے۔ کہ ایک شخص حضور انور علیہ السلام کی خدمت میں اپنے ضعف حال کے شکایت لایا۔ اور بیان کیا۔ کہ یا رسول اللہ حادثات کے طوفان نے میرے مال منال کی بنیادوں کو اکھیڑ دیا ہے۔ اور میری شکل و شباہت کثرت بیماریوں سے بالکل بگڑ گئی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

اشارہ کے طور پر بطریق بشارت فرمایا کہ جن باتوں کو تو مکروہ سمجھتا ہے۔ یہ امراض روحانی کا علاج اور عالم اخروی کی سعادت کی کلید ہیں کیونکہ حکیم مطلق جس بیمار کو دردوں کا شربت پلاتے۔ اور مال اور اسباب کے تباہ کرنے سے پرہیز نہ فرماویں تو بیمار کبھی صحت کا منہہ نہیں دیکھتا۔ اور اللہ پاک کی سنت ہے کہ جب وہ چاہتے ہیں کہ اپنے بندہ کو محبت کے تخت پر بٹھاویں تو اسکے وجود کو بلا کی تیروں کا نشانہ بناتے ہیں اور عین بلا میں اسکے وجود کو صبر کا خلعت پہناتے ہیں اور شربت رضا کا پینے پر اسکو متوجہ کر دیتے ہیں۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی آنکھیں ہمنے کمال حکمت سے بند کر دیں۔ گویا ہمنے اسکو سونے کی گھسوٹی پر آزمانا چاہا ہے۔ جب وہ محنت میں صبر کا لباس پہنے اور ہماری عنایت کا عکس بلا کے شیشہ میں دیکھے تو ہم بہشتی نعمتوں کو اسکا پیشکش بناتے ہیں اور اسکی بینائی کی آنکھوں کو اپنے لقا کی لذت سے روشن کر دیتے ہیں۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم اپنی ارادہ حکمت سے مصائب کے صدمات بندہ پر بھیجتے ہیں یہانتک کہ ان اثاث کے متواتر صدمے اسکے مال وجان کو برباد کر دیتے ہیں یا پے درپے آفات کے حملے سے اسکے جسم کو بیماریوں اور دردوں کی مشکلات میں ڈال دیتے ہیں یا اسکے دل کے گھر کو اولاد کے فراق اور جگر بندوں کے زخم سے خراب کر دیتے ہیں وہ بندہ نہایت تسلیم اور رضا اور حوصلہ سے ہماری شکایت نہیں کرتا۔ اور جزع اور فزع سے بالکل کام نہیں لیتا۔ اور ہماری قضا کو دیکھتے ہوئے وفا کا لباس پہنتا ہے۔ اور نہایت حوصلہ سے کام لیتا ہے۔ ہمیں اپنے کرم سے شرم آتی ہے کہ قیامت کو فزع اکبر میں اسکا کوئی گناہ رہنے دیں۔ یا اسکی کسی برائی کو ہم ظاہر کر کے اسکو شرمندہ کریں۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الرجل لتکون لہ الدرجۃ عند اللہ لا یبلغہا بعمل حتی یبتلے ببلاء فی جسمہ فیبلغہا بذلک۔

ائمہ حدیث کے نزدیک ان اس موقعہ پر بمعنے ربما یعنے اکثر کے ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ قضا کے دربان ایک بندہ کے واسطے اللہ کی درگاہ میں اسکا درجہ بلند مقرر کرتے ہیں

اور سعادت ابدی کا دروازہ اسپر کھولدیتے ہیں۔ - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - مگر وہ بندہ اتنی طاقت نہیں رکھتا۔ کہ عبادت کے ذریعہ سے اس بلند درجہ پر پہنچ سکے۔ اسکا علاج یہہ ہوتا ہے۔ کہ بلا جسمانی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اور ضرر نفسانی کی برداشت کا اسکو مستعد کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس طریق سے اس اعلےٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا یُّجْزَ بِہٖ۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کیسے خوشی ہوسکتی ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابابکر کیا تم مریض نہیں ہوتے۔ اور آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہونچتی جس سے تم غمگین ہوتے ہو۔ یہ سب کام تمہاری برائیوں کو محو کرنے والے ہیں۔ ایسا ہی سب مومنین کا حال ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اگر کسی پینے والے نے خواہ وہ شارب ظاہری ہو یا باطنی ایک گھونٹ آفات جسمانی اور روحانی کا پیا تو خدا کے نزدیک وہ زیادہ محبوب اور فاضل ہوجاتا ہے۔ وہ دو قسم کا شربت ہے۔ ایک تو غصہ کا گھونٹ حالت غضبیہ میں پینا۔ دوم مصیبت کو صبر کی قوت سے برداشت کرنا۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب تمام خلقت کو میدان محشر میں حاضر کرینگے تو اعمال صالحہ یعنے عبادات مرضیہ نماز روزہ اور زکوۃ اور حج کرنے والوں کے اعمال عدل کے میزان میں تولینگے۔ بعد ازاں اُن لوگوں کو حاضر کرینگے۔ جنہوں نے بلا اور مصیبت کو اُٹھایا تھا۔ اور تکالیف کے زخم برداشت کیے تھے۔ جیسا کہ دنیا میں اہل وفا صبر کی برداشت کرتے ہیں۔ ایسا ہی کل موکل فرشتے اجر اور ثواب کا مینہ انکے پاک نفسوں پر برسادینگے۔ اور روح اور ریحان اور رحمت اور مغفرت اور رضوان انکے سروں پر نثار کیا جاویگا۔ اور عہد عافیت کے آرام یافتہ اُسدن تمنا کرینگے۔ اگر ہمارے بدنوں پر محبت کا آرہ چلتے۔ اور ہمارے اعضا مصائب کی قینچی سے بارہا کترتے جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

جناب بن ارث رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دن محبوب رب العالمین کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آپ کعبہ کو سایہ میں اپنی چادر کو سرہانے رکھے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ مینے اپنے ضعف حال اور کمی مال اور ظلم اہل ضلال سے حضور اطہر کی خدمت میں شکایت پیش کی۔ اور عرض کی یا رسول اللہ کیا اچھا ہو کہ آپ ذات پاک کی بارگاہ میں دعا کریں۔ کہ میرا گذارہ مجھہ پر فراخ ہو جاوے اور مومنین کا گروہ فاقہ کی شدت اور مصیبت سے بچ جاوے۔ آپنے جب میری بات کو سنا۔ تو آپ کے چہرہ مبارک پر آثار خفگی ظاہر ہوگئے اور فرمایا کہ جو گروہ اہل صفا کا تمسے پہلے تھا وہ وفا کا پٹکا جان کی کمر پر باندہتے تھے اور ایک گمراہ گروہ ان کے واسطے ظلم کے کنوئیں راستہ میں کھودتے تھے۔ اور بلا کے آرہ سے ان کے پاک جسموں کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ اور ان کاملوں کا یہ وتیرہ تھا کہ اپنی پیاری جان کو خدا کی رضا میں نثار کر دیتے۔ مگر دین حق سے روگردانی نہ کرتے تھے۔ اور دشمنوں کے ظلم سے دوست کی وفا کو نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ گذشتہ پیغمبروں سے کسی پیغمبر نے اللہ کی بارگاہ میں شکایت کی اور عرض کی۔ کہ آپ ہر خطیر اور حقیر کے مالک ہو۔ اور ہر صغیر اور کبیر کے آمرزگار ہو۔ کیا حکمت ہے کہ جو بندہ مومن تابعداری کا پٹکا کمر پر باندہتا ہے۔ اور جان کو معاصی سے بچاتا ہے۔ آپ دنیاوی اسباب اس سے چھین لیتے ہو۔ اور اس نرم مزاج کو بلا کی تلوار سے مار ڈالتے ہو۔ اور جو کافر سرکش اہل ایمان کی آبروریزی کرتا ہے۔ اور نافرمانی کی خاک اپنے روزگار پر ڈالتا ہے۔ آپ اسپر دنیا کو فراخ کر دیتے ہو۔ اور بلا کے کانٹے اسکے گلزار سے اکھیڑ دیتے ہو۔ بارگاہ آلہی سے یہ جواب ملا۔ کہ بخشش بھی ہماری بخشش ہے۔ اور بلا بھی ہماری بلا ہے۔ یہ دونو ہماری پاک اور مقدس ہونے کے گواہ ہیں۔ بندہ مومن سے اسکے گناہوں کے واسطے دنیا فانی کو ہٹا لیتے ہیں۔ اور اسکے نفس امارہ کو بلا کی زہر میں ڈالدیتے ہیں تاکہ وہ سب اسکے گناہوں کا کفارہ ہو جاویں۔ اور قرب کے بچھونے پر ہماری کچہری کے اولیاؤں میں شمار کیئے جاویں۔ اور کافر سرکش پر دنیا کا اسباب فراخ کر دیتے ہیں۔ اور اسکی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ دنیوی خوشیوں کی چراگاہ میں بلا کی مزاحمت کے بغیر چرتا رہے۔ دنیا میں اپنی بھلائیوں کا عوض حاصل کر لے۔ تاکہ عقبے میں ملاکر

عذاب ابدی میں ابدی میں گرفتار ہوگا۔

عبداللہ بن مسعود نے روایت کی ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کا نصف ہی اور یقین پورا ایمان ہے۔ اس بات کا جاننا کہ صبر نیمہ ایمان کل ہے۔ اسکا سمجھنا ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہی۔ اور وہ یہہ ہی کہ جاننا چاہیئے۔ کہ بعض اہل علم اسم ایمان کا اطلاق صرف تصدیق پر رکھکر اصول دین کو ایمان کہتے ہیں۔ اور ان سی مراد اعمال صالحہ کی ہوتی ہے۔ جو تصدیق کا نتیجہ ہے۔ اور بعض علما اسم ایمان کا اطلاق تصدیق اور عمل دونو پر رکھتے ہیں۔ اور در اصل یہ تینوں اسم ایمان کا اطلاق کے واسطے شایع ہیں۔ اور ایمان کی حقیقت ان سب مراتب پر مشتمل ہے۔ اور احکام شمول کی تفصیل رسول علیہ السلام کے حکم کے مطابق ہے۔ آپنے فرمایا ہے کہ الایمان بضع وسبعون شعبة اور یہ بات کا جاننا کہ صبر ایمان کا نیمہ ہے تیسری اعتبار سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اطلاق سے جمع کی شرط مفہوم ہوتی ہے۔ اور جب جملہ اہل حدیث اور اہل تحقیق اسم ایمان کا اطلاق کرتے ہیں تو انکی مراد جملہ تصدیقات اور اعمال سی ہوئی ہے۔ پس ایمان کے دو رکن ایک یقین۔ دوم صبر۔ اور یقین سی اُن معارف قطعیہ سی مراد ہے جو ہادی مطلق کی عنایت سی بندہ کو اصول دین کے معارف معلوم ہوتے ہیں۔ اور صبر سے یہ مراد ہے۔ کہ معارف یقینی کے مقتضا پر عمل کیا جاوے۔ اور معارف یقینی بندہ کے مانے ہوئے ہیں۔ یعنے معصیت مضر ہے اور عبادت نافع ہے اور معاصی کا چھوڑنا اور عبادات پر مواظبت کرنا بجز صبر کے ممکن نہیں۔ پس ان لحاظوں سی صبر نصف ایمان ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ قدرت کی قسمت آبادمین بخشش کے خوان پر نعمتوں کی تقسیم کرنے والے نے جو تھوڑی سی چیز تمکو دی ہے۔ وہ یقین کے انوار کے موتی ہیں یا صبر کے اسرار کے گوہر ہیں۔ جس قیمت والے کو ان دونو نعمتوں سی حصہ وافر دیا گیا ہے۔ اگر وہ قائم اللیل اور صائم الدہر ہونے میں کوتاہی کرے تو اسکو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّة کہ اس دنیا کی مصیبتوں اور امور دنیا فانی کے مشکلات کے حل کرنے کے واسطے صبر کیا ہے۔ بہشتی درجات کی خزانوں سی ایک بے انداز خزانہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایکدن رسول علیہ السلام انصار کی مجلس میں تشریف لائے

آپنے سوال کیا۔ کہ اے گروہ انصار کیا تم مسلمان ہو؟ سب کے سب خاموش ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہاں۔ پھر آپنے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کا نشان کیا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا۔ کہ خداوند کریم کے انعام اور افضال پر ہم شکر کرتے ہیں۔ اور بلا کے نزول کے وقت صبر کی کلید سے خوشی کے دروازے کو کھولتے ہیں۔ اور قضا کے ظہور کے وقت رضا کے رستہ کو وفا کے قدموں سے ناپتے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کعبہ کے خدا کی قسم ہے کہ تم بیشک مومن ہو کیونکہ یہہ امر مومنوں کی صفات میں سے ہے۔ جو شخص اون اوصاف سے موصوف ہے۔ وہ عذاب اخروی سے قطعی امان میں ہے۔

عایشہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر صبر کی شکل کبھی متشکل ہوتی تو ایک نہایت خوبصورت جوان کی شکل میں نظر آتا۔ جسکے افعال اور اقوال سے ناجائز لفظ ظاہر نہ ہوتے۔ کیونکہ عطا کا کرنا بزرگوں کی صفت ہے۔ اور ایذا کی ترک اچھے آدمیوں کا وتیرہ ہے۔

صاحب مناصب اور مناقب حضرت علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص مصائب دنیوی پر صبر کرتا ہے۔ یعنے مصائب کی شکایت نہیں کرتا۔ اور حسن رعایت سے وہ انکو گذارتا ہے۔ اللہ تعالے اسکو تین سو درجے بہشت کے بلند درجوں سے عنایت کرتا ہے۔ ہر ایک درجہ کا فاصلہ اتنا ہوتا ہے۔ جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیانی فاصلہ ہے۔

عبادہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ارواح اور رضوان کے دروازے کی کشائش صبر اور عبادت اور یقین کی کلید سے کرنی۔ اولیاء کا طریق اور اصفیا کا شیوہ ہے۔
انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ صبر کی برداشت مقتدا ہونے کی دلیل ہے۔ اور غم اور حیرت کی شدت میں صبر کرنا۔ فتح اور راحت کی دلیل ہے۔

ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ مومن کی دولت صبر اور آہستہ کاری میں ہے۔ اور مومن کی فتحیابی بردباری میں۔ اور اسکی روشنی نیکوکاری میں اور اسکا نور پرہیزگاری میں ہے۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ نے داؤد علیہ السلام پر وحی کی۔ کہ اے داؤد اگر ہمارے قرب کی دولت چاہتے ہو تو اپنے نفس کو ہمارے حمیدہ اوصاف سے موصوف کر لو۔ اور اپنے حالات کو ہمارے عادات اور اور اخلاق سے روشن بنا لو۔ اور حادثات زمانہ کو واقع ہونے پر صبر کرو۔ اگرچہ ہم جبار ہیں۔ اور ہر ایک امر پر قادر اور حاکم ہیں باایںہمہ پھر بھی ہر ایک کام میں تدریج سے کام لیتے ہیں۔

العزیز جاننا چاہیے کہ سلیم العقل بندوں کو دین کی معرفت کے مقام دو طرح سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک عقلی ہیں۔ دوم نقلی۔ صبر کے فضائل جسقدر پہلے بیان کیے ہیں عقلمند کو اتنے ہی کافی ہیں کیونکہ جو ذکر اس مقام کی فضیلت میں وارد ہیں بہت طوالت رکھتے ہیں۔ اس مقام کی شرف اور فضیلت سے ایک بات یہی ہے۔ کہ اللہ جلشانہ قرآن مجید میں ستر اور کتنی دفعہ اس مقام شریف کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بہت سی خیرات اور درجات عالیات کو اسکے وجود کے متعلق رکھا ہے۔ لیکن دوسرا قسم جسکو معرفت نظری کہتے ہیں۔ اسکا حصول ممکن نہیں۔ تاوقتیکہ اسکی حقیقت نہ سمجھی جاوے۔ کیونکہ اس علم کا فضل اور درجہ صفت کے متعلق ہے اور صفت کا جاننا موصوف کے جاننے پر موقوف ہے۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوا تو جاننا چاہیے۔ کہ صبر دین کے مقامات سے ایک مقام ہے۔ اور دین کے تمام مقامات علم اور حال اور عمل سے مربوط ہیں۔ گویا علم بمنزلہ درخت کے تنہ کیطرح ہے۔ اور حال اسکی شاخیں اور عمل اسکا پھل ہے۔ ایسا ہی صبر کی سمجھ جبتک سابقہ معرفت نہ ہولے حاصل نہیں ہوتی۔ اور معرفت سابق سے خواہشات نفسانی کے مضرات اور لالچ کی متابعت کا انجام معلوم ہوتا ہے۔ اور حال قائم سے مراد صبر ہے۔ وہ یہ ہے کہ تکلیف دینے والی خواہشوں سے باطن کو استقبال میں ہٹایا جاوے۔ اور عمل جو علم اور حال کے مطابق حال کا ثمرہ ہے۔ اور ان معانی کا جاننا خلقت کے جاننے پر موصوف ہے۔ جو علوی اور سفلی اقسام سے ہیں۔ اور ملکی اور بشری اور بہیمی مراتب کی ترتیب پر بھی ہے۔ کیونکہ ملاء اعلے کے رہنے والوں یعنے ملائکہ کرام سے صبر کا پایا جانا خیال نہیں کیا جاتا۔ ایسا ہی چوپایوں سے بھی۔ کیونکہ فرشتے تو عقول مجردہ رکھتے ہیں۔ اور نفسانی شہوات کی آلایش اور جسمانی لذات کی آلودگی سے بالکل پاک اور الگ ہیں۔ اور الٰہی قرب کے درجہ کا اشتیاق اور بھڑک انکی روحانی غذا ہے۔ اور انکی ذات میں قوائے طبعی کی تاریکیاں اور آثار جسمانی کی

کدورتیں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ جو لڑائی جھگڑے کے وقت رونما ہوں۔ یا قوت صبری سے انکی مقاومت اور برابری کی حاجت پڑے۔ اور بہائم کو درجہ کے نقصان کی وجہ سے کہ انوار عقل کا حصہ انکو نہیں ملا۔ اور انکی فطرت محض شہوات ہی پر بنی ہوئی ہے۔ اور انکی حرکت اور سکون شہوات پر مبنی ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی نفس میں عقلی مادہ ہی نہیں ہوتا۔ جو شہوات کی خواہشات کا مانع ہو سکے اور انکے روکنے کے واسطے صبر کی ضرورت پڑے۔

لیکن حضرت انسان جسکو ہم علویات اور سفلیات کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ ابتدا انکی پیدائش میں بہائم کیطرح ناقص ہے۔ کیونکہ اسکو غذا کے سوا اور کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اسمیں کھیل کود کی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ بعد ازاں زینت کی خواہش خواہش میں سر نکالتی ہے۔ پھر نکاح کی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر مال کی اور پھر مرتبہ کی بچپن کے زمانہ میں ان باتوں سے وہ صبر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ صبر کا اصلی منشا یہ ہے۔ کہ فانی جھگڑوں کے۔ اور حرب اور قتال جسمیں خواہشوں کی مخالفت اور آرزوؤں کے اختلاف کی اثنا میں وہی طرف قائم رہے جو باقی ہے اور لڑکے میں صرف نفس اور طمع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جھگڑا اسکے ساتھ کرے۔ اسلیئے اللہ جلشانہ کی حکمت کاملہ نے یہ چاہا۔ کہ بلوغ کی حالت میں جسکو ہم کمال جسمانی کا ابتدا کہہ سکتے ہیں نوع انسان کو ملائکہ کرام میں سے دو فرشتوں کی حفاظت اور تصرف میں رکھ دیا ہے۔ اور انہی دو فرشتوں کے تصرف کے اظہار سے آدمی نوع حیوان سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ فرشتہ اول کا نام ہادی ہے۔ اور دوسرے کا نام مقوی ہے۔ اور انسان انہی دو فرشتوں کی مدد سے دو صفتوں سے موصوف ہو جاتا ہے۔ پہلے کا نام ہدایت ہے۔ دوسرے کا نام قدرت ہے۔ ہدایت کی صفت سے خدا کی معرفت رسولوں کی معرفت اور ان کاموں کی معرفت جنسے عاقبت سدھر جاتی ہے ہوتی ہے۔ اور ہادی فرشتہ کا کام ہے۔ پھر وہ بہائم سے تمیز کرا دیتا ہے۔ کیونکہ بہائم کا خاصہ ہے۔ کہ وہ انجام کو نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ انکی تمام ہمت شہوات حالی اور لذات وقتی کی تحصیل میں خرچ ہو جاتی ہے اور انسان نور ہدایت کی قوت سے شہوات موجودہ میں اخیر کی مضرت کو دیکھتا ہے۔ مگر یہ قسم تنہا ضرر دینے والی شہوات کے روکنے میں کافی نہیں ہوتا وقتیکہ ملک مقوی کی قدرت مذہب کے ساتھ پیوستہ اور رواں

ہو جاوے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے۔ کہ بیمار کو مرض کے پیدا ہو چکا علم بھی ہوتا ہے۔ اور ہدایت بھی لیکن جب وہ اسکے دفع کرنے کی قوت نہیں رکھتا تو وہ مرض کے پنجہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور بیماری کے زور پکڑنے پر سخت عاجز ہو جاتا ہے۔ جب مقوی فرشتہ ہدایت کی دستگیری کرتا ہے۔ سچا طالب مجاہدہ کے میدان میں ہمت کا گھوڑا کُداتا ہے۔ تو ان دونو فرشتوں کی مدد سے نفس امارہ کی بدلگامیوں کو اپنے سے ہی دفع کر سکتا ہے۔ اور یہ دونو فرشتے انسان کے وجود میں علوی فرشتوں میں سے ہیں اور نفس اور خواہشات نفسانی ملکوت سفلی سے ہیں اُنکا عزم لطیفہ روحانی۔ اور ان کا ارادہ تعمیر ہیکل جسمانی کا ہوتا ہے۔ یہ دونو ملکوتی صفتیں انسان کے بدن کی سلطنت میں آمادہ پیکار رہتی ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ملائکہ علوی جنکو الٰہی لشکر کہتے ہیں۔ خدائی امداد سے غالب اور قاہر ہو جاتے ہیں اور نفس اور خواہشات انکے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ سفلی صفتیں جنکو شیطانی گروہ کہنا چاہیئے۔ شیطانی وسوسات کے غلبہ سے غالب ہو جاتی ہیں اور اللہ کا لشکر مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور اس جہاد کا رزم گاہ دل کا مقام ہے۔ اور جو فرشتے دین کے معاون ہیں۔ روحانی امداد کا باعث ہوتے ہیں۔ اور سے زمینی اور دو جو شیطانوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ نفسانی طرف کے مؤید ہوتے ہیں۔ اب یہ موقعہ صبر کا آجاتا ہے۔ کیونکہ شوق دینی کا جھگڑا شوق شہوانی کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس موقعہ پر صبر کیا جاوے۔ تو شہوات اور نفسانی خواہشات مغلوب اور مقہور ہو جاتی ہیں۔ اور دین کے اعدا کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ اور حزب اللہ مظفر اور منصور ہو جاتا ہے۔ اور وہ شخص سچے صابروں اور لائق بہادروں کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ اگر معاذ اللہ سستی یا غفلت بزدلی کو کام میں لایا جاوے اور نفسانی خواہشات کے روکنے میں غفلت سے کام لیا جاوے۔ اور خدائی مخالفوں کے ظلموں پر صبر نہ کرے وہ شیطانی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور یہ دونو فرشتے ہر ایک انسان پر کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں جو دونو طرف سے استعانت اور امداد کی صورت میں ہوتی ہے گواہ ہیں۔ اور انسان کے تمام افعال اور اقوال کو روحانی دفتر میں لکھ لیتے ہیں۔ ان صحائف کو دو موقعہ پر ظاہر کرینگے۔ ایک تو قیامت صغریٰ میں جسکو بدن کی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرا قیامت کبریٰ کے دن جبکہ تمام مخلوقات حاضر ہو گی۔

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں

وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ اہل کشف اور محققین کے نزدیک انہی دو فرشتوں سے مراد ہے۔ کہ انسان ایک کی ہدایت سے سعادت ابدی کو حاصل کرتا ہے۔ اور دوسری کی تقویت سے خسران اور شقاوت سرمدی کے اسباب کو دفع کرتا ہے۔ اور اسی بات کو اہل یقین سعادت اخروی کے آلات کے حاصل کرنے کے واسطے (جنمیں سے ہر ایک آلہ دین کی نعمتوں سے نعمت ہو اور حکمت کے پورا ہونے کا محل ہے) شکر کا شکر کہتے ہیں۔ اور شیطانی وسوسات کے حملہ کے وقت حقانی امور پر قائم رہنے کو صبر کہتے ہیں۔ اس طائفہ کے نزدیک ایک ہی مقام کا نام ہی صبر اور شکر ہے۔ جو عتبارات کے اختلاف کے باعث مختلف ناموں سے نامزد کیا جاتا ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو جاننا چاہیئے کہ اہل علم نے صبر اور شکر کے اختلاف میں تفصیل کی ہے۔ چنانچہ حضرت فضیل اور حضرت حسن بصری اور سفیان ثوری۔ اور شیخ جنید بغدادی اکابران دین کی ایک کثیر جماعت اس بات پر ہیں۔ کہ صبر کرنا شکر سے افضل ہے۔ اور بعض اصحاب شکر کو صبر سے افضل جانتے ہیں۔ ابن عطاء کی رائے اوائل حال میں مخالف تھی۔ مگر اخیر میں جنید کے مذہب کیطرف رجوع کر لی۔ اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے نام ہیں۔ بعض کا یہ قول ہو کہ انکا حکم حالات کے مختلف ہونے سے مختلف اور ہر ایک گروہ کے پاس اپنے اپنے مذہب کے دلائل موجود ہیں۔ اور یہہ سب حالات کشف حق سے قاصر ہیں۔ اور انکی حقیقت سے اس پردہ کا اُٹھانا یعنے کھلم کھلا شرح کرنا دو اصولوں پر موقوف ہے اصل اول یہ ہے۔ کہ اس کی تفسیر میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ وہ یہہ ہے کہ معانی کو ظاہر آیات اور اخبار پر محمول کرتے ہیں۔ اور تحقیق اور تدقیق میں کوشش نہیں کرتے۔ یہ کام واعظین اور اہل تذکیر کا ہے۔ جو عوام کی فہمید کیواسطے انکے فہم کے اندازہ پر بیان کرتے ہیں۔ اور خلقت کی سمجھہ کی کمی کی بنا پر باریک مسائل سے احتراز کرتے ہیں۔ کیونکہ غایت مقصود یہ ہوتا ہے۔ کہ عوام الناس اصلاح پذیر ہو جاویں اسلیئے انکے عقول کے اندازہ پر بات کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مشفق ماں اپنے شیر خوار بچہ کو قسم قسم کے کہانوں اور مختلف نوالوں سے بچاتی ہے۔ کیونکہ ابھی قوت ہاضمہ پورے طور پر اسکے معدہ میں

ہو جو نہیں۔ جو اسکو سہولت سے ہضم کر سکے۔ ایسا ہی علماء دین پر واجب ہے کہ عوام الناس میں گفتگو کرتے وقت انکے افہام اور عقول کی حد کو ضرور نگاہ رکھیں۔ اسلیئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نتکلم الناس علی قدر عقولھم یہ قاعدہ کی بات ہے کہ عام خلقت کی سمجھ شرع کے ظاہر احکام سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اکثر ہمنے دیکھا ہے۔ کہ جو احادیث صبر کی فضیلت میں وارد ہیں۔ وہی شکر کی فضیلت میں دلالت کر سکتی ہیں ان سب باتوں کا لب لباب اور اس ساری بیان کا ماحصل الباب یہہ ہے۔ کہ صبر کی فضیلت شکر پر ترجیح رکھتی ہے۔

روایت ہی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کو دن زمین کی نہایت ہی شاکر کو پیش کیا جاویگا پس اللہ تعالے اسکو شاکرین کی جزا اور کرامت فرماوینگے۔ بعد ازاں بلاؤں کے نہایت ہی صابر کو روبرو لایا جاویگا۔ اللہ تعالے نہایت لطف اور مہربانی سے اسکا استقبال کرینگے۔ اور فرماوینگے کہ ای میرے عزیز بندے۔ کیا تم راضی ہو کہ شاکر کی جزا لیکر خوش ہو جاؤ۔ اسکے وجود سے ایک نہایت ہی دردناک آواز نکلے گی کہ اس عاجز ناکارہ کی کیا حقیقت ہے۔ کہ اس درگاہ میں اسکا قدر ہو اور میرے گندے منہ کے اعمال ایسے اجر کے مستحق ہوں۔

ہرچہ از تو آید خوش بود خواہی عطا خواہی الم　　آرام جانم یاد تست من فارغ از شادی و غم

بارگاہ ربانی کا خطاب اُس بیچارہ کو جبیرہ یعنے پٹی کا کام دیگا۔ اور حکم ہوگا کہ ہمنے تیری خوشی کے درخت کو نعمتوں کے پانی سے سینچا ہے۔ اور اپنی خاص عنایت کو تمہاری حال پر مبذول کردیا ہے تمنے دنیا میں ہمیشہ بلا کے زہر کا پیالہ پیا اور عطا کے شربت کیطرف نظر بھی نہ اُٹھائی۔ اور ظلم کے آثار کو رضا اور وفا کے لباس میں پہنا۔ تمہارا یہ کام تھا۔ کہ ادہر اُدہر سے روزگار کی سختیوں کی برداشت کرتے رہے اور ہر کس و ناکس کی دھینگا مشتی کی سختیوں کی تلخی چکھتے رہے۔ آج ہمارے فضل اور کرم اور عنایت وہ دن آگیا ہے کہ تمہارے حال کی جمال کو تمام جہان کے روبرو پیش کریں۔ اور شاکروں کی جزا سے چند در چند جزا تمہاری ہمت کے دامن میں زیادہ ڈالدیں۔ اور تمہاری عزت کے جھنڈے کو میدان قیامت میں بلند گاڑ دیں۔ اور تمہارے صبر کو وفا کو بخشش کے بے کنار دریا میں ملادیں۔ انتہا

یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہشت کے تمام دروازے دو طبقہ وار ہیں مگر صبر کا دروازہ کہ وہ ایک ہی طبقہ رکھتا ہے۔ پہلے پہل گروہ جو اس دروازہ میں داخل ہوگا۔ اہل بلا سے ہی ہوگا۔ اور انکے پیشرو حضرت ایوب علیہ السلام ہونگے۔ جو احادیث فقر کی فضیلت میں وارد ہوئے ہیں وہ سب کے سب صبر کی فضیلت پر مشتمل ہیں۔ جیسا شکر نعمت اور غنا کے متعلق ہے۔ ایسا ہی صبر فقر اور بلا کے متعلق ہے۔

فصل دوم صبر

اس مقام کو اہل علم کے مذاق اور بہت واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ جس سے باریکیوں کی توضیح ہو جاوے۔ اے عزیز جاننا چاہیے کہ دو مبہم چیزوں کا اختلاف اسیوقت معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ اسکی مفرد فردوں پر غور کیا جاوے۔ اور ہر ایک جزو کا دوسری جزو کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے۔ تاکہ ایک کی ترجیح دوسرے پر معلوم ہو۔ اسلیے معلوم ہوا کہ دین کے مقامات کے افراد مختلفہ کے احوال اور اعمال علم ہیں۔ یعنے جتنے علم ہیں اور ہر ایک علیحدہ علیحدہ دین کے اجزا ہیں۔ ایسا ہی صبر کے مدارج بھی دین کے افراد سے ایک ہیں جب مقامات صبر کو مدارج شکر کے ساتھ نسبت دیجاتی ہے۔ تو مختلف احوال کے باعث کبھی وہ باہم مساوی ہوتے ہیں۔ اور کبھی متفاوت۔ مثلاً علوم کے حقائق باہم متفاوت ہیں مگر بعض ان میں سے ارفع اور اشرف ہیں۔ اور جو ارفع اور اشرف ہیں۔ ان سے درگاہ ربانی کی معرفت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی معرفت سعادت انسانی کی غایت اور نعیم روحانی کی نہایت ہے۔ باقی جتنے علم ہیں۔ وہ سب کے سب اس شریف علم کی تحصیل کے نردبان کے پہلا دوسرا وغیرہ پایہ ہیں اور بعض علم ایسے ہیں کہ ایک ہی واسطہ سے اس علم کو ملجاتے ہیں۔ مثلاً علم حدیث اور تفسیر اور بعضے زیادہ واسطوں سے ملتے ہیں۔ اور جس علم کو درگاہ ربوبیت میں ایک ہی واسطہ سے رسائی ہوتی ہے۔ وہ اس علم سے

صبر اور شکر کی حالات کی تعریف

شریف ہی جو زیادہ وسطوں کا محتاج ہے۔ پس احکام اور احوال کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اب دیکھو کہ حال سے یہ مراد ہے۔ کہ حقیقی معنوی حالت ایسی ہوجاوے۔ کہ صاحب حال اپنے دلکے منہ کو امور دنیادی کے شکوک اور دنیاوی شواغل کی میل سے بالکل صاف اور مبرا کرلے۔ اور دل کے شیشہ کو ایسا تیار کرے کہ ربانی تجلیات اسپر خود بخود آگریں۔ جسطرح لوہار کو شیشہ کے تیار کرنے اور اسکو مجلا کرنے میں چند عملوں کی ضرورت درپیش آتی ہے۔ (چنانچہ لوہے کا توڑنا۔ پگھلانا۔ کوٹنا۔ ضرورت کے مطابق اندازہ کرنا۔ اور اسکا لمبا یا گول بنانا۔ اور اسکو ایک خاص شکل میں لانا۔ اور صیقل کرنا۔) جو عمل صیقل کے نزدیک ہوگا۔ وہ اس ہی قدر اچھا ہوگا۔ جو اس سے دور ہے۔ دل کی تاثیرات کو بھی ایسا ہی جاننا چاہیئے۔ اور جو حال دل کی صفائی کے نزدیک ہوگا وہ اس عمل سے بدرجہا اچھا ہوگا جو اس سے دور ہے۔ اور اعمال کو دل کے صفات کے اُلٹانے پلٹانے تاثیر کامل ہے۔ اور تاثیر بھی دو قسم سے اور دو حال سے خالی نہیں ہوتی یا تو اسکی تاثیر کی قوت دل کی ظلمت اور تباہی کا باعث ہوجاتی ہے۔ اور اس سیاہی کے باعث دنیا کے رذائل کیطرف طبیعت مائل ہوجاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مکاشفات کے انوار کی لذت سے بالکل محروم ہوجاتا ہے اسکا نام معصیت ہے۔

یا ایسا عمل ہوتا ہے کہ اسکی تاثیر دل کو دنیاوی آمیزشوں سے بالکل صاف اور پاک کردیتی ہے اور موانعات کے پھندوں سے اسکی ہمت کے بازوؤں کو آزاد کردیتی ہے۔ اور صفائی کے اسباب کی تیاری سے دل کو کشف کے محل میں پہنچا دیتی ہے۔ اسکا نام طاعت ہے۔

طاعات اور معاصی کی تاثیر کو بھی دل کے نورانی کرنے یا سیاہ کرنے میں مختلف درجات ہوتے ہیں اور یہ اختلاف احوال کے اختلاف کے مطابق ہوتا ہے۔ جب آپکو یہ بات سمجھ میں آگئی۔ اب جاننا چاہیئے کہ جب صابر کی معرفت کو شاکر کی معرفت کے ساتھ مقابلہ کریں۔ تو پھر ایک کی دوسرے پر ترجیح معلوم ہوجاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دونوں میں مساوات پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں دونو کا رجوع حقیقت واحدہ پر ہوتا ہے۔ مثلاً صبر کبھی تو عبادت اور طاعت پر ہوتا ہے۔ اور کبھی معصیت پر۔ اور یہ مقام شکر اور صبر کے اتحاد مقامی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ طاعت پر صبر کرنا۔ گویا طاعت کا شکر ہے

پس یہ دونو صفتیں لازم اور ملزوم طاعت کی ہوتی ہیں۔ گویا نام مختلف ہوتے ہیں۔ مگر اعتبار واحد ہوتا ہے کیونکہ شکر کی حقیقت صرف خدا کی نعمت ہے جو حکمت میں اصل مقصود ہے۔ اور صبر اسکو کہتے ہیں۔ کہ جب شر کی برائیاں ظاہر ہوں۔ تو سوقت خیر پر قائم رہے۔ پس یہ دونو ہم ایک ہی معنے رکھتے ہیں جیسا کہ ذکر گذر گیا۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ کسی چیز کی تفصیل اسی چیز کے ذریعہ مشکل ہوتی ہے۔ یہ جو تمنے سنا ہے۔ موخر طور پر مساوات کی وجہ ہے۔ مگر شکر کی ترجیح صبر پر ہم ایک مثال میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نابینا کے صبر کی صحت اسطرح معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ شکوہ زبان پر نہ لاوے نہ کرے۔ اور خدا کی قضا پر خوش رہے۔ اور اندھا ہونیکے وجہ سے بعض معاصی کی کرنے کی اجازت نہ مانگے اور بینائی پر شکر کرنا یہ ہے کہ بینائی کے نور کو گناہوں کا مددگار نہ بناوے۔ بینائی کی نعمت کو عبادت میں ہی استعمال کرے۔ یہ دونو باتیں صبر کے بغیر نہیں ہوسکتیں۔ اور یہ حکم تداخل کا ہے کہ صبر ہی شکر کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔ اور اخیر پر دونو ایک حقیقت کے تحت میں آجاتے ہیں۔ جب بینا ان دونو شرائط کے حدود کو مرعی رکھیگا۔ اور بینائی کے شکرانہ کو اس صانع مطلق کے عجائب صنعتوں پر چھوڑیگا۔ اور اس آیت کے اسرار کے مطالعہ سے سنریهم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق سے حصہ کامل پاویگا۔ اور اسکے وسیلہ سے قرب کی دولت پر پہنچے گا۔ اور عنایت کی خورشید کی تابش اسکے وجود کی شبنم کو وحدت کے دریا میں کھینچینگے۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ اس شکر کا درجہ نابینا کے صبر سے بدرجہا افضل ہے۔ اگر علیسا نہ ہوتا۔ تو حضرت اسحاق اور شعیب کے درجے حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰ علیہما السلام سے زیادہ ہوتے۔ اور یہ بات بھی لازم آتی کہ انسان کے تمام اطراف اور جوارح کے نہ ہونے میں کمال انسانی ہے۔ اور یہ امر محال ہے۔ کیونکہ انسان کا ہر ایک عضو اخروی سعادت کا ملازم ہے۔ یہ دلیل اسپر ہے کہ شکر کو صبر پر ترجیح دیجاوے۔

اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ صبر کو شکر پر ترجیح حاصل ہے۔ مثلاً اگر کوئی غنی شاکر ہو۔ اور مال کی نعمت کو معصیت کا معاون نہ بناوے۔ اور جسقدر اسکو طاقت ہوتی ہے خیرات میں صرف کرے۔ اور تنعم کے اسباب میں مباحات سے کام لے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ فاقہ کی محنت پر صبر کرنے والا فقیر ایسے

شاکر غنی سے بدرجہا اچھا ہے۔ ایسے موقعہ پر صبر کرنا شکر سے افضل ہے۔ کیونکہ فقیر فقر کی شدت اور نفس کی شکیب اور ناکامی کے کڑوی گھونٹوں کے پینے میں اور بلا کے نزول کے وقت خوشی خوشی سے استقبال کرتا ہے۔ اور ایسا کرنا ایک قوت عظیم اور استقامت کا محتاج ہوتا ہے جو صبر کے متعلق ہے۔

لیکن جو غنی کہ بری کاموں کے کرنے سے پرہیز اور کنارہ کشی کرتا ہے۔ جب اسکا نفس شہوت کے میں باگ توڑ کر جاتا ہے۔ اور مرادات کے حاصل کرنے کے واسطے مال حلال موجود ہے۔ اور مباحات کی موجودگی کی وجہ سے محرمات کے وقوع سے لاپرواہ ہے۔ اگرچہ یہ غنی بھی صبر کی قوت سے حرام سے بچتا ہے۔ مگر جو قوت درویش صابر سے ظاہر ہوتی ہے۔ نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی ہے۔ اور جس صفت کی تاثیر ایمان کی تقویت کامل کرتی ہے۔ وہ صفت لامحالہ افضل ہے۔ جب ان معنوں کے حقائق آپکو معلوم ہوا تو ظاہر ہوتا ہے کہ ارباب کمال کے ہر ایک قول کی وجہ صحیح اور درست ہوتی ہے۔ شاید بعض احوال میں نہ ہو۔

العزیز جب تمنے انکے درجات کا فرق اور فاضل اور مفضول کے حالات کا اختلاف معلوم کیا اب جاننا چاہیئے کہ باعث دین کی قائمی جسکو صبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لالچ اور طمع کے ابھارنے والے کے منازعت اور مقاومت میں ضعف اور قوت اور غالبیت اور مغلوبیت کے لحاظ سے تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

حالت اول یہ ہے کہ دین کے مددگار نفسانی خواہشات کو مغلوب اور مقہور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ نفسانی خواہشات کو مقابلہ کا حوصلہ ہی نہیں رہتا۔ اور دین کی ہمت شیطانی گروہ جو الٰہی دربار کے مخالف ہے منصور ہو جاتی ہے۔ اور بدن کا شہر نفسانی خواہشات کی لشکر سے بالکل پاک ہو جاتا ہے اور یہ فتح دوام صبر کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اسیواسطے کہتے ہیں کہ من صبر ظفر۔ اور یہ فتح ولایت کے کے بہادروں اور بارگاہ عنایت کی مقربوں اور صدیقوں کے سواء اور کسیکو حاصل نہیں ہوتی۔ جس گروہ نے استقامت کی کوچہ کی ملازمت عمر بھر کی وہ کرامت کی خلعت اور سلامتی کی بشارت سے مخصوص ہو گیا۔ اللہ جلشانہ ان بزرگوں کے حالات سے اطلاع دیتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اس شریف
گروہ کا وجود خلقت کی درمیان نہایت عزیز اور کمیاب ہی۔ اور ہر زمانہ اور قرن میں ایسے کاملوں سے صرف
چند بزرگ ہوتے ہیں۔ طرفہ یہ کہ غافل بدبخت انکی قدر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ انکے ارشاد اور نصیحت سے
بھاگتے ہیں۔ اور اُن کاملوں کی وفا ناقصوں کو تیغ جفا معلوم ہوتی ہے۔ اور جب وہ بڑے درجہ کے
ظلموں کی برداشت کرتے ہیں تو طالبان صادق کے یقین راسخ ہوتے جاتے ہیں۔ اور انکی غیرت
کی آگ پتھریلی طبع والوں کو ریاضت کی بھٹی میں پگھلاتی ہے۔ اور انکی دعا کا ہاتھ مستعدوں کے
کم قیمت تانبے کو سعادت کا سونا بنا دیتا ہے۔ اور اُن ہادیوں کی ہدایت کے انوار نقصان کے جنگل کے
سرگشتوں کو کمالیت کی انتہا پر پہنچا دیتے ہیں۔ اور اُن واصلوں کی عنایت کی آثار فراق کے جنگل کے پیاسوں
کو وصال کا میٹھا پانی پلا دیتے ہیں

زیں خرابی گر تو مے خواہی کہ آبادے شوی	جہد کن تا بندۂ فرمان آزادے شوی
در دلِ پر نور مردے جائے گیر و غم مخور	کز دلِ پر نور او ناگاہ دلشادے شوی
در وفائے کاملاں چوں کوہ ثابت کن قدم	ورنہ اندر راہِ شاں چوں کاہ بربادے شوی

حالت دوسری یہ ہے۔ کہ نفسانی خواہشات اور شیطانی جذبات کا وہ زور ہو کہ دینی خواہشیں
اسکے مقابلے پر آ ہی نہ سکیں۔ اور سعادت دینی کے تمام اسباب بالکل اپنے فعل سے ناکارہ ہو جاویں
اور نفس کی باگ شیطان کے قبضہ میں آجاوے۔ اور شر کی فوج جنکو اعدائے حق کہنا پڑتا ہے۔ بدن کے شہر پر
قابض ہو جاویں۔ اور دینی طاقت جنکو حزب اللہ کہنا چاہیئے اعدائے حق کے جہاد سے بالکل بیدست و
پا ہو جاویں۔ یہ حال اکثر خلقت کا ہے الا ماشاء اللہ اور یہ قوم جہالت کے جنگل کے غافل اور غفلت
کے بیابان کے جاہل ہیں انکی پراگندہ عقل نفس اور ہوا کی اسیر ہے۔ اور انکا محبوب نفس دنیا کی زینت
کا بندہ ہے شہوت نفسانی کی اُمنگوں نے انکے دین کے گھر کو اجاڑ دیا۔ اور لذات جسمانی کی ابندیوں
نے ان بدبختوں کو جدائی کی دوزخ میں دھکیل دیا نفس امارہ کے دھوکوں سے سعادت کی راہ سے پھر گئے
ہیں۔ اور شیطان لعین کی دم بازیوں سے بدبختی کے جنگل میں حیران پھر رہے ہیں۔ اور نہ انکے پلید عقل

انکو دین کی حقائق سے خبر ہے۔ اور نہ تنبیہات شرعی سے انکے پریشان نفسوں میں اثر ہے اور اس قوم کی عدم قابلیت کیواسطے اللہ جلشانہ نے انکی صحبت اور انکی نصیحت سے منع فرمایا ہے۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ اس بدبخت قوم کے جہل اور حماقت کا یہ نشان ہے۔ کہ اپنی نفسانی خواہشات کے حاصل کرنے کے واسطے تمام عمر اپنے پریشان عقل کو حیلوں کی حاصل کرنیمیں استعمال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں خداوند کریم ہے اور اپنی مہربانی سے جو کچھ ہماری قسمت میں مقدر کیا ہے ہمارے حیلہ و حوالہ اور کوشش کے بغیر ہمیں پہنچا دیگا جب کوئی واعظ اور ناصح وعظ اور نصیحت سے کہے کہ سعادت اخروی کو حاصل کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خداوند کریم اور رحیم ہے دراصل ان بدبختوں نے حقانی عنایتوں کو شیطانی خواہشات کا تابع بنا لیا ہے اور عقول ملکی کو قوائے بہیمی اور درندوں کا شکار کردیا ہے۔ اس قوم کی مثال اسطرح ہے۔ کہ کسی مسلمان کو کافر کا قیدی بنایا جاوے۔ بلکہ یہ بدبخت ایسا ظالم ہے۔ جسنے خیانت اور ظلم سے اپنے ولی نعمت کے عزیزوں کو گرفتار کرا دیا ہے۔ اور اسکے دشمن کی موافقت اختیار کرلی۔ کیونکہ نفس اور خواہشات اللہ پاک کی درگاہ میں خلقت کے جانی دشمن ہیں۔ اور روئے زمین پر موجودات سے عقل نہایت پیاری چیز ہے جسنے یہہ کہا خوب کہا۔

گر سگ نفس تو بفرماں تست — پس یقیں داں کہ بہشت آں تست
دشمن تست ایں سگ وار سگ بتر — عشوۂ دشمن تو ازیں پس مخر
از جرس صبر برا ور غریو — بندۂ دیں باش نہ مزدور دیو
سر زہوا تافتن از سروریست — ترک ہوا قوت پیغمبریست

حالت سوم یہ ہے۔ کہ یہ جھگڑا جھگیڑا باطن سے بالکل دفع نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خواہشات نفسانی غالب ہوتی ہیں۔ اور دینی حمیت مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور کبھی دینی جوش اللہ کی مہربانی سے غالب آتا ہے اور خواہشات نفسانی مغلوب ہو جاتی ہیں۔ ایسا گروہ سلوک کے راہ کے میانہ روؤں سے ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ شیطان اور نفس اور شہوات نفسانی کے ساتھ جو دین کے دشمن ہیں جہاد کرتے ہیں۔ نہ تو انکو پوری فتح کی قوت ہوتی ہے۔ اور نہ اتنا حوصلہ پڑتا ہے کہ بدن کے شہر کو دین کے

دشمنوں کے حوالہ ہی کردیں۔ اور اس قوم کے حال سے مولےٰ پاک قرآن مجید میں خبر دیتے ہیں وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ ایک گروہ اہل سعادت سے اور راہ ارادت کے متوسطوں سے ہے جو مجاہدہ کے میدان میں نفسانی خواہشات کے ساتھ ملجاتے ہیں اور ساتھ ہی صفات نفسانی کے ظہور میں حقانی تعلقات کو ملاتے ہیں۔ اور عبادت کے تریاق کو گناہ کی زہر میں ملادیتے ہیں۔ اللہ جلشانہ انکی محنتوں کو رائگان نہیں جانے دیتے۔ اُنکو مہربانیوں کا مستحق بنادیتے ہیں۔ اور پروردگار کی عنایت اُن صابر مجاہدوں کو رحمت اور رضوان کے منازل پر فائز کردیتی ہے۔ غلبہ اور حمیت دینی کے واسطے بلحاظ ضعف اور قوت کے اوس قوم کیحالت دو صورتوں سے باہر نہیں ہوتی۔ اوّل یہ ہے کہ حمیت دینی نفسانی خواہشات کو مقہور اور منہزم کردیتی ہے۔ اور گناہوں کی تمام میل کو توبہ کا صابون لگاکر انکے وجود کے کپڑوں سے دہوڈالتی ہے۔ پھر جب نفس اپنی شیطانیت پر آجاتا ہے۔ اور غفلت چھاجاتی ہے۔ تو یہ موقعہ ابتلا کا آجاتا ہے۔ دوم حالت یہ ہے۔ کہ دینی غیرت فتحمندی کے وقت شیطانی گروہ کی بعض شہوات پر صبر کرسکتی ہے۔ اور انکے اکثر گناہوں کو چھوڑ جاتی ہے۔ اور بعض سے عاجز رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص زنا کو چھوڑ سکتا ہے۔ مگر شراب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یا دروغگوئی کو چھوڑ سکتا ہے۔ غیبت کی ترک نہیں کرسکتا۔ صابرین کے درجات کا فرق صبر کی قوت فعل و انفعال اور ضعف کے لحاظ پر ہے۔ کیونکہ آدمی کا خاصہ ہے۔ کہ وہ ہر کام میں صبر کا محتاج ہے۔ اور آدمی کے کاموں کی تقسیم دو قسم پر ہے یا وہ کام طاعت کا ہے یا معصیت کا۔ اور طاعت بھی دو قسم پر ہے فرض ہے یا نفل اور معصیت بھی دو قسم پر ہے۔ محظور ہے۔ یا مکروہ پس فرض پورا کرنے پر صبر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسا خطرناک معاصی پر بھی صبر کرنا امر ضروری ہے اور نوافل اور جائز اور ناجائز پر صبر کرنا۔ اسکا ہم رنگ ہوتا ہے۔ اور جو مکروہات اسکو پہنچتے ہیں ان پر صبر کرنا بھی مکروہات سے ہے۔ اور جو امر خطرناک صورت میں اسکو پہنچے۔ وہ محظور ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صبر کی قسم پانچ ہیں۔ فرض۔ نفل۔ مندوب۔ مکروہ اور محظور انمیں پہلی تین قسم محمود ہیں اور دو قسم اخیرہ مذموم ہیں جیسا کہ ایک بعد آدمی طاعت کی جانب بھی صبر کا محتاج ہے۔ ویسا ہی معصیت کی حالتمیں بھی اسکو صبر کی سخت ضرورت ہے۔ مگر یاد رکھو کہ مطیع کی

بندگانہ حالات تین قسم پر ہیں۔ اور ان تینوں حالتوں میں صبر کا پایا جانا ضروری ہے۔ حالت اول عمل سے پہلے ہوتی ہے۔ اسحالت میں بندہ صبر کا محتاج ہوتا ہے جس سے نیت صحیح اور اخلاص پیدا ہو اور شک و شبہوں کے دخل اور ریا سے صاف ہو۔ اور اخلاص پر ثابت قدم ہو۔ اس قسم کا صبر اہل کشف اور اہل تحقیق اور علمائے راسخ کے سوا جنہوں نے نیت کی حقیقت اور اخلاص اور ریا کے آفات اور نفس کے دہوکھوں پر اطلاع پائی ہوئی ہے۔ بہت مشکل ہے اسیواسطے محبوب رب العلمین نے تمام اعمال کی صحت کو نیت کی صحت پر موقوف رکھا ہے اور فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نوی یعنے ضرور ہوگہ اعمال کی بنیاد نیت ہی سے ہے۔ اور ہر ایک آدمی کو صدق نیت اور صدق اخلاص اور پورے ارادہ پر عمال کا ثمرہ ملیگا۔ اور جو اللہ تعالے نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوا وعملوا الصّٰلحٰت صبر کو عمل پر مقدم رکھا ہے۔ اسمیں یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ اس امر کو اعلے درجہ کی صحت حاصل ہے

حالت اول

حالت دوم عمل ہے۔ عامل کو اس حال میں صبر سے گریز نہیں۔ کیونکہ ارکان کی محافظت اور اُسکی شرائط اور آداب اور حضور دل کی ملازمت آخر عمل تک صبر سے پیدا ہوتی ہے۔ ایساہی آفات اور سستی اور ناجائز خواہشوں سے اخیر عمل تک بچنا بھی صبر سے ہی ہوتا ہے۔ اسصورت میں عامل کو صبر کی نہایت ہی ضرورت پڑتی ہے۔ اور الذین صبروا انعم اجر العاملین کی بشارت صابروں کے واسطے ہے۔ یعنے اس قسم کی جزا جو ہماری بارگاہ میں پسندیدہ ہے۔ اُن عاملوں کے حصہ میں آچکی ہے۔ جنہوں نے آداب کی محافظت اور اعمال کی شرائط کی ہمیشگی پر ختم ہونے تک عمل کیا۔ اسیواسطے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے التمام المعروف خیر من ابتداء یعنے کسی کام کا انجام پر پہنچانا اسکے شروع کرنے سے بہت اچھا ہوتا ہے

حالت دوم

حالت سوم۔ عمل سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ اور اس حال میں عامل صبر کا نہایت ہی محتاج ہے یعنی عجب کی آفت سے بچے اور اس عمل کو کوئی بڑا کام خیال نہ کرے۔ اور اُس عمل کو ظاہر بھی نہ کرے جسمیں ریا اور دکھلاوا پایا جاتا ہو۔ اور اسکے ظاہر کرنے سے نفس کی محافظت کرے۔ کیونکہ عبادت کا ظاہر کرنا اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور افسوس اور حیرت کا باعث ہوجاتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے

حالت سوم

روایت ہی کہ ریاکار عابدوں کو اللہ جلشانہ قیامت کے دن فرماوینگے۔ کہ تم وہی شخص ہو۔ جو دنیا میں ہماری عبادت کو حصول اغراض اور مطالب دنیوی کا حیلہ ٹھیراتے تھے۔ اور اسکے ذریعہ خلقت سی چاہتے تھے کہ ہمیں سلام کریں اور تمہاری تعریف اور صفت کریں۔ چنانچہ اسی ڈہنگ سے تمہاری دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ پس تمنے تو اپنی عبادت کا اجر دنیا میں لے لیا ہے۔ آج یہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں چلے جاؤ

قسم دوم بندہ کے فعال سے معاصی ہے۔ اس قسم میں جسقدر بندہ کو صبر کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ گناہوں کے اُٹھانے والی خواہشات پر صبر کرنا۔ اور نفسانی خواہشات کے دفعیہ میں ثابت قدم رہنا بڑے بہادروں کاملوں اور پورے محققوں اولیاؤں کا کام ہے۔ چنانچہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مہاجر وہ شخص ہے۔ جو فعال اور اقوال ناشائستہ سے مہجور ہوجاوے۔ اور مجاہد وہ شخص ہے کہ جسکا دل دینی حمیت کے فتح اور شیطانی لشکر کی شکست میں خوش ہو۔ اس قسم کا صبر فرض ہی۔ اور جو عادت پرانی ہوگئی ہے۔ اسپر صبر کرنا یا اس کو ہٹانا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اور صبر کی نہایت مشکل مقامات سے ہی کیونکہ حکیموں کا قول ہی کہ عادت خامسہ طبیعت ہوجاتی ہے۔

جب اس قسم کی عادت کے پاس شہوت آجاتی ہے۔ تو اس اجتماع سے شیطان بہت ہی خوش ہوتا ہے۔ اور حمیت دینی اور غیرت ایمانی جسکو ہم حزب اللہ کہتے ہیں اسکے استیصال سے بالکل عاجز رہ جاتی ہے۔ یا ایک معتادہ معصیت کے اسباب جو شہوت کے قریب قریب ہیں تیار ہوجاتے ہیں یا انکے استعمال سے نفس کو ایک سرسری بات معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً غیبت یا دروغ۔ یا چغلخوری۔ اس قسم کے معاصی سے صدیقوں کے سوا۔ اور کوئی صبر نہیں کرسکتا۔ ان گناہوں سے بڑا بھاری گناہ غیبت ہے۔ اور اہل غفلت کو اسمیں دو خطرے ہیں۔ ایک تو غیر کی نفی کرتا یعنے حقارت سے دیکھنا ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اچھا جاننا ہے۔ یہ دو خوشیاں جو طبیعت میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان سی زبان کو غیبت پر حرکت کرنا آہستہ آہستہ وہ عادت میں داخل ہوجاتی ہے۔ پھر یہ نوبت آجاتی ہے کہ اس سی صبر کرنا امر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اہل ہوا کے نزدیک اسکی برائی یا قباحت معدوم سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اسکی طرف زیادہ شغل ہوجاتا ہے۔ اور تکرار کی کثرت ہوجاتی ہے۔

قاریوں اور مولویوں اور حافظوں اور عالموں کی مجلس میں اگر کوئی شخص ریشمی کپڑا پہنکر آوے۔ اسکو بچشم حقارت دیکھتے ہیں۔ اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ غیبت اور چغلخوری اکثر اوقات انکی مجلس کی زینت ہوتی ہے۔ اور پھر طرہ یہ کہ اسکو برا نہیں سمجھتے۔ اور انکار نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الغیبة اشد من الزنا جو شخص اپنی زبان کو غیبت اور جھوٹ سے نہ بچا سکے۔ اور سکوت پر صبر بھی نہ کر سکے اسپر تجرید اور عزلت اختیار کرنی واجب ہوتی ہے کیونکہ تنہائی اور گوشہ کی وحشت پر صبر کرنا مخالطت کی سکوت سے بہت آسان ہے اور گوشہ وحشت پر صبر کرنا دوزخ کی آگ پر صبر کرنے سے آسان ہے اور زبان کی گہ کے نقصان سے افکار ردی اور باطلہ خیالات پر صبر کرنا بہت آسان ہے۔ اور یہ آفت گوشہ نشینی سے بھی بند نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوتی ہے۔ قوت یقین کے سوائے اس سے صبر نہیں ہو سکتا امور دینی کا ایسا اہتمام دل پر غالب ہوتا ہے۔ کہ اس برائی کا مانع ہو جاتا ہے۔ یا ہدایت کی کشش کی ایک خاص کشش یا عنایت الٰہی کی عنایتوں سے خاص عنایت ایسی نمودار ہوتی ہے کہ اسکو حیرت اور حیرانی کے دریا میں غرق کر دیتی ہے۔ بوجہ استغراق کے اس حال کی اسکو مطلق پرواہ نہیں ہوتی اسحالت میں صبر کرنا فرض ہوتا ہے۔

اور صبر محظور وہ ہے جو ایک محظور حالت میں نمودار ہو مثلاً ایک بدمعاش کسی کی عورت سے صحبت کر رہا ہے۔ اور عورت کا خاوند یہ معاملہ دیکھکر خاموش ہے یا کوئی ظالم کسی ضعیف کو ناحق ستاتا ہے اور وہ باوجود اس طاقت کے کہ اسکو روک سکے چپ رہ کر کوئی تادیبانہ کارروائی کرتا ہے۔ اور اس شخص کے ظلم اور بد افعالی پر صبر کرتا ہے۔ اسحالت کا صبر کرنا درحقیقت معاصی کا ارتکاب ہے۔ کیونکہ اس شخص پر لازم تھا۔ کہ جبکہ شرع کی مخالفت اور منازعت شروع ہوئی۔ اُسپر صبر نہ کرتا۔ صابر کا مقام صبر ہر حال میں شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اور اگر صبر مطابق شرع ہو۔ تو وہ صبر ایمان کا نصف ہوتا ہے۔

العزیز جاننا چاہیئے۔ کہ آدمی پر جو کچھ اس حیات مستعار میں پہنچتا ہے دو حال سے باہر نہیں ہوتا یا تو اسکے نفس کے لیئے مرغوب ہوتا ہے یا مکروہ۔ اور آدمی ان دو حالتوں میں صبر سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ قسم اول جو اسکے نفس کے لیئے مرغوب ہے۔ مثلاً صحت سلامتی۔ مال اور مرتبہ۔ اور کثرت اتباع و اسباب

وغیرہ ہر ایک حال میں آدمی صبر کا محتاج ہے۔ اور اگر انسان کے نفس کی باگ چھوڑ دی جاوے۔ اور اسکی خواہشات کے گھوڑے کو مراد کے میدان میں چھوڑ دیا جاوے۔ اور مباحات میں وہ شاغل ہوجاوے۔ اور لذات مختلفہ کے حاصل کرنے کی اسکو اجازت دیجاوے تو اسکا نفس سرکشی اور نافرمانی کا عادی ہوجاتا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى بعض اہل معرفت کا قول ہے کہ مومن ہر بلا پر صبر کرسکتا ہے کہتے ہیں۔ کہ جب عراق اور شام اور مصر کا ملک فتح ہوگیا۔ اور صحابہ ہر ولایت میں امیر بنگئے۔ تو یہ کہتے تھے۔ کہ ہم فقر اور فاقہ کی بلا میں مبتلا تھے۔ اُن مصائب پر تو ہمنے صبر کیا۔ اب ہم خوشی کی بلا میں گرفتار ہوگئے ہیں۔ اسپر ہم صبر نہیں کرسکتے۔ اسلیئے اس مولا پاک نے اپنے بندوں کو مال اور فرزندوں کی آفات سے بچنے کا حکم فرمایا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنے وہ دن نہ آجاویں۔ کہ فرزندوں اور مال کی محبت تمکو پروردگار کی محبت سے ہٹا دیوے۔ اور مولا کریم کی محبت ہی سعادت کے دروازوں کی کلید اور درجات کے اندھیرے رستوں کی لالٹین ہے۔ جب بہت سے آدمی اس آفت میں مبتلا ہوگئے۔ مولا پاک کی سابقہ عنایت نے انکو جھون جھون کر جگا دیا۔ کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ مال اور حرص نے تمکو مولا کی یاد سے ایسا بھلایا اور اپنی طرف ایسا مشغول کیا۔ کہ تم قبر کے کنارہ پر پہنچ گئے ہو۔ افسوس کہ تم اب جاگے۔ یہ جاگنا تمکو پہلے چاہیئے تھا تاکہ تم راہ سعادت کی راہ نمائی کے لائق ہوجاتے۔

پس فی الحقیقت مرد تو اُسکو کہنا چاہیئے۔ کہ دنیائے فانی کی کھیل اسکو لڑکوں کیطرح محو نہ کردے اور سپہد اور حکمرانی کی نعمت کو نافرمانی کا سرمایہ نہ بنالے۔ اور خوشی اور شادمانی کے دھوکوں سے اپنے آپ کو نافرمانی کے ناپیداکنار جنگل میں نہ دھکیل دے۔ اور آرام کے حال میں حدود شرعی کی محافظت۔ اور کثرت مال پر اعتبار نہ کرے۔ اور دنیا کے سراب پر فریفتہ نہ ہوجاوے۔ اور فانی لذات کیطرف توجہ نہ کرے۔ اور دل سے یقیناً جانے کہ جو کچھ دنیوی اسباب سے میرے پاس ہے سب کا سب عاریتی ہے۔ اور وہ زمانہ بہت قریب آنے والا ہے کہ قضا کے موکل اس عاریتی اسباب کو میرے ہاتھ سے گھسوٹ لینگے۔ اور

اور واپس لیجانے کے بعد مفارقت کے عذاب میں ڈالدینگے۔ یا اسکے قطع تعلق سے دولت ابدیہ تک پہنچا دینگے۔ اس بشارت کا شربت وہ شخص پینے کا مستحق ہے جو مولا پاک کے حقوق کا بوجھ اُٹھائے اور مال کو فی سبیل اللہ خرچ کرے۔ اور عادت کو باخلق رکھے اور زبان پر سچی نصیحت اور دلمیں حقیقت کا فہم رکھے۔ الغرض آرام میں صبر کرنا۔ بہ نسبت فقر فاقہ کے صبر سے زیادہ مشکل ہے۔ تم نہیں دیکھتے۔ کہ فقر اور فاقہ اور بالکل بے سامانی کی حالتمیں صبر کرنا۔ کھانوں کے موجود ہونے کی حالت میں صبر کرنے سے آسان ہے۔ اسلیئے ارباب قلوب نے فرمایا ہے کہ عصمت بی بی بود بے چادری۔ ومن العصمۃ ان لا تقدر

قسم دوم جو نفس کا مکروہ ہے خواہ امور کے حوادث سے ہو دو قسم پر ہے۔ قسم اول وہ ہے کہ بندہ کے اختیار کے متعلق ہو۔ مثلاً عبادات اور معاصی جبکا ذکر کیا گیا ہے۔ قسم دوم مصائب اور سختیاں ہیں۔ یہہ بھی دو قسم پر۔ پہلا یہہ ہے۔ کہ ابتدا میں بندہ کا اختیار نہیں ہوتا۔ لیکن جب واقع ہو جاتا ہے۔ اسکے دفع کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ مثلاً قدرت اور طاقت کی حالت میں ظالم کو معاف کرنا۔ اور موذی سے بدلہ نہ لینا قسم دوسرا یہ ہے کہ بندہ کا اختیار اول اور آخر میں نہیں ہوتا۔ مثلاً امراض اور درد۔ او نفسی تکالیف۔ اور جسمی اور مالی نقصان ہو مگر پہلا قسم کہ اسکے وقوع پر اختیار نہیں۔ مگر مٹانے کے وقت اختیار ہوتا ہے چنانچہ ایک شخص کو دوسری کی نسبت نفسی یا فعلی یا مالی نقصان کرے۔ یا دشنام گالی گلوچ سے اوسکو ستاوے اس صورت میں مکافات کو چھوڑنا کبھی تو واجب ہوتا ہے۔ اور کبھی باعث ثواب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ گناہ کرنیوالا باپ ہو یا استاد یا مالک ہو۔ اسموقعہ پر درگذر کرنا واجب ہے۔ دوسری صورت میں اسکا معاف کرنا ہی ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ برائی کرنیوالا اسکے برابر ہو یا کم درجہ اسلیئے اللہ تعالے اپنے حبیب کو فرماتے ہیں۔ وَاصْبِرْ علے ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا کہتے ہیں کہ رسول علیہ السلام ایک دفعہ غنیمت کا مال تقسیم کر رہے تھے۔ ایک عرب نے کھڑا ہو کر کہا۔ کہ یہ جو تقسیم ہو رہی ہے خدا کے حکم اور مرضی کے مطابق نہیں۔ رسول علیہ السلام نے سنا اور آپ کا رخسارہ مبارک سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا کہ اللہ کی رحمت میری بھائی موسے پر ہو۔ کہ امت نے انکو ستایا۔ ور آپنے صبر کیا۔

اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے تھے۔ کہ جو شخص خلقت کی ایذا پر صبر نہیں کرتا ہم اسکے ایمان کو

ایمان کامل نہیں سمجھتے۔ جب جبرئیل علیہ السلام رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر نیک خلقوں کی تحریص کرتے تھے رسول علیہ السلام نے سوال کیا کہ جامع مکارم اخلاق کسکو کہتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو تجھسے آپ قطع کرے آپ اُسکے ساتھ وصل کریں اور جو شخص تجھکو کسی چیز سے محروم کرے۔ آپ اسکو مہربانی اور عطا سے ملیں۔ اور جو شخص آپ پر ظلم کرے آپ اسکو عفو کی مہربانی سے معاف کرے۔

قسم دوم مصائب اور تکالیف کے بارہ میں ہے۔ جسمیں صبر کرنا خواہ اول ہو یا آخر ہو بندہ کے اختیار میں ہو۔ جیسا اولاد اور دوستوں کا مرنا اور مال کا تباہ ہونا اور صحت کا ہٹ جانا بہت سی بیماریوں سے اُن سب پر صبر کرنا اعلے مقامات اور ارفع درجات سے ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ صبر کرنا قرآن مجید میں تین قسم پر آیا ہے۔ پہلا فرضوں کے ادا کرنیمیں صبر کرنا۔ اس صابر کو تین سو گنا درجہ ملتا ہے۔ دوسرا محارم سے صبر کرنا اس صابر کو چھ سو تک درجہ نصیب ہوتے ہیں۔ تیسرا صدمہ پر اسوقت صبر کرنا جبوقت صدمہ واقع ہو۔ اس صابر کو سات سو تک درجہ ملتا ہے۔ اس درجہ کا فضل فرائض کے مدارج پر اسلیئے ہے کہ ہر ایک مسلمان فرائض کے ادا کرنے اور محارم کے اجتناب کرنے سے صبر کر سکتا ہے۔ لیکن مصائب کے واقعہ ہونے کے پہلے صدمہ پہ صبر کرنا ارباب یقین اور قوی حوصلہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور اہل تمکین کے تصرف کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا اسلیئے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم دعا میں ہمیشہ یہ پڑھا کرتے تھے۔ ای اللہ میں درگاہ سے یقین مانگتا ہوں۔ تاکہ یقین کی قوت سے دنیا کے مصائب مجھ پر آسان ہو جاوینگے۔ اور رسول علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ مولا پاک فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم کسی بندہ کو بلامیں مبتلا کرتے ہیں۔ اور وہ بندہ صبر کو اختیار کرتا ہے۔ اور کسی بندہ کے پاس ہماری شکایت نہیں کرتا۔ ہم اپنے فضل سے اسکے ظاہری گوشت کی بجائے باطنی گوشت پیدا کرتے ہیں۔ اور جسمانی خون کی جگہ روحانی خون جاری کر دیتے ہیں۔ پس جب ہم اسکو شفا دیتے ہیں۔ گناہوں کے غبار کی میل اسکی ہمت کے دامن سے جھاڑ دیتے ہیں۔ اگر وہ اسی بیماری میں مر بھی جاوے۔ تو اسکو روح اور رضوان کے پاس بھیجدیتے ہیں۔

روایت ہے کہ داؤد پیغمبر علیہ السلام نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ جو شخص غمزدہ۔ غریب غمناک دل اور پرسوز باطن اور پرصدمات تن آپکی رضا کی وفا پر صبر کرے اسکی جزا کیا ہے۔ حق جل وعلا نے فرمایا۔ کہ اُس بندہ کا عوض یہ ہے کہ اس سلیم دل کو ہم ایمان کی خلعت پہناتے ہیں۔ اور اس نعمت کا انعام اس سے ہم کبھی واپس نہیں لیتے۔

ایعزیز مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا تین درجہ رکھتا ہے۔ درجہ اول یہ ہے۔ گو صابر کی طبیعت نفس مصیبت کو برا سمجھتی ہو۔ مگر باایں ہمہ کپڑوں کا پھاڑنا اور رخساروں کا نوچنا اور رونا و پیٹنا اور شکوہ کا اظہار نہ کرنا اور لباس اور فرش اور کھانوں میں عادت کے برخلاف نہ کرنا۔ اور مصیبت کے اظہار کی علامت سے دوسروں سے متمیز نہ بننا۔ جب اسنے ان کاموں کی رعایت کی جنکا اسکو اختیار ہے۔ صرف اتنی ہی کراہت کی جسپر اسکا اختیار نہیں تھا۔ صابرین کے دفتر سے اسکا نام قلمزن نہیں کیا جاتا۔

نقل صحیح ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم نے وفات پائی تو رسول اللہ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی چشم غمگین سے فراق کے آنسو ٹپکنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپنے ہمکو ایسی صورت سے منع نہیں فرمایا ہے؟ آپنے فرمایا کہ یہ خدا کی رحمت کا نشان ہے۔ جسکے آثار دل اور آنکھوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور رحمانی رحمت کے آثار وہی معلوم کرتے ہیں جو صفات رحمانی سے موصوف ہوتے ہیں۔

درجہ دوم یہ ہے کہ صابر اُن نعمتوں کا خیال کرے جنکا اللہ تعالے نے صبر کے مقابلہ میں وعدہ فرمایا ہے اور اس صاف نعمت اور دولت باقی کی امید دلائی ہے۔ اور اس محنت حقیر کو ایک عظیم الشان غیر محدود نعمت کے ساتھ نسبت دے۔ جب اسکو چشم یقین سے اور دل مطمئن سے اس ثواب عظیم اور اجر کریم کا یقین کامل ہوجاویگا۔ اور نعمت جسمانی اور راحت نفسانی کے سلب ہوجانے پر راضی ہوگا تو مولا پاک اسکا درجہ صابرین میں جلی قلم اور موٹی حروف سے لکھاوینگے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی ایکسنے قیمت کوڑی الحال کسی کو دی۔ اور اس سے ایک بیش بہا شاہوار موتی حاصل کرے۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ جب اسکو یقین کامل ہے۔ کہ مجھے ضرور گراں قیمت موتی ملیگا۔ تو کوڑی دینے میں اسکو ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔

درجہ سوم صبر کا یہ ہے۔ کہ ازلی عنایات کا آفتاب بندہ کے وجود کے ذرہ کو خصوصیت کی چمکار و
سے منور کردے۔ اور لباس مجازی کو چادر کو غیرت کا سنتری اسکے سر سے اٹھالے۔ اور غیرت کی لہریں
اسکے شہوات کے قطروں کو اور لذات کی بوندوں کو ارادت کے دریا میں ملاویں۔ اور ہدایت کی دلیل
محبت کی شیشہ کو اسکی آنکھوں کے مقابل ہمیشہ ہی رکھے۔ اور وہ اس شیشہ میں ہمیشہ جلوہ محبوب کا دیدار
کرتا رہے۔ اور مرادات نفسانی کدورات سے بچتا رہے۔ اور محبوب کی مراد اپنی ہی مراد سمجھے اور ہر حادثہ کی
صفحہ پر سر (کل ما یفعل المحبوب محبوب) کا مطالعہ کرے۔ یہ حال جو ہمنے بیان کیا ہے۔ صدیقوں
کے حال سے بہت ہی تھوڑا سا حال ہے۔ زاہدان کامل اور طالبان صادق کے پاس دشمن دین کے دفع کرنے
کے واسطے اوقات کے مراقبہ اور طاعات کی محافظت پر صبر کرنے جیسا اور کوئی ہتھیار نہیں۔ وساوس
شیطانی اور خواہشات نفسانی کا موجود ہونا دل میں اس قسم کا ہے۔ جیسا کہ ہوا برتن میں ہوتی ہے
کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب برتن پانی سے پُر ہوتا ہے۔ ہوا کا دخل اسمیں نہیں ہو سکتا۔ ہاں جسقدر برتن پانی
سے خالی ہوتا جاوے۔ اسیقدر ہوا کا دخل اس میں ہوتا جاتا ہے اور یہ دخل بے توقف اور فوراً ہوتا جاتا
ہے۔ ایسا ہی جو دل معارف ربانی سے بھرپور ہے۔ شیطانی وساوس کا اسمیں دخل نہیں ہوتا۔ معارف
دینیہ کی غفلت شیطانی گھڑدوڑ کا میدان ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن یعش عن ذکر
الرحمٰن نقیض لہٗ شیطانا وھو لہٗ قرین کہ جو شخص ہماری یاد سے ایکدم ہی دور جا پڑتا ہے اور
اپنے نفس کو مطلق العنان کر دیتا ہے۔ ہماری جلالیت کی عزت شیطان کو اسپر مسلط کر دیتی ہے۔
یہانتک کہ وہ اسکو دوری کے میدان میں غفلت کا پابستہ کر دیتا ہے اور بدبختی اور سیاہ روئی کے خاک
اُسکے سر پر ڈالتا ہے اور کم بختی کا مینہ اسپر موسلادھار برستا ہے۔ اسواسطے رسول علیہ السلام نے فرمایا
ہے ان اللہ یبغض الشاب الفارغ اللہ تعالیٰ فارغ جوان کو بُرا جانتا ہے۔ کیونکہ جوان کا دل
فراغت کی باعث دین کی حمیت سے برکنار ہو جاتا ہے۔ اور قرناء شیطان کا تصرف خواری کی آخیر
تک اُس کو پہنچا دیتا ہے

نقل ہے کہ حسین منصور حلاج جب سولی پر چڑھنے لگا تو کسی شخص نے اس سے دریافت کیا کہ ما التصوف کہا ھی اضعف نفسک

اِنْ لَمْ تَشْتَغِلْهَا شَغَلَتْكَ اگر تو اپنے نفس کو کار خیر میں نہ لگائے گا تو وہ تجھے برے کام کیطرف مشغول کرلیگا۔ پس اچھا اور کامل صابر وہ ہے کہ جو برا کام ہے اس سے صبر کرے۔ اور جو حرکت محمود ہے اسپر بھی صبر کرے۔ حرکت محمود دو نوع پر ہے۔ ایک ظاہری دوم باطنی حرکت باطنی پر صبر کرنا بہت اچھا ہے کیونکہ حرکت باطنی پر صبر کرنا گویا ایک مقیم لشکر پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور حرکت ظاہری پر صبر کرنا ایک چلنتو گروہ پر حملہ لانا ہے۔ باطنی صبر ایسا صبر ہے کہ جبتک روح بدن سے مفارقت نہیں کرتی یہہ بھی علیحدہ نہیں ہوتا۔ طالبان کمال کی سواری پر حال میں صبر کے سوا اور کوئی نہیں۔ لیکن زمانہ کے الٹ پھیر اور مکانوں کے ادل بدل سے اسکا حال بدل جاتا ہے۔ اور اس صفت کا نام حال کے اختلاف پر مختلف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک اختلاف پر اسکا نام کچھ اور ہی رکھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر مصائب ظاہریہ پر صبر ہو تو اسکو صبر کہتے ہیں اور اسکا اصلی نام ہی رہنے دیتے ہیں۔ اگر بطن اور فرج کی شہوت پر صبر ہو اسکو عفت کہتے ہیں۔ اگر غیر سے برداشت کیجاوے اور بردباری سے کام لیاجاوے۔ اسکو ضبط نفس کہتے ہیں۔ اور حالت مخالفہ میں نظر یعنے بے تحملی کا نام سے پکارا جاتا ہے۔ اگر لڑائی اور مقاتلہ کے میدان میں صبر کیاجاوے تو اسکو شجاعت کہتے ہیں۔ ورنہ جبن یعنے نامردی سے نامزد ہوتا ہے۔ اگر غصہ لے جانے میں ہو تو اسکو حلم کہتے ہیں۔ ورنہ تہتک کہلاتا ہے جسکو پردہ دری بھی کہتے ہیں۔ اگر زمانہ کے تکالیف کے نزول کے وقت حوصلہ کیاجاوے اسکو سعت صدر یعنے عالی حوصلہ کہتے ہیں ورنہ ضجر یعنے بددلی ہوتی ہے۔ اگر بات کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں ہو اسکو کتمان سر کہتے ہیں۔ ورنہ اذاعت کہلاتا ہے جسکو آشکارا کرنا بولتے ہیں۔ اگر فضول مال کے حاصل کرنے پر صبر ہو اسکو زہد کہتے ہیں۔ ورنہ حرص سے موسوم ہوتا ہے۔ اگر تھوڑی خوشی پر صبر کیا جاوے تو اسکو قناعت کہتے ہیں۔ ورنہ شرہ اور حرص سے پکارا جاتا ہے۔ جب عارف نظر بصیرت سے تامل کرے تو ایمان کے بہت سے باب اس صفت میں شامل ہوجاتے ہیں۔ رسول علیہ السلام سے ایکدفعہ کسی نے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا صبر ہے کیونکہ اسکی حقیقت ایمان کی بہت سے صفات اور اخلاق پر متضمن ہے۔ اور ایک گروہ راہ سعادت کی منزلوں کے سیر سے رہ گیا صرف اسلیئے کہ نفسانی جذبات اور لذات جسمانی کے غلبہ میں پھنس کر اس صفت

کی دستگیری سے غافل ہوگیا۔ اور انکی ملازمت اور حاضر باشی کی کمی ہی قطع اور برید اور جدائی کا باعث ہوگئی اور علم اور عمل کی ترکیب یافتہ معجون سے اس بیماری کا علاج نہ کرسکا۔ اور صبر کی تحقیق کے بانع بیماریوں کے اقسام بہت سے ہیں۔ چونکہ اس بیماری کا مادہ مختلف طور پر ہوتا ہے۔ اسواسطے اسکا علاج بھی مختلف اقسام پر ہے۔ مثلاً ایک شخص ہے اسکو خواہش جماع کی زیادہ ہے اور اس شہوت کا غلبہ طاعتوں پر صبر کرنے کا مانع ہوتا ہے اور اسکو گھسیٹ کر معاصی کیطرف لیجاتا ہے۔ ایسا آدمی اس شہوت کی ضعیف کرنے اور بالکل گنوا دینے کیواسطے پانچ چیزوں کا محتاج ہے جسمیں سے تین تو شہوت کو ضعیف کرنیکو واسطے ضروری ہیں اور وہ صبر کی تقویت کیواسطے۔ اور جو تین قوت شہوت کو ضعیف کرنیکا تعلق رکھتی ہیں انمیں سے پہلی یہ ہے کہ اسکے قوت کے مادہ میں نظر کرے یعنی کھانا اور اندیشہ کو جو شہوت کے محرک ہیں سامنے نلاوے۔ انکا علاج ہمیشہ روزہ رکھنا۔ اور افطار کے وقت سد رمق کھانا ہوتا ہے۔ تاکہ اسکے مادہ کا زور ٹوٹ جاوے۔ دوسرا یہ ہے کہ اُس مادہ کے اسباب کو قطع کرے جو شہوت پر تیار کرتا ہے شہوت کو برانگیختہ کرنے والی سب سے زیادہ نظر ہے۔ جو بلا ارادہ بھی شکار کرلیتی ہے۔ کیونکہ نظر دل کی محرک ہے اسکا علاج یہہ ہے۔ کہ ہمیشہ کی گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اور خوبصورت شکلوں سے نظر کو بچاتا رہے۔ اسیواسطے رسول اکرم نے فرمایا ہے النظر سہم مسموم من سہام ابلیس یعنے دیکھنا شیطانی تیروں سے زہر آلودہ تیر ہے۔ اور یہ ایسا تیر ہے کہ اسکی ڈھال کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ ہاں اگر نظر کی محافظت گوشہ نشینی اور تنہائی سے کیجاوے تو بہت عمدہ بات ہے۔ مگر اسکا حصول پیر کامل کے بغیر ناممکن ہے تیسرا یہ ہے کہ اگر نفس کو تھوڑی سی چیز مباح ملجاوے تو اسپر ہی صبر کرے۔ اکثر خلقت کے حق میں یہہ معالجہ بہت ہی مفید پڑتا ہے۔ کیونکہ اکثر مزاجوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ کہ غذا کے کم کرنے سے دبلے اور کمزور ہوجاتی ہیں۔ اور عبادت سے بھی رہ جاتی ہیں۔ اور باوصف اسباب کے بھی شہوت کا مادہ منقطع نہیں ہوتا۔ رسول علیہ السلام نے اسکا علاج مقدم رکھا ہے علیکم بالباہ فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم لغت میں باہ کے معنے جماع کے ہیں جس سے نکاح مراد ہے۔ آپنے فرمایا ہے کہ تم پر نہایت ضروری ہے کہ نکاح کرو۔ اور اسکے ذریعہ اپنے نفس کو فنا سے بچالو۔ اگر یہہ نہیں کرسکتے تو روزے رکھو۔ پس معالجہ اول یہی ہے کہ سرکش جانور سے اول چارہ کی کمی کرنی چاہیئے۔ تا

کمی چارہ سے اسکی منی کم ہو جاوے۔ معالجہ دوم یہہ ہے کہ دانہ اور چارہ کو پوشیدہ رکھا جاوے۔ تاکہ وہ دیکھکر بیقرار نہ ہو۔ اور معالجہ سوم یہہ ہے۔ کہ چارہ صرف اتنا ہی دینا چاہیئے۔ کہ اسکی قوت سے صرف تادیب پر ہی صبر کر سکے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ حمیت دینی کی تقویت دو نوع پر ہوتی ہے۔ ایک تو نفس کو عفت اور تقوے اور انجام کی خوبیوں کی ترغیب دیجاوے۔ جو دین اور دنیا میں کام آویں۔ یہ بات کثرت غور اور فکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ غور اس طرح سے حاصل ہوتا ہے کہ صبر کے فضائل میں جو اخبار اور آثار وارد ہوئے ہیں انکو پڑھے۔ اور صابروں کے درجات اور اکابرین امت کے مناقبوں میں جو لکھا گیا ہے۔ غور سے دیکھے۔ اور یہہ بھی دیکھے کہ صلحا اور اتقیا اور خلفائے راشدین نے چند یوم ہی طاعت پر مواظبت کی اور بلیات کی سختیوں پر صبر کیا۔ اور اسکے ذریعہ بادشاہی ابدی اور نعیم سرمدی میں کامیاب ہو گئے۔ اور انکے حالات کی خوبیاں اور انکے کمالات کے آثار جہان اور جہانیوں کی ہدایت کا باعث ٹھیرے۔ اور یہہ بھی خیال کرے کہ غافل جبار اور ہوا پرست تیرہ روزگار کچھ تھوڑے سے دن شیطانی دھوکھوں اور نفسانی خباثتوں میں الجھ گئے۔ اور لذات کے سرور اور شہوات کے حصول میں مغرور ہو گئے۔ آخرکار اجل کے ہاتھ نے فنا کی تلوار سے اُن بدبختوں کا خون گرا دیا اور بلا کی چھلنی سے حسرت اور بدبختی کی خاک انکے سر پہ چھائی گئی ہے۔ اور غیرت جبار نے ان خدائی خواروں کو خواری اور جدائی کا شربت پلا دیا۔ اور قہاری دبدبہ نے اُن غافلوں کے حالات کو جہان کی عبرت بنایا۔ جب دین کی سعادت کا طالب ایسی باتوں پر نظر کرے تو دینی حمیت ضرور ہی قوی ہو جاتی ہے۔ لیکن اسکا معاون پیر کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔

نوع دوم یہہ ہے کہ دینی حمیت (جسکو صبر کہتے ہیں) آہستہ آہستہ طمع نفسانی کے مقابلہ پر جنگ میں تازہ دم ہو اور لذات کے غلبہ کے وقت فتحمندی کا شربت پلائے کیونکہ سخت کاموں پہ ہمیشگی کرنا۔ اور خوفناک کاموں کے کرنے پر دلیری کرنا قوت اور شجاعت کا کام ہے۔ یہی باعث ہے کہ حمالوں اور تیر گروں کی قوت صلحا اور فقہا کی قوت سے کتنے گنا زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس گروہ کی قوت ہمیشہ کرنے کے واسطے قوی ہو گئی ہے۔ اور یہ امر اکثر بیماریوں کا مانع ہوتا ہے۔ اور حرکات

ظاہر ہے بھی صبر کا رنگ چمک نکلتا ہے۔

لیکن حرکات باطنی جس سے نفس کی بھڑک اور دل کا جولان مراد ہے۔ جبکا ماضی گم ہوجاتا ہی اور مستقبل غیر حاصل ہے جو ان کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حرف زمانہ کی تضیع اور دل کے آئینہ کو دہندلا کرنا ہوتا ہے۔ اور کمالیت کے حصول کا وسیلہ دل کا جوہر ہے۔ اور اسکا اسباب اسکی عمر ہے۔ دل کے جوہر کے واسطے انفاس سے ہر ایک دم میں خاصیت ہے۔ اور عمر اسرار کا ایک سر ہے۔ اللہ جلشانہ کی صمدیت کے صفات تامل اور تفکر سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ جو دولتخانہ ابدی کے دروازہ کی کلید اور سلطنت سرمدی کی مفتاح بنجاتے ہیں۔ جو کوئی شخص اس جوہر کو نفسانی خواہشات کے غبار اور شہوات جسمانی کے آثار سے تیرہ و تار کرلیتا ہے۔ اس سعادت کے حصول سے بالکل محروم رہ جاتا ہے۔ جسمیں غبن بیجایت اور حزن بے نہایت پیدا ہوتا ہے۔ پھر تو اس آفت سے خلاصی پانا غیر ممکن بلکہ محال ہاں اگر تنہائی اختیار کیجاوے۔ یا محاسبہ انفاس اور اوقات کی پابندی ہو۔ اور نفحات کے آثار کا دہیان ہر دم رہے۔ اور اہل اور فرزند سے تنہائی اور علاقہ کو قطع کیا جاوے۔ اور جاہ اور مال کو ترک کیا جاوے اور بھائی بہنوں کو چہوڑا جاوے۔ اور قریبیوں اور رشتہ داروں سے مونہ موڑا جاوے۔ اور اہل زمانہ سے کسی کونہ مین چھپکر بیٹھ رہے۔ اور قوت لایموت پر ہی اکتفا کیا جاوے۔ اور حی لایموت کے ذکر کا انتظام کیا جاوے۔ اور پیر کامل کا دامن پکڑا جاوے۔ تو امید ہوسکتی ہے۔ کما اخبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ ضمان السکوت ولزوم البیوت والقناعة بالقلوب۔ والتوکل علے الملک الحی الذی لایموت۔ جب دوام ذکر کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو باطن کا سیر زمین اور آسمان کے ملکوت میں ہوجاتا ہے اور اس دنیا کے صفحوں پر اللہ جلشانہ کے قدرت کے اسرار اور عجائب صنعتوں کا مشاہدہ اور ملائکہ و انس اور جنوں کے درجات کے حقائق پر اطلاع ہوجاتی ہے۔ جب اس فتح کا جمال سامنے آجاتا ہے۔ اور سعادت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ان معانی کے انوار سے نفسانی تخیلات بالکل معدوم ہوجاتے ہیں۔ اور شیطانی وسوسات کا لشکر دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ اور الطاف ربانی کی نسیم نہایت خوش آرائی سے بخشش کے گلزار میں چلنے لگتی ہے۔ اور حقائق کے نورانی بجلی کی چمک سالک کی بصیرت کو انفاس رحمانی کے تجلیات کے پڑنے سے بینا کر دیتی ہے۔ اور دل کا

باغ ارادت اور اشارات کے خوشبودار پھولوں سے مہک جاتا ہے۔ اور یقین کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی طمع نفسانی کی اُبلتی دیگ کو بالکل ٹھنڈا اور سرد کر دیتا ہے۔ اور تسکین کے بادل کا سایہ نفس امارہ کو مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ اور انوار ملکیہ کا نزول خواہشات نفسانی کو روحانیت کا لباس پہنا دیتا ہے۔ ان حالات کا ظہور اور ان سعادات کا بروز اُسوقت ہوتا ہے۔ جبکہ الٰہی عنایت کی توفیق شامل حال ہو۔ گویا یہ موقعہ ایسا ہے۔ کہ شکاری کو شکار مل گیا یا لوٹنے والے کو مال غنیمت ہاتھ لگ گیا۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عنایت کا زیادہ یا کم ملنا قسمت کے اندازہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ سعی اور کوشش بہت کیجاتی ہے۔ مگر یافت کم ہوتی ہے۔ اور ایسے قسمت والے بھی ہوتے ہیں۔ کہ محنت کم کرتے ہیں کہ انکو مال غنیمت زیادہ ملجاتا ہے۔ ملکوتی خزانوں کے دروازوں پر جناب رحمانی کا جذبہ ہے۔ اور ان دروازوں کی کلید صرف الطاف ربانی ہی ہیں۔ اور انکا حاصل ہونا بندہ کے اختیار میں نہیں ہے۔ ہاں بندہ کے اختیار میں اتنا تو ہے۔ کہ اپنے دل کو دنیاوی امور کے شواغل سے علیحدہ رکھے اور خطاب کا مراقبہ اور اوقات کا محاسبہ اُسکا متعرض ہو۔ اگرچہ کوئی دن اور کوئی لمحہ اسکے جذبات اور خوشبوئیوں کی لپٹوں کے آنے سے خالی نہیں مگر انکا زیادہ یا کم پہنچنا اسباب آسمانی کے متعلق ہے۔ جسکی اطلاع کسی فرد بشر کو نہیں۔ اوقات شریفہ میں رحمتوں کی بارش کا ہونا اور محافظت کی تمام شرائط ہمراہ لیئے ہوئے آجانا بندہ کی طاقت سے باہر ہے۔ جیسا کہ ایام بہار میں مینہ کے برسنے اور بادلوں کے جمع ہونے کا اثر ہے۔ ایسا ہی رحمانی خوشبوؤں کے انتظار کا اثر اور انکا اجتماع اوقات شریفہ میں سنت الٰہی اور تقدیر ربانی کے حکم کے متعلق ہے۔ اور مکاشفات ملکوتی اور لطائف جبروتی اُس سے بھی قوی ہیں۔ اور اُن کے آثار کے نتائج بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان حالات کی جاری ہونے کے واسطے دل طالب ہے اور اس سعادت کے اشراق کا مطلع روح راغب ہے۔ یہ دو نو خزائن معنوی کے دروازے ہیں لیکن شہوات نفسانی کا قفل اُنپر لگا ہوا ہے۔ اور لذات کی طلب اُس رستہ کی روک ہو چکی ہے۔ اور انسان اپنے علاقوں سے آپ ہی پردہ میں چھپ گیا ہے اور شہوات کی شامت سے اس دولت سے محروم رہ گیا ہے۔ لقولہ

میان چشمۂ آبی و آب مے جوئی — فراز گنجی و از فاقہ در تگ و پوئی ہا

تو کوئے دوست ہے جوئی و نمیدانی | نظر کنی چو بہ تحقیق خود ہماں گوئی
گلے ز گلشن وصل او فتادہ اندر خاک | میان گلخن حرص و ہوا چہ میجوئی

حدیث میں آیا ہے کہ حق جل و علا نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا ہے۔ کہ اے داؤد غفلت کی اندھولیا کو کہدو کہ وہ یہ نہ کہیں کہ علم کشف کے خزانے آسمان پر ہیں یا زمین کے نیچے۔ اور انکو کون حاصل کر سکتا ہے۔ ہمنے اپنے کمال حکمت سے تمہارے دلوں کو حقائق ملکوتی کے موتیوں کا خزانہ بنا دیا ہے۔ اور جناب کبریائی کے جواہرات موتیوں کو اُسمیں امانت رکھدیا ہے۔ لیکن افسوس کہ تمنے انکو شہوت کی مٹی میں چھپا دیا ہے۔ اور تعلقات کی اینٹوں سے اُنکا راستہ بند کر دیا ہے۔ اور شہوات کے مردار کو دنیا کی ناپاک جگہ میں رکھدیا ہے۔ اور اپنے نفسوں کا منہہ ہماری درگاہ سے پھر الیا ہے۔ ہم اپنے کرم اور رحم سے عنایات کی ازلی کی بارش تمہارے سینہ کے گلزار پر برساتے ہیں۔ اور اپنے چشمہ کے میٹھے پانی کے اسرار تمہاری زبانوں پر جاری کردیتے ہیں۔ اللھم اجعلنا من عبادہ الطاھرین وارزقنا جزاء الصابرین۔

باب دہم در مذمّت کبر و غضب و فضیلت تواضع وعفو

کہ وہ حکمت اور امارت کے ضروری لوازمات اور آفات سے ہیں۔ اور اس باب میں تکبر کی قسمیں اور انکے ہونے کے علامات اور انکی حقیقت اور اُسکی آفات بیان ہونگی۔ اور ظہور اور کیفیت کا بیان ہوگا۔
قال اللہ تعالےٰ ساصرف عن ایاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق اللہ جلشانہٗ تکبر کے بیان کے سرگشتوں کے ڈرانے کے واسطے اور میدان تجبر کے حیرانوں کے سمجھانے کے واسطے حکم دیتے ہیں کہ جلدی ہوگا کہ متکبروں اور مردودوں کو لطائف ربانی کی خوشبوؤں کے آثار کے مشاہدے سے ہم دربردہ کردینگے۔ اور سرکش متحیروں کو انوار روحانی کے ٹھنڈی ہوا کے جھوکوں سے محروم رکھینگے

اور خدائی خوار سرکشوں کی گردنوں کو دوزخی زنجیروں سے جکڑدینگے۔ اور یہ جو لفظ بغیر الحق اس آیت میں آیا ہے اسکا یہ منشا ہے۔ کہ جو لوگ عبودیت کے بچھونے پر تقوے کے کرامت کے بغیر بزرگ ہونا اور طریقہ کے بہادروں کے میدان میں (معنوی قوت کے بغیر) دلیر کہلوانا چاہتے ہیں انکو بغیر الحق کی ذیل میں شامل کیا گیا ہے۔ اسیواسطے امام محقق شاہ سوار میدان ولایت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے لوگوں نے کہا کہ تجھہ میں سب فضائل تو ہیں۔ مگر اتنی کمی ہے۔ کہ تم متکبر ہو۔ آپنے جواب دیا کہ میں متکبر نہیں ہوں۔ مگر میں کیا کروں خدا کی وصف کبریائی نے میرے وجود میں درجہ کی کمال تاثیر کی ہے۔ جسکو تم لوگ تکبر خیال کرتے ہو۔ (امام جعفر صادق کا حال)

ایک ایسا لطائفہ ہے کہ نفسانی اخلاق کو فنا کے مقام میں گم کردیتے ہیں۔ اور ہستی کے خاشاک کو عدم کے کونہ میں پھینکدیتے ہیں ضرور ہے کہ ایسے مقبولوں کو فنا کے تلخ گھونٹ پلانے کے بعد بقا کا شربت پلایا جاوے اور انمیں سے بعض کو توبقا کی بارگاہ میں حلم اور حیا کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ اور بعض کو کبریائی کی اعزازی خلعت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اور جب ہوشیاری کے وقت انکے قیمتی وجود میں وہ ان صفات کو یاد کرتے ہیں۔ تو عام کالانعام انکو متکبر خیال کرتے ہیں۔ لیکن عارف محقق جانتے ہیں کہ وہ حقانی اعزاز اور سلطنت کبریائی کی جلوہ اندازی تھی۔ جو انکے پاک وجودوں میں ظہور پا رہی تھی انکا یہ حال ہے۔ کہ وہ اپنا کچھ مقدار نہیں جانتے اور خلقت کے قبول اور رد سے نہ انکو خوشی ہوتی ہے۔ اور نہ غم۔ اور اس صفت کے ظہور میں انکا کچھ بھی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اُسکے پابند ہیں یفعل اللہ بہم مایشاء ویحکم مایرید۔

اور شہر علم کے دروازے اور کرم اور حلم کے منبع اور میدان ازلی کے شہباز امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر غنی فقیروں کی مجلس میں دلی خواہش سے تواضع اختیار کرے۔ تو وہ تواضع نہایت ہی عمدہ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ فقیر دولتمندوں سے صرف اللہ پر توکل کرکے کنارہ کشی کریں۔ کیونکہ دولتمندوں کا تکبر نخوت نفسانی اور امور فانی کے عوارض کے باعث ہوتا ہے۔ اُسی کو بغیر الحق کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت قرآنمجید میں آیا ہے۔ اور درویش عارف کا تکبر اگر للہ اور فی اللہ ہو۔ تو نہایت زیبا ہے۔ اور یہ امر قوت یقین کی کمالیت پر دلالت کرتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جو کام جاہل غافل کے نقصان کا سبب ہوتے ہیں۔ وہ عارف کامل کے کمال کا ثبوت

بنجاتے ہیں۔

نقل ہے کہ یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے تھے۔ التکبر علی ذی التکبر بالمال تواضع کہ جو جو شخص متکبر دولتمند پر تکبر کرتا ہے۔ وہ دراصل تواضع ہی ہوتی ہے۔ بلکہ عین تواضع ہے۔ یہاں عارف تکبر کا حکم الٹ ہو جاتا ہے۔ آخبار صحیح میں آیا ہے۔ کہ جب تم غافل متکبروں کو دیکھو۔ تو تم بھی اُنکے نزدیک ضرور ہی تکبر ظاہر کرو۔ کیونکہ تکبر کی یہ صورت انکے تکبر کو بالکل توڑ دیتی ہے۔ اگر عارف محقق کا تکبر اسموقعہ پر اصل عبادت نہ ہوتا۔ تو رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتے ہیں۔ کہ ہماری کبریائی صفت ہمارے جمال کا نقاب اور ہماری عظمت کی صفت ہمارے کمال کا حجاب ہے۔ جو شخص نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں سے ہماری ان صفتوں سے ایک میں بھی جھگڑا اُٹھاتا ہے۔ ہم اُسکے خبیث نفس کو جباری غضب کے دریا میں ڈبو دیتے ہیں۔ بلکہ اسکے پلید جسم کو دوزخ کا ایندھن بناتے ہیں۔

عبد اللہ بن عمر نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کمینہ کجرفتار اپنے نفس تبہ کار کو ہماری عزت کی درگاہ میں ہر ل کے دانہ کے برابر ہی سمجھتا ہے۔ ہماری جباری کی غیرت کا ہاتھ اس بدبخت کے جسم پلید کو دوزخ کی قطعی آگ پر اور شرمساری کی خواری میں ترٹک دیتا ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص کا نفس خردل کے دانہ کے برابر تکبر کی پلیدی میں آلودہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسکو پاک نہیں کرتا وہ بہشت عدن کے رستہ سے اطلاع ہی نہیں پاتا۔ کیونکہ یہ رستہ پاکدامنوں کا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے میدان میں سرکش بے نور اور متکبر پر غرور چیونٹیوں کی شکل میں اُٹھائے جاوینگے جسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ دنیا میں خدا کے عاجز بندوں کو ناحق پاؤں میں روندتے تھے آج وہ انکے پاؤں میں روندے جاوینگے اور مذلت اور خواری کے پائمال ہونگے۔

عمر بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اُسنے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن متکبروں کا حشر چیونٹیوں کیطرح ہوگا۔ تاکہ وہ ہر کس اور ناکس کے پاؤں میں روندے جاوینگے۔ اور ہر طرف سے گرفتاری کا عذاب چکھینگے۔ اُن بدبختوں کو چیونٹیوں اور مکھیوں

کیطرح اُڑایا جاویگا۔ یہانتک کہ دوزخ کے ایک کنوئیں میں جسکا نام بولس ہے ڈالے جاوینگے۔ اور انکی خوراک دوزخیوں کے زخموں کا زرداب ہوگا۔ پھر اُن پر آگ جلائی جائیگی۔ اور انکے بدبخت نفسوں کو قہر کی آگ میں جلایا جاویگا۔ اور وہ آگ اسقدر تیز ہوگی کہ دوزخ کی آگ اُسکے روبرو پانی کی طرح سرد معلوم ہوگی۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مرنے کے وقت اُن تین باتوں سے خالی ہوگا۔ وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ وہ تین یہ ہیں۔ تکبر۔ ظلم۔ اور کینہ جسکا باطن نقل دنیا کے وقت میں اِن تین کدورتوں کی صفت سے پاک ہے وہ جنت الماوے کا مشتاق ہے۔

ثابت بن قیس انصاری نے رسول علیہ السلام سے سوال کیا۔ کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اُسکے کپڑے بھی اچھے ہوں۔ اور جوتا بھی خوبصورت ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پروردگار جمیل مطلق ہے اور نقصان کے شائبہ سے بالکل منزہ ہے اور نوع انسان کے جمال کی کمال کا چاہنے والا ہے۔ اور مومن کا شاندار ہونا تکبر اور فخر ان کا موجب نہیں ہے تکبر مذموم وہ ہے جو خدا کے حکم کو حقیر سمجھے۔ اور مومن بھائیوں کو کم حقیقت جانے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دوزخ کے درجوں کے رہنے والے ذلیل متکبر اور بخیل حریص ہونگے۔ جنہوں نے دنیاوی طمع میں عمر کو ضائع کردیا تھا۔ اور دینی حقوق کے فوائد کو دنیا کے معاوضہ میں بیچدیا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن ایک سر گردن سمیت دوزخ سے نکلیگی۔ چنانچہ تمام خلقت اسکو دیکھکر حیران ہو جاوے گی۔ وہ سر گوش شنوا اور چشم بینا اور زبان گویا سے کہیگا کہ مجھے تین گروہوں کی خاطر اللہ نے مامور کیا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے نفس کی باگ کو جہل کے میدان میں چھوڑا ہوا تھا۔ دوم وہ متکبر جو سرکش تھے اور کافر منکر تھے سوم تصویروں کے بنانے والے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کے عاجز بندوں پر فخر کرے۔ یا بخل کی بدعادت اختیار کرے یا عاجزوں کو ناحق ستائے۔ وہ رحمت کا اثر نہیں دیکھنے کا اور طوبے کے سایہ میں نہیں بیٹھیگا۔ آپنے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی بدبخت جہالت کے جنگل کا باشندہ اچھے کپڑے پہنکر فخر کرے۔ جس سے اسکے

عجب کی بیماری بڑہتی ہے۔ ہماری غیرت کا ہاتھ اس بدبخت کو قہر کے جنگل میں سرگشتہ کرتا ہے۔ اور اسکی سعادت کا دیا جیاری جھکڑ سے گل ہوجاتا ہے۔ اور قیامت تک اُسکے عذاب کے درجے بڑہتے جاتے ہیں اور اسکے اقبال کا منہ بدبختی کے اندہیرے سے سیاہ ہوجاتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالے اس شخص جاہل پر نظر رحمت نہیں کرتا۔ جو متکبرانہ اپنے کپڑے کا دامن دراز رکھے۔ اس دامن درازی پر وہ فخر کرے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی احمق غافل اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے تو اسکا نام خواہ مخواہ جباروں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے۔ اور اپنے نفس امارہ کو اخروی عذاب کے مستحق بناتا ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین شخص ہیں جنکے ساتھ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن بات کریگا۔ اور انکے گناہوں کی نجاست کو آب رحمت سے نہ دہوئیگا۔ اور اُن بدبختوں کو دردناک عذاب کا پیالہ چکھائیگا اور سخت عذاب میں مبتلا کریگا۔ انمیں سے ایک تو بوڑہا زانی۔ دوسرا حاکم دروغگو۔ تیسرا حاجتمند متکبر ہوگا۔

اسمار بنت عمیس سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ نہایت برا وہ جاہل بندہ ہے کہ اپنے آپ کو متکبر بناوے اور تکبر کے پلید کانٹے کو پھول سمجھے۔ اور خدا کے قرب کی دولت سے محروم رہے۔ اور نہایت برا وہ بندہ ہے کہ جسکی گردنکشی حد سے گذر جائے اور اللہ کا حکم اسکی نظر میں کچھ قدر نہ رکھے۔ اور نہایت ہی برا وہ بندہ ہے کہ اپنے وقت کو غفلت میں گذارے۔ اور قبر کے واقعات کو یاد نہ رکھے۔

منبع فضائل اور مجمع مناقب حضرت علی ابن ابیطالبؓ نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ پاک نے ہر ایک بندہ پر موکل مقرر کیا ہے۔ اُسکا کام یہہ ہے کہ جب بندہ تکبر کرنے لگتا ہے۔ تو وہ اسکو تواضع اور عجز کیطرف بُلاتا ہے۔ اور باوجود کہنے کے جب بندہ کا نفس بلند تکبر اور نخوت کیطرف قدم اُٹھائے جاتا ہے تو وہ زجر اور تنبیہ سے اُسکو بساط قرب سے دور پھینکدیتا ہے۔ اور اسکے دماغ کو باغ رضا کے پھولوں کی مہک سے بالکل محروم کردیتا ہے۔ اور وہ شخص لوگوں کی نظر میں حقیر ہوجاتا ہے۔ اور مردار خنزیر ہوجاتا ہے۔

ایعزیز جاننا چاہیئے کہ تکبر بری صفتوں میں سے نفس امارہ کی ایک صفت ہے۔ دو قسم پہ ہے ایک اندرونی جسکو خلق کہتے ہیں۔ اور یہ اصل ہے۔ دوم ظاہری جسکا اثر اعمال اور جوارح پر پڑتا ہے۔

نفخ کبر

اُسکو فروع اور شاخیں اور پھل کہتے ہیں۔ اصل باطن ہی ہے۔ اور باطن کا اصل ہی حرکات کا باعث اور ظاہری اعمال کا مصدر ہوتا ہے۔ اور اسکی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اپنا مرتبہ دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جانتا ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو اچھا جانکر دوسرے کو بُرا جاننے لگتا ہے۔ اس نظر سے اسکے نفس کی حقیقت میں ایسی نمائش پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے دوسرے کی نمایش اسکو بری معلوم ہوتی ہے۔ اسیواسطے رسول علیہ السلام ان الفاظ سے دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ انی اعوذ بک من نفخۃ الکبر اے اللہ میں تکبر کے بھوک سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں۔

نقل ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی۔ کہ کل میں صبح کو مسجد میں وعظ سناؤنگا۔ آپنے جواب دیا کہ اخشی ان تنتفخ حتی تبلغ الثریا میں ڈرتا ہوں کہ تو متکبر ہوکر اپنے آپ کو آسمان پر پہنچادے۔ اس لحاظ سے تکبر عجب سے علیحدہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ تکبر کا یہ خاصہ ہے۔ کہ کسی دوسرے کو دیکھکر پیدا ہوتا ہے اور عجب کا یہ کام ہے کہ بغیر دیکھے غیر کے پیدا ہوجاتا ہے۔

اور جو شخص کمالات دینی یا دنیوی سے کچھ حاصل کرلیتا ہے۔ اللہ پاک کی عنایتوں کے زوال کے خوف سے وہ بیفکر ہوجاتا ہے۔ اور خوشی کا حصول اُسپر غالب ہوجاتا ہے۔ وہ معجب ہوتا ہے۔ خواہ اسکے پاس کچھ بھی موجود نہ ہو۔ مگر تکبر سے یہی مراد ہے۔ کہ اسکے زعم میں یہ خیال پختہ بندھ جاوے کہ وہ دوسرے سے اچھا ہے۔ اس حال کی پہلی منزل یہ ہے۔ کہ دوسروں کو اپنے آپ سے حقیر جانتا ہے۔ اور جب یہ صفت پختہ ہوجاتی ہے تو دوسروں کو حقیر ہی نہیں جانتا۔ بلکہ اپنا غلام اور خدمتگار خیال کرکے اپنی خدمت کی حقوق اپنر جماتا ہے۔ اور جب یہ صفت درجہ کمال تک پہنچ جاتی ہے تو دوسروں سے ناک چڑھاتا ہے۔ بلکہ انکو اپنی خدمت کے لائق ہی نہیں سمجھتا۔ یہ پرلے درجے کا تکبر ہے دیکھو غور سے دیکھو۔ کہ مولا پاک باوجود کمال عظمت کے عیب دار گناہ گاروں اور سرگشتہ اور پریشان حالوں کو اپنی جناب میں نہایت پیار سے بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں ھل من تائب فاتوب علیہ وھل من مستغفر اعفر لہ اور یہ بدبخت ضعیف اور عاجز باوجود خباثت جہل اور غفلت کے اور نقصان عجز اور ذلت کے اپنے جیسے سے خدمت کرانے میں بھی عار رکھتا ہے اور اسکے خوفناک صفتوں سے ایک صفت یہ بھی ہے۔ کہ قوت نفسانی کے لڑائی جو شیطانی

(تکبر اور عجب کا فرق)

کے دم دلاسے سے اسکے دماغ سے چڑھ جاتی ہے۔ اور اس دھوئیں کا غلبہ اسکے دل اور آنکھ کو پوشیدہ کردیتا ہے۔ اور بصیرت کی آنکھ ایمان کے دفتر کے مطالعہ سے اندھی ہوجاتی ہے۔ اور عدم ادراک کے باعث امان کے دروازے اسپر بند ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر اسبات کا سر ہے۔ بلکہ تمام بری عادتیں مثلاً غضب۔ اور حقد اور حسد اور ریا اور لڑائی اور جھوٹ اور گلہ۔ اور چغلخوری اور بغض اور جھگڑا اور بخل اور عجب اور طیش ظلم یہ سبکے سب دوزخ کے دروازے کی کلید ہیں۔ ہر ایک اس سے ہی پیدا ہوتے ہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ تکبر قوت غضبی کا مادہ ہے اور قوت غضب اللہ کے قہر کی آگ ہے۔ اور آگ کی یہہ خاصیت ہے کہ اسکے چھوٹے سے شرارہ سے تمام جہان میں بھڑک جاتی ہے۔ اسلیئے تکبر کا ایک ذرہ ہی دوزخ کی آگ کا بھڑکانے والا ہوجاتا ہے۔ اور وہی دوزخ کے بڑے الہنوں سے ایک زبانہ بنجاتا ہے

تکبر کا نہایت برا قسم وہ ہے۔ کہ جو علم دین اور حق کے قبول کرنے اور خداوند کریم کی اطاعت اور فرمان سے روکے۔ اور سعادت ابدی کے دروازوں کو بند کردے۔ اس نفس خبیثہ کے غلبہ سے حضرت جباری کے قہر کا مستحق ہوجاوے۔ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ موقف اعلے میں ملائکہ اعلے بدبخت متکبروں کو عتاب کرینگے۔ اور کہینگے کہ آج وہ دن ہے کہ تمہارے اعمال کی جزا شومی اور بدکرداری اور عذاب اور خواری اور فضیحت اور گرفتاری کے ہمرنگ ہوگی۔ کیونکہ تمنے دنیا میں اس زبان کو جو ہماری یاد اور ذکر کا آلہ تھی۔ ناسزا باتوں میں مستعمل اور آلودہ کیا۔ اور نفسانی قدموں سے حقد اور جہل کے رستہ کی پیمایش کی اور یہ اشارہ اسبات کا ہے کہ تکبر کی علت میں افزونی ہے۔ کہ اسی کی شامت سے فرمان کا ترک کرتے ہوئے خدا پر تکبر کرنے لگ جاتا ہے۔ اور خلقت کو جھوٹ اور بہتان کا الزام دیتا ہے۔ اور کبھی انبیا پر عدم ایمان کا اتہام لگاتا ہے۔ جیسا کہ کفار مکہ کا قول تھا۔ لولا نزل ھذا القرآن علے رجل من القریتین عظیم نہایت عناد اور حسد سے ابو طالب کے یتیم کی رسالت پر ناک چڑھاتے تھے۔ اور اللہ پاک کی راہ کو ریاست دنیوی خیال کرتے تھے۔ اور شوق آخرت کو دنیوی عزت سمجھے تھے۔ اور انہوں نے نامردانہ ہمت سے ولید مغیرہ اور ابو مسعود ثقفی کو اپنا پیشوا بنایا۔ پرلے درجہ کے بہرا ہونے سے نقارہ محمدی

کی گونج کو نہ سنا اور اس نقارہ کی آرزو جو زمین اور آسمان میں گونج رہی تھی انکے کانوں تک نہ پہنچی۔ انکی کور باطنی اور سیر دلی اور عدم بصیرت کی تعریف قرآنمجید میں ان الفاظ سے نازل ہوئی۔ (صم بکم عمی فہم لا یرجعون) اور ایک جماعت نے نہایت شقاوت اور گمراہی سے اور مال اور دولت کے غرور سے برگزیدگان امت کی ہم نشینی اور اولیائے ملت کی ہمکلامی سے مثلاً عمار و سلمان اور بلال سے عار رکھنے لگے۔ اور اسکے اظہار کے واسطے شرم اور مروت کے پردہ کو اُٹھا دیا جب حقائق اور معانی کے شہود کا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔ امور دنیائے فانی کو کمال حقیقی سمجھا۔ اور زمانہ کے عام لوگوں کا یہ دیرہ ہے۔ کہ مرتبہ اور مال ہی میں بزرگی جانتے ہیں اور ریا اور عونت کے اسباب کے حصول کو کمال سمجھتے ہیں۔ اور عزت اور نیکنامی اگر سمجھتے ہیں تو حظوظ نفسانی میں ہی جانتے ہیں۔ اور کمینہ بخیل گدوں کیطرح دنیا کے مردار کے سوا اور کہیں نہیں بیٹھتے۔ اگر جاہلوں بدبختوں کمینوں شریروں کے حالات پر تم نظر کرو۔ تو معلوم ہوجاویگا۔ کہ انکے افعال اور اقوال اور حرکات اور سکنات اور نشست و برخاست اور وضع و اطوار بلکہ تمام عادات میں آثار فرعونی ٹپک رہے ہیں۔ صرف کسر اتنی ہی ہے۔ کہ ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تکبر کے ظاہر کرنے اور اسکے ظہور کے اسباب بھی سات ہیں۔

(علامت اول تکبر) یہہ ہے کہ مربع بیٹھے یا ایک پاؤں کو دوسرے پر چڑھا کر اکڑ کے بیٹھے۔ یا تکیہ لگا کر بیٹھے۔ اور اکثر اوقات اقربا اور دوستوں اور بھائیوں کی عزت بھی نہ کرے۔ اور بیٹھنے ادب کے شرائط کی رعایت نہ رکھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عرب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ آپ دسترخوان پر دو زانو بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ اُسنے کہا ماھذہ الجلسۃ یارسول اللہ قال علیہ السلام انما انا عبد اجلس کما یجلس العبد یارسول اللہ آپ کسطرح سے بیٹھے ہیں آپنے فرمایا کہ میں بندہ ہوں اس بارگاہ میں ایسا ہی بیٹھا کرتا ہوں جیسا کہ غلام بیٹھتے ہیں۔

نقل ہے کہ شیخ ابوحفص حداد اپنے دوستوں کو فرمایا کرتے تھے کہ ظاہر کا حسن آداب خلق کے ساتھ ہے اور باطن کا خدا کی جناب میں جو شخص ظاہر طور پر خلقت کے روبرو ادب نہیں کرسکتا۔ وہ باطن میں خدا کا آداب کیا کرسکتا ہے؟ اور وہ شخص باطنی آداب اور آثار عبودیت سے محروم رہتا ہے۔

(علامت دوم تکبر) یہ ہے کہ راستہ چلنے میں لٹکتا مٹکتا چلے۔ اور کبھی کمر بند پر ہاتھ رکھ لے۔ اور کبھی قبا کا دامن ہاتھ میں تھامے چلے۔ اور کبھی پیٹھ پر ہاتھ رکھکر خراماں چلے۔ یہ سب حالات اور نشانات جو بیان ہوئے ہیں۔ یہ سب کے سب تکبر کا نتیجہ اور عجب کا پھل اور خبث باطن کی پکی دلیل ہیں کہتے ہیں کہ مطرف بن عبداللہ اکابر تابعین سے تھے۔ امیری کے زمانہ میں مہلب کو دیکھا کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ٹہل رہا ہے۔ مطرف نے کہا کہ اے بندۂ خدا یہ چال کیسی ہے۔ جسکو میرا مولا بھی بُرا جانتا ہے۔ مہلب نے کہا کیا تو مجھے نہیں جانتا۔ اسنے کہا کیوں نہیں جانتا ہوں۔ تیری ابتدا تو نطفہ سے ہے جو سخت خوار اور بے مقدار تھا۔ اور اخیر تیرا جیفہ بدبودار ہوگا اور فی الحال تو حامل نجاست واقذار ہے مہلب نے عذر چاہا۔ اور سچے دل سے توبہ کرلی۔

(علامت سوم تکبر) انسان یہ چاہے کہ میرے حضور میں لوگ دست بستہ کھڑے ہوں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی کہ جس شخص کو خواہش ہے۔ کہ میں دوزخی کو دیکھوں تو وہ اس شخص کو دیکھ لے کہ آپ تو بیٹھا ہے اور لوگ اسکے حضور میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ یہ حدیث موقوف اور مرفوع روایت کی گئی ہے

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کو دنیا و آخرت میں رسول علیہ السلام سے زیادہ اور کوئی پیارا نہ تھا۔ جب اصحاب آپکو دیکھتے۔ کھڑا نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ جانتے تھے۔ کہ آپ اس بات سے کو بُرا نہیں مانتے۔

(علامت چہارم تکبر) یہ ہے کہ انسان رستہ میں اکیلا چلنے سے شرم کرے۔ اور یہ چاہے کہ میرے پیچھے کوئی نہ کوئی ہو۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ اللہ کی بارگاہ سے اور دولت قرب سے وہ بندہ ہمیشہ دور ہی رہتا ہے اور دم بدم دوری بڑھاتا رہتا ہے۔ جسکے باطن میں یہ چاہت ہو کہ میرے پیچھے کوئی نہ کوئی غلام آتا ہو کہتے ہیں کہ ایکدن شیخ حسن بصری کے پیچھے پیچھے ایک قوم جارہی تھی۔ جب شیخ نے انکو دیکھا۔ تو دل میں کہا رسول کا فرمانا سچ ہے۔ کہ مومن کا دل اُس حال میں برقرار نہیں رہتا۔ اسلیئے انکو پیچھے سے ہٹا دیا۔

ابو امامہ باہلی روایت کرتے ہیں کہ ایکدن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا۔ جب آپنے میری جوتی کی کھٹکھٹاہٹ سنی۔ تو آپنے فرمایا کہ مجھ سے آگے نکلجاؤ میںنے عرض کی۔ کہ یارسول اللہ کیا ہم آپ سے آگے بڑھ جاویں۔ آپنے فرمایا کہ ہاں۔ میں تمہاری نعلین کی آواز جب پیچھے سے سنتا ہوں تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہ تکبر میرے دل میں نہ آجاوے۔ (اللہ اکبر)

(علامت پنجم تکبر) کہ علمائے دین اور اکابرین مذہب اور ارباب قلوب اور اولیا اور صلحا کی زیارت سے عار کرے۔ اور اپنے نفس کو بباعث دینوی شرم کے دینی فوائد اور اخروی ثواب سے محروم رکھے۔ اور سلف صالحہ کے طریقہ کا اتباع نہ کرے۔ کہتے ہیں۔ کہ حضرت سفیان ثوری جب حضرت ابراہیم کے شہر رملہ میں تشریف لیگئے تو ابراہیم نے کسی درویش کے ہاتھ انکو کہلا بھیجا۔ کہ آپ یہاں تشریف لاکر چند احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میری درویشوں کو سناویں۔ تاکہ وہ آپ کی زبان سے حدیث کے لفظ سنیں۔ حضرت سفیانؒ فوراً وہاں گئے۔ اور چند احادیث بیان کیں۔ آپ کی طبیعت پر کسی قسم کا رنج پیدا نہ ہوا۔ ابراہیم کو لوگوں نے کہا۔ کہ ایسے بزرگوار کو آپنے اسطرح کیوں بلایا؟ جواب دیا کہ میں اُنکی تواضع کو آزماتا تھا۔

(علامت ششم تکبر) غریب مسلمانوں کو پاس نہ بیٹھنے دے۔ اور اسکا یہ منشا ہو۔ کہ اسکے روبرو جو شخص بیٹھے اسکی وضع نشست ایسی ہو جیسا کہ ایک غریب حاجتمند دولتمندوں کے سامنے بیٹھتا ہے اور رسول علیہ السلام کا یہ قاعدہ تھا۔ کہ آپ جسوقت مجلس میں تشریف لاتے تھے۔ جہاں جگہ خالی ملتی وہیں بیٹھ جاتے آپکی کوئی خاص جگہ نہ تھی ایسا ہی خلفائے راشدین کی مجلس بھی دوسروں سے ممیز نہ تھی۔ اور جو اعراب جنگلوں سے آتے تھے و نکو انکو خلیفہ کی تمیز دوسروں سے نہ ہوتی تھی انکو پوچھنا پڑتا تھا کہ خلیفۃ المومنین کون ہیں۔ اور کہاں ہیں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب مدینہ کی کوئی لونڈی حضرت کا ہاتھ مبارک پکڑ لیتی تو آپ اپنا ہاتھ اُس سے نہ چھڑا لیتے۔ جدہر وہ چاہتی لیجاتی۔ اور اُسکی بات سُن لیتے تھے۔

علامت ہفتم تکبر یہ ہے کہ مریضوں اور بیماروں اور صاحبان بلا کی ہم نشینی اور ہم پیالہ و نوالہ ہونے سے عار کرے۔ اور اپنے آپ کو انکی صحبت سے بچلائے۔ اور اہل بلا کے دیکھنے سے ناک چڑھاوے

حدیث میں آیا ہے کہ ایکدن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھانا کھا رہے تھے۔ ایک شخص آپکی خدمت

میں آیا۔ جو آتشک کی علت آبلہ یا خارش سے بیمار تھا کہتے ہیں کہ اس بیماری کے باعث اسکا جسم اتنا ہوا تھا۔ جسکے پاس وہ بیٹھتا وہ اس سے دور ہٹ جاتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو اپنے پاس بلایا اور بٹھا کر اسکے ساتھ ملکر کھانا کھایا۔ ایک شخص نے اس سے کراہت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیمار تو اچھا ہو گیا۔ مگر کراہت کرنے والا اس بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ ابن عمر مجذوم اور ابرص کو اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے۔

(علامت ہشتم تکبر کی یہ ہے) گھر کے ان کاموں سے جنسے چارہ نہیں ہو سکتا۔ عار کرے اور اپنے عیال اطفال کی ذمہ واری سے کنارہ کرے۔ یہ نتیجہ سراسر جہل اور حماقت کا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام اپنے گھر میں اونٹ کو چارہ ڈالتے اور باندھتے بلکہ گھر کو آپ جھاڑ دیتے تھے۔ اور آپ بکریاں دوہتے۔ اور جوتے کو آپ گانٹھتے تھے۔ اور کپڑوں میں آپ ہی ٹلیاں لگاتے تھے۔ اور جب نوکر تھک جاتا تو اسکے ساتھ ملکر چکی بھی پسوا لیتے تھے۔ اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھاتے۔

ایک اثر میں آیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ رات کے وقت کچھ لکھ رہے تھے یکایک چراغ گل ہو گیا۔ مہمان نے چاہا۔ کہ دیا روشن کرے آپنے فرمایا۔ کہ مہمان سے کام لینا جائز نہیں اسنے عرض کیا۔ کہ میں غلام کو جگا لیتا ہوں۔ آپنے فرمایا کہ ہرگز نہیں وہ ابھی سویا ہے۔ عمر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور دیئے کو روشن کیا۔ مہمان نے عرض کی کہ آپنے اٹھنے کی کیوں تکلیف کی۔ آپنے فرمایا تھا کہ ہاں جب میں نے اٹھکر چراغ روشن کیا تو میں عمر ہی تھا۔ اور جب میں واپس آیا تب بھی عمر ہی تھا۔ اس بات سے میری عزت میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔

(علامت نہم تکبر) کی یہ ہے کہ گھر کی ضروریات مثلاً گوشت شیرینی۔ سبزی اٹھالنے میں عار کرے یہ عار رسول علیہ السلام اور صحابہ کرام اور تابعین اور اکابرین امت نے تو نہ کی۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول علیہ السلام ضروری اسباب کو بازار سے آپ خرید کر آپ ہی اٹھا کر گھر لاتے تھے۔ اور جب صحابہ اٹھانا چاہتے تو آپ نہ چھوڑتے۔ اور نہ انکو دیتے تھے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے عیال

کے واسطے کچھ اُٹھا کر لیجاوے۔ تو اپنے کمال سے وہ کچھ نقصان نہیں کرتا۔

ابو عبیدہ جراح رضی اللہ عنہ ملک شام کے امیر تھے۔ مگر جب حمام میں نہانے کے واسطے جاتے تو اپنا تہبند اور پٹکا آپ ہی اُٹھا کر لیجاتے تھے۔ ثابت ابن ابی مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابو ہریرہ رضہ کو مینے دیکھا کہ امارت کے زمانہ میں لکڑیوں کا گٹھہ پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے بازار سے گزرتے تھے۔ جب میری نزدیک آئے تو مینے کہا اوسع الطریق للامیر امیر کیواسطے راستہ چھوڑ دو۔ ایک اصحاب نے بیان کیا کہ علی کرم اللہ وجہہ کو مینے دیکھا۔ کہ خلافت کے زمانہ میں بازار سے ایکدرم کا گوشت خریدا اور چادر کے دامن میں لپیٹ لیا۔ مینے کہا۔ اے امیر المومنین مجھے دیدو میں لیجاتا ہوں۔ آپنے فرمایا ابو العیال احق ان یحمل عیالدار اُٹھانے کا خود ذمہ وار ہے۔

(علامت دہم تکبر) کی یہ ہے کہ نفیس کپڑوں کے پہننے کا حریص ہو۔ اور کئی قسم کے کپڑوں کے تیار کرنے میں مبالغہ کرے۔ اور انکی موجودگی ضروری سمجھے۔ اور پھٹے پرانے کپڑوں کو بُرا جانے۔ اور کم قیمت کپڑوں سے نفرت کرے۔ اور یہ بات تکبر اور عجب کی جڑہ ہے۔ کیونکہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ البذاذة من الایمان کم قیمت کپڑا پہننا ایمان کی علامت ہے۔

ایک اثر میں آیا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ زمانہ خلافت میں اُن کپڑوں کو جنپر کئی پیوند لگے ہوئے تھے پہنکر منبر پر خطبہ پڑہتے تھے۔ بعض صحابہ نے اس بات پر اعتراض کیا۔ آپنے جوابدیا کچھ مضائقہ نہیں۔ اسمیں تین فائدے ہیں۔ ایک تو ستر عورت ہے جو اصل مقصود ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ پرانا کپڑا دل کو تکبر سے پاک کردیتا ہے۔ اور مسلمان اسکا اقتدا کرتے ہیں۔ جیسے علیہ افضل الصلوۃ فرماتے تھے۔ عمدہ لباس سے ضرور ہی دل میں تکبر آجاتا ہے۔ اور طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں کپڑے دہوتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں۔ کہ میرے دل میں کچھ تغیر آگیا ہے۔ اور یہ تغیر تب تک رہتا ہے۔ جبتک وہ پھر میلے نہیں ہوجاتے۔ سعید بن سوید نے کہا کہ مینے عمر بن عبد العزیز کو دیکھا کہ جمعہ مسجد میں جمعہ کی امامت کرا رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا گیا۔ کہ آپنے ایک پیراہن پہنا ہوا ہے۔ اور اس پیراہن کے گریبان پر آگے اور پیچھے دو پیوند لگے ہوئے تھے۔ مینے عرض کی کہ اے امیر المومنین اللہ تعالے نے آپکو

خلافت اور بادشاہی دی ہے۔ اگر آپ نیا کپڑا پہن لیں تو کیا کچھ ہرج ہوتا ہے۔ آپنے تھوڑی دیر کے واسطے سر نیچا کرکے فرمایا کہ افضل الصبر عند الحدت۔ وافضل العفو عند القدرۃ بہت اعلےٰ صبر وہ ہے جو تیزی کی حالتمیں ہو اور بہترین معافی وہ ہے جو توانائی کیحالت میں ہو۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص زینت کو صرف خدا تعالےٰ کے واسطے ترک کروے اور اچھے کپڑوں کو چھوڑ دے اور فروتنی اور تواضع کو اپنا لباس بناوے۔ اور رعونت کو چھوڑ کر خدا کی رضا کا طالب ہو۔ اور تکبر اور جفا کے مرتبہ سے گذر کر تواضع اور وفا کیطرف آجاوے۔ تو پھر اللہ کے کرم سے نہایت ہی امید ہے۔ کہ اسکو بہشتی حلوں سے آراستہ کرے۔ یہ امر جو ہمنے ذکر کیا ہے تکبر کی امہات اور مواد رزیلہ سے ہے۔ جو نفس کی فطرت میں مرکوز اور نفسانی خواہشات کے نیچے مدفون ہیں۔ اور عجز کے موانعات میں پوشیدہ ہے۔ لیکن اسکے ظہور اور اظہار کے اسباب حس کو بڑا سمجھنا اور نفس کو اچنبھا جانتا ہے۔ کیونکہ تکبر کا اظہار متصور نہیں ہوتا۔ مگر اس شخص سے۔ جو اپنی ذات میں ایک کمال ضعف سی عجب رکھتا ہے۔ اور نفسی زیادتی کو اپنے اپنے آپ میں محسوس کرتا ہے۔ یہ سب اسباب سات قسم پر ہیں دو دینی ہیں اور پانچ دنیوی ہیں۔ اور جو دنیوی ہیں انسے نسب اور جمال اور قوت اور مرتبہ اور مال پر فخر کرنا ہوتا ہے۔ اور دینی صرف دو ہیں علم اور عمل۔ اس مقام پر ان اسباب کی شرح بمعہ انکے معالجات کے بیان کیجاتی ہے۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

تکبر کا پہلا سبب نسب کی شرافت کا فخر ہے۔ یہ عام باب ہے کہ جنکا نسب شریف نہیں ہوتا۔ وہ انکو کم درجہ سمجھتا ہے بلکہ انکو نظر حقارت سے دیکھتا ہے۔ خواہ وہ علم اور عمل کے لحاظ سے اس سے کئی درجہ فائق اور لائق ہوں۔ بعض احمق تو ایسے نالائق ہوتے ہیں کہ عالم اور عامل کو خواہ کتنے ہی لئیق ہوں۔ انکو بھی اپنا نوکر اور غلام اور عبید ہی تصور کرتے ہیں اور انکے میل ملاپ اور ہمکلامی سے ناک چڑھاتے ہیں اور جب بصیرت کا نور غضبی ہوس سے بالکل دھندلا ہو جاتا ہے تو انکی تن سے خبث کا اثر نکلنے لگتا ہے چنانچہ دوسرے شخص کی بابت اسکو اتنا کہنے کی جرات ہوتی ہے۔ اے بے اصل اے نالائق۔ اے روستائی۔ وغیرہ اس مرض کا علاج دو چیزوں سے ہے۔ ایک تو اُس حماقت کا جاننا اور اچھیطرح سمجھنا۔ کیونکہ دوسرے کی کمالیت پر تعرض کرنا محض جہل ہے۔ چنانچہ عرب مثال کے طور پر یہ کہتے ہیں۔

لئن فخرت بآباء ذو شرف
لقد صدقت ولکن بئس ما ولدوا

جو شخص نسب کے شریف ہوتے ہیں اور آبا و اجداد کی کامل ہونے پر تکبر کرتے ہیں۔ اگر وہ فی الحال خسیس میں اور صفات میں ناقص تو آبا و اجداد کا شرف انکی خساست کو رفع نہیں کر سکتا۔ اور یہ ظاہر امر ہے کہ اہل کمال کی عمدہ افعال اور احوال اہل نقصان کے ناپسندیدہ حرکات اور سکنات کو کچھہ فائدہ نہیں بخشتے۔ علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ جو لوگ مردہ آبا و اجداد پر فخر کرتے ہیں۔ گویا انکی ہڈیوں پر ناز کرتے ہیں اور ہڈیوں پر ناز کرنا کتوں کا کام ہے۔ ہمارے نزدیک نالائق لڑکے کی نسبت لائق باپ کے ساتھ اسطرح ہے کہ ایک کیڑا ہمقدار آدمی کے بول سے پیدا ہوتا ہے جو کیڑا آدمی کے بول سے پیدا ہو یا گدھے اور بیل کے پیشاب سے ان دونو کے درمیان کچھہ فرق نہیں۔ کیونکہ یہہ دونو خست اور بیمقداری میں برابر ہیں صفات کے کمال ہونے پر انسان کا شرف ہے۔ صورت کی خوبی پر کچھہ حصہ نہیں ملتا۔

دوسرا یہہ ہے کہ اپنی اصلی پیدائش میں تامل کرے اور اپنے حقیقی نسب کو پہچانے۔ جاننا چاہیئے کہ بیٹا اسکے نزدیک نطفہ مردار ہے اور اس سے ذرا دور خاک بیمقدار ہے۔ اللہ جلشانہ اسکی تعریف میں اسطرح فرماتے ہیں وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ پس جسنے اچھیطرح سمجھا کہ جسکی فطرت خاک سے ہے۔ اور حیوانات بیمقدار کی لکد کوب ہے اسکو درجہ اور عزت کے موقعہ پر تکبر کرنا چاہیئے۔ اور اچھیطرح جانے بس کہ شرف اور فضل اہل معنے کے سوا اور کسی کو سزاوار نہیں اور رفعت اور کرامت کا خلعت کسی اور کو زیبا نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایکدن دو شخص۔ حضور پرنور کیخدمت میں اپنی عالی نسبی پر جھگڑ رہے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں یہ ہوں اور میرا باپ دادا ایسے گذرے ہیں۔ ایساہی دوسرا اپنی نسب پر فخر کرتا تھا آپنے فرمایا۔ کہ موسے علیہ السلام کے حضور میں بھی ایسا ماجرا گذر چکا ہے۔ چنانچہ موسے علیہ السلام نے ایک کو فرمایا کہ تم اپنا نسب شمار کرو۔ اسنے فخر کرتے ہوئے اپنے آبا و اجداد کے ناموں کو نو تک گنا حضرت موسے کو وحی نازل ہوئی۔ کہ آپ انکو فرماویں کہ جسنے اپنے باپ دادا پر فخر کیا ہے وہ تو نو کے نو دوزخ میں ہیں۔

اور یہ دسواں ہے۔ اسواسطے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اُن لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ جو اپنی عالی نسبی پر فخر کرتے ہیں۔ وہ دوزخ کا ایندھن بن چکے ہیں۔ یا اللہ تعالےٰ نے انکو قہاری کے جلوہ سے مردار سے بہی زیادہ خوار اور بیمقدار کر دیا ہوا ہے۔ افسوس کہ وہ لوگ پلیدی کو خست اور خواری سے ناس کیطرح ناک میں چڑہاتے ہیں۔ اور نجاستوں کو اپنی خوراک بناتے ہیں۔

(سبب دوم) سبب دوم جمال کا تکبر ہے۔ اس قسم کا فخر اکثر عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی فخر غیبت اور حقارت اور طعنہ سے ہو جاتا ہے۔ اس قسم کا شغل اکثر اوقات دوسروں کی برائیوں کے ظاہر کرنے اور عیب چھانٹنے میں پڑ جاتا ہے۔ اس بیماری کا علاج یہہ ہے۔ کہ نظر وحشیانہ اور صورت پرستی کو ترک کرے۔ اور بصیرت کی آنکھوں سے منصفانہ طور پر اپنے باطن کیطرف دھیان کرے۔.......

.... اور چوپایوں اور درندوں کی شیطانی صفتیں کو جو دل کے شیشہ کو غبار آلود کر دیتی ہیں۔ اور انوار ملکوتی کے عکسی جلوہ کی قبولیت سے دور پھینکدیتے ہیں۔ بنظر غور دیکھے۔ اور پلیدیوں کے اقسام جس سے اسکا تمام بدن لتھڑا ہوا ہے مثلاً آنتوں میں نجاست اور مثانہ میں بول۔ اور بینی۔ اور دماغ میں رینٹ۔ اور منہ میں چپ چپاہٹ۔ اور کانوں میں میل اور رگوں میں خون۔ اور چمڑے کے نیچے زرد آبہ ہوتا ہے۔ نظر غور سے دیکھے۔ اور خیال کرے۔ کہ اگر دن بھر میں دو بار بنہایت تردد سے قضائے حاجت کے واسطے جا کر نجاست کو بدن سے دور نہ کرے۔ اور اسکی پلیدی کے اثر کو اپنے بدن سے نہ دہوے تو رسوا ہو جاوے۔ اور گندہ بو اُس سے آنے لگی۔ دوسروں کا کیا کہنا ہے۔ اپنی زندگانی سے آپ ہی متنفر ہو جاتا ہے۔ جب حقیقت کی طرف دیکھے۔ تو حالت اولے میں وہ نطفہ خوار تھا۔ اور فے الحال پلیدیوں کا اُٹھانیوالا ہے۔ اور کسی دن جیفہ مردار ہو جاویگا۔ اور یہ سمجھ لے۔ کہ میرا جمال اس سبزہ کیطرح ہے جو کوڑی پر اُگا ہوا ہے۔ یا گلخن پر اُسکا قدم ہے۔ جسکا حسن اور جسکی نمائش مرض کی لو کے ایک ہی جھونکے۔ یا کسی علت کے ایک ہی حملے (مثلاً جدری۔ جذام۔ برص) سے بدنمائی کیطرف مبدل ہو جاتا ہے۔ یہ خوبصورتی بدنمائی تک پہونچ جاتی ہے۔

(سبب سوم تکبر قوت ہے) یہ تکبر قوت بدنی کے زیادہ ہونے۔ اور شدت حملہ کے قوی ہونے سے ہوتا ہے

اسکا علاج یہ ہے۔ کہ انسانی وجود پر جو مرضیں اور کئی قسم کی بیماریاں اور مختلف قسم کے درد مسلط ہوتے ہیں۔ انمیں غور کرے کہ جب اسکے بدن کا ایک حصہ درد میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اسکو ماہی بے آب کیطرح بیقرار کر دیتا ہے۔ وہ اسکے دفع کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اور ایک مکھی کو اپنی مردانہ قوت سے دفع نہیں کر سکتا۔ اگر ایک چھوٹی سی چیونٹی اسکے ناک یا کان میں گھس جاوے تو اسکو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر ایک صرف ایک دن ہی بخار کا جوش ہو جاوے تو ساری بہادری کرکری ہو کر ضعف اور لاغری آجاتی ہے۔ گدھا اور بیل تو بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر وہ عاجز ہو جاتا ہے۔ یقین سی جاننا چاہیے کہ اب اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ بہائم تو اس سی زیادہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر وہ ایسا عاجز ہے۔ کہ مچھر کو اپنے بدن سے اوڑا نہیں سکتا اسکا تکبر کرنا۔ نہایت ہی بیوقوفی اور حماقت ہے اور پرلے درجہ کی بے عقلی اور بے شرمی ہے۔

(سبب چہارم تکبر بمال) اس قسم کا تکبر دولتمندوں اور بادشاہوں کو بیشمار خزانوں اور بے حساب گھوڑوں اور بے اندازہ لشکر کے باعث ہوتا ہے۔ اور جاٹوں کو زمین اور املاک کی وسعت پر ہوتا ہے اور تاجروں کو خزانوں کی کثرت اور اسباب اور نقود کی افراط سے ہوتا ہے۔ ان اقوام سے جو قوی ہوتا ہے۔ وہ کمزور پر تکبر کرتا ہے۔ تفاخر اور مباہات کرتے ہوئے یہ بھی لن ترانی ہانک دیتا ہے۔ کہ تو کون ہے اور تیری کیا حیثیت ہے۔ میں اگر چاہوں۔ تو تیرے جیسے ہزاروں کو خرید سکتا ہوں۔ اور تیرا تمام اثاثہ میرے ایک سال کی زکوۃ کے برابر نہیں ہے۔ یہ سب باتیں جہالت کا نتیجہ ہیں جس سی معلوم ہوتا ہے کہ انکو یہ خیال ہیں نہیں آیا۔ کہ مال ہمیشہ آفت کی درپے ہے۔ اور دنیا کے خطرات ہمیشہ ہی ہوتے ہیں۔ اور فقر کو اللہ جلشانہ نے فضیلت دی ہوئی ہے۔ اس قسم کا تکبر بہت ہی خسیس اور تکبر کے اقسام سے بہت برا قسم ہے۔ کیونکہ دنیوی دیوار کی بنیاد طوفان حوادث کے رہ گذر پر ہے۔ اور طوفان حوادث کے پیش آنے سے اس دیوار کا گرنا ممکن ہے۔ اور دنیوی مال متاع کے زائل ہونے کے بعد جب اسکی ذات میں کسی قسم کا کمال نہیں ہے تو کوئی شک نہیں۔ کہ وہ متکبر دنیا میں نہایت ہی ذلیل اور رسوا ہوگا۔ اگر وہ اپنی دولتمندی اور جاہ اور ثروت کا مقابلہ کرے ....

تو کتنے ہی یہود اور ترسا کو دیکھیگا۔ کہ مال اور تجمل اور ثروت میں اس سے بدرجہا بڑھ چڑھکر ہیں نہیں جو شرف ایک چور کے حملے سے معدوم ہوجاوے۔ یا آگ میں جلکر تباہ ہوجاوے۔ یا یہودی کو اسمیں شرف حاصل ہو۔ تو اس تکبر کا کیا وزن ہو سکتا ہے۔ بلکہ زیادہ افسوس کی یہہ بات ہے۔ کہ وہ از دست اسکے بازپرس میں قیامت کے دن ماخوذ ہوگا۔ انصاف کی بات یہہ ہے۔ کہ کوئی عقلمند اس عارضی شرف کو شرف نہ کہیگا۔

(سبب پنجم تکبر) اولاد۔ اور تابعداروں اور مددگاروں۔ اور قریبیوں اور قبیلہ داروں پر ہوتا ہے۔ اکثر اس قسم کا تکبر بادشاہوں اور حکام میں ہوتا ہے۔ اس شخص کی مثال ہم تمہیں سمجھاتے ہیں کہ ایک شخص عالم خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ میں حکومت اور امارت پر کامیاب ہوگیا ہوں۔ اور میرے نوکر چاکروں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور میرا جمال و کمال اعلے درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ اور میرے مرتبہ اور مال کی کوئی حد نہیں۔ اور میری قوت اور رعب داب کا کوئی اندازہ نہیں۔ اور میرا جمال اس قسم کا ہے کہ یوسف میرے شیدائیوں سے ہے۔ اس حالت میں وہ نہایت ہی مسرور اور خوش ہوتا ہے۔ اور فخر کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ یکایک خواب سے جاگ اٹھتا ہے دیکھتا ہے۔ کہ میں ایک ایسی اندھیری کوٹھڑی میں پڑا ہوں۔ جہاں دائیں سے بایاں نظر نہیں آتا۔

یا ایسے بیابان میں ہوں۔ جہاں پانی کا نام نشان نہیں۔ وحشت ہر طرف سے دوڑی چلی آتی ہے۔ اور انیس اور جلیس کا نام ہی مفقود ہے۔ نہ کوئی دلدار ہے نہ غمخوار نہ خدمتگار موجود۔ محبوس ہوں متحیر۔ ادہر سے دیکھتا ہے۔ کہ خونخوار درندے اسکی تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو سانپوں اور بچھوؤں کا شکار پاتا ہے۔ اور نجاست اور پلیدیاں اوسکی خوراک ہیں۔ اسکے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ ہر ایک درندہ کا خوف اسکی جان کھا رہا ہے۔ ایک سانپ زہردار اور بچھو سے ہیبت اور وحشت آرہی ہے۔ ہر ایک طرف سے حیرت اور مایوسی چھا رہی ہے۔ اور وہ ان بلاؤں میں گرفتار اور مدہوش اور حیران اور ناچار ہے۔ نہ ٹھیر سکتا ہے۔ اور نہ بھاگ سکتا ہے ور اوسکو اپنے بچاؤ کا کوئی حیلہ بھی نظر نہیں آتا۔

جب عقلمند آدمی بصیرت کی نظر سے غور کرے۔ تو اُسکو یہ معلوم ہو جاویگا۔ کہ دنیا کی تمام شوکت اور اسباب اور ثروت اور تجمل خواب ہی یا خیال۔ یا اس سے بھی کم الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا کیونکہ روزگار کا ہر ایک حادثہ درندوں کیطرح ضرر رساں ہے۔ جو انکی خوشی کے انتظام کی ہڈیاں چبا رہا ہے۔ اور بیماریوں اور دردوں کا گروہ (جو اُسکے بدن میں چھپکر کونے لگا ہوا ہے۔ در اصل موجود اور بظاہر مفقود ہے۔ گویا ان سانپوں اور بچھوؤں کیطرح ہے۔ کہ شہوات کی نجاسات و لذتوں کے اقدام میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور اوسکی ہلاک کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور وہ شخص ایسا بے دست و پا اور حیران اور سرگردان اور پریشان ہے۔ کہ نہ انکی تکالیف برداشت کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی انکی بضرتوں کو روک سکتا ہے۔ جب یہ بات کسی بندہ کی طبیعت میں مستحکم اور محقق ہو جاتی ہے۔ تو نخوت کا ڈیرہ وہاں سے دور جا لگتا ہے۔ اور عُجب کی فوج (جو شیطانی لشکر کی ہراول ہے) بھاگ جاتی ہے۔ اور شکست کھا کر منتشر اور تتر بتر ہو جاتی ہے۔

(سبب ششم تکبر) علم ہے۔ اور یہ سبب تکبر کا بڑا بھاری ہے۔ عموماً ظاہری علما اس آفت کے شکار ہوتے ہیں۔ اور اس بیماری میں سخت مبتلا ہو کر سخت بیمار ہو جاتے ہیں الامن عصمہ اللہ چونکہ شرع شریف میں علم کے فضائل بے تعداد اور بیشمار ہیں۔ اور علمائے باللہ کی قدر اور منزلت پر شرع ناطق ہے۔ اسلیئے لازم ہے۔ کہ علم کے جمال کے شعور اور علم کے کمال کے وفور کے حالات پر علم کے بغیر روشنی نہ ڈالی جاوے۔ ہاں ایسا تو دیکھا جاتا ہے۔ جو عالم باللہ نہیں ہوتے۔ وہ عام خلقت کو چوپایوں سے بھی کمتر جانتے ہیں۔ اور اپنی خدمت کا بوجھ اپر ڈالنا ضروری جانتے ہیں۔ اگر وہ انکی خدمت کریں۔ تو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ بلکہ اگر وہ خدمت کی بجا آوری میں ذرا بھی کوتاہی کریں۔ تو عُجب سے کام لیتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو اللہ کے نزدیک افضل اور اعلے سمجھتے ہیں۔ ان صفات اور خیالات کے غلبہ کے دو سبب ہیں

ایک بڑا بھاری سبب یہ ہے۔ کہ اس قوم کا ابتدائی حال علوم رسمیہ (مثلاً علم صرف اور نحو۔ اور عروض اور لغت۔ اور حساب اور نجوم۔ اور طب۔ فصل خصومات۔ اور طریقہ مجادلہ اور مناظرہ) کی طرف ہوتا ہے۔ اور یہ علوم جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ یہ سب کے سب حرص اور تکبر اور حسد اور عجب کی ماں ہیں

ہر چند وہ ان علوم رسمیہ کی تحصیل میں کوشش کرتے ہیں۔ مگران اخلاق ردیہ کی جڑیں۔ انکی پلید طبائع میں مضبوط اور راسخ ہوتی جاتی ہیں۔ یہانتک کہ انکی طبیعت کا برتن کبر وا ور نفاق سے بھر پور ہو جاتا ہے۔ اور وہی اس سے ٹپکتا ہے۔ جو اسمیں ہے۔ (کل اناء یترشح بما فیہ)

علم حقیقی وہ علم ہے جس سے بندہ اپنے نفس کی حقیقت اور ماہیت اور عیوب اور آفات کو جانے اور اس معرفت کو معرفت الٰہی کی کلید بنائے۔ اور رضا کے رستہ پر چلنا اور اسکے قرب سے دور ڈالنے والے اسباب کی شناخت کرے۔ اور جدائی کے حجاب کے خطروں اور بدبختی اور خواری کے آفات سے آگاہ ہو جاوے۔ اور دنیوی امور کی حقارت پر ثابت قدم ہو جاوے۔ اور خاتمہ کے خوف سے دنیا کے مزے اسپر تلخ ہو جاویں۔ اللہ تعالےٰ نے علمائے دین کی تعریف کتاب مجید میں صرف خوف اور خشیت کی صفت سے فرمائی ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ۔ یہ حقیقی علم دل کے شیشہ کو تکبر اور عجب کے زنگار سے بالکل مبرا کر دیتا ہے۔ اور اوسکے حاصل شدہ انوار کو لذت اور صفائی اور تواضع اور خوف تک پہنچا دیتا ہے۔

(سبب دوم یہ ہے) ایک شخص فطرتی طور پر ردی النفس اور بداخلاق ہوتا ہے۔ اسنے علم حاصل کرنے سے پہلے کسی مجاہدے یا ریاضت سے کام نہیں لیا۔ اور نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ نہیں کیا۔ اور خبث نفس کے ساتھ وہ علم حاصل کرنے لگ گیا تھا۔ جتنا علم اسکے فہم اور حفظ کے برتن میں جمع ہوتا گیا۔ ساتھ ساتھ ہی اوسکی خباثت کے آثار سے خراب ہوتا رہا کیا آپ نہیں دیکھتے۔ کہ مینھ کا پانی میٹھا بھی ہوتا ہے اور صاف بھی۔ لیکن جب وہ نباتات کی رگوں یا مساموں کے رستہ درختوں کی شاخوں میں پہنچتا ہے۔ اگر وہ درخت میٹھا ہے تو وہ میٹھا ہو جاتا ہے۔ ورنہ کڑوا۔ یعنے اگر وہ درخت کڑوا ہے۔ تو کڑواہٹ کی صفت اس پانی پر غالب آجاتی ہے۔ اگر اس پانی کی حلاوت درخت کے جوہر پر غالب ہے تو اس پانی کی مٹھاس اور حلاوت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ جلشانہ کے علم کو مینہ کے پانی سے نسبت دی ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بِقَدَرِھَا علم کی خاصیت معنوی آبحیات کیطرح ہے۔ وجود انسانی کے افہام کے برتن میں جب قرار پکڑتی ہے۔ تو اس برتن کے ہمرنگ اور ہم مزہ ہو جاتی ہے۔ اگر خباثت کا برتن ہو۔ تو حرص اور تکبر اور پلیدی اور بخل اور عجب

ینجاتا ہے۔ اگر پاک برتن میں پڑے۔ تو ورع اور خضوع اور قناعت اور تواضع اور کرم اور حیا کا رنگ لاتی ہے۔ بلکہ یہ اوصاف اُسکی معیت سے کئی درجہ بڑھ جاتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اب کے بعد ایک ایسا گروہ ہوگا۔ کہ قرآن مجید تو پڑھینگے۔ مگر اسکی تاثیر انکے گلے سے نیچے نہیں اُترے گی۔ جسکا اصل مطلب یہ ہے۔ کہ وہ عمل نہیں کرینگے۔ اور وہ علم کی تحصیل کو لاف اور مفاخرت کا وسیلہ بناوینگے۔ اور یہ کہینگے کہ ہمنے قرآن مجید پڑھا۔ اور سب سے اچھا پڑھا۔ اور علوم حاصل کیے۔ ہم سے زیادہ اور کون عالم ہے۔ آپنے فرمایا کہ وہ قوم دوزخ کا ایندھن بنیگی۔

اس آفت کا علاج یہ ہے کہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ جہالت کی آفت سے علم کی آفت زیادہ ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بازپرس بھی اہل علم پر زیادہ مؤکد ہے۔ بہ نسبت عام خلقت کے۔ بادشاہوں کا بھی قاعدہ ہے کہ جاہلوں۔ اور جاٹوں۔ اور ناواقفوں وغیرہ کے گناہ کو انکی عدم واقفیت کے واسطے اکثر معاف کر دیتے ہیں۔ مگر خواصین بارگاہ اور نوابان درگاہ کو اسکا دسواں حصہ بھی معاف نہیں کرتے اسیطرح آلہی فرمان کی مخالفت اس شخص پر جو ناواقف اور بے خبر ہے اتنا وزن نہیں رکھتی۔ جسقدر کہ عارف اور عالم پر ہوتی ہے۔ کیونکہ الہی احکام اور فرمان کی مخالفت واقفوں کو افحش اور اقبح ہے۔ غیر عارف کی مخالفت قابل معافی اسواسطے ہے کہ اللہ جلشانہ نے بلعم باعور کو جو زمانہ کا مقتدا اور خلقت کا پیشوا تھا۔ حق کی مخالفت اور نفس کی متابعت کیواسطے کتے سے متابہت دی۔ اور فرمایا مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ اور علمائے یہود کو صرف حق کے چھپانے کے واسطے گدھے سے تشبیہ دی مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ وہ کونسا عالم ہے کہ لذات سے کسی لذت کی طلب۔ اور شہوات سے کسی شہوت کی متابعت نہ کرتا۔ اور اسمیں کونسا خضوع اور فروتنی ہے۔ جس سے اپنے علم کے منصب کا اثر اپنے میں نہیں پاتا۔ کیونکہ جب متقی فروتنی کرنے والا اور سچا طالب۔ اور محقق عالم اور عامل مخلص ہو۔ اور فلسفی ہذیان کے سننے اور مجادلات نظری اور رسمی فخروں سے بچنے والا ہو۔ اور اپنی ہمت کی کوشش کو صرف علوم دینی کی

جاننے اور اسرار الیقینی کے حقائق کے سمجھنے میں خرچ نہ کرنیوالا۔ اور عہدہ علم کے خطرات سے غافل نہ رہنے
والا ہو۔ تو امید ہے کہ اسکے تکبر اور عجب کا غلبہ ٹوٹ جاویگا۔ اور اسکے اخلاق ردیہ کی کدورت پسندیدہ
صفات سے بدل جاوے گی اُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ہ۔

(سبب ہفتم تکبر) کا عبادت ہے۔ جو شخص گوشہ نشینی سے پہلے دین کی تعمیر میں مشغول نہ ہو۔
اور عبودیت کے آداب کی معرفت اور اسکے آفات کی دقائق کو نہ جان لے۔ اور کسی شیخ کامل محقق
کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کو سنوار نہ لے۔ اور اسکے اخلاق ردیہ کے بچھو اور سانپوں کا سر پیر ہادی
کے تبر سے نہ کوٹا جاوے۔ اور اسکی اوصاف بشری کی حرارت یقین کے ٹھنڈے پانی سے بجھ نہ چکے۔
وہ بدنی عبادت کیطرف مشغول ہوتا ہے۔ تو قلبی اور سری اعمال کے آثار سے بالکل محروم رہ جاتا ہے
ہر روز اسکا باطن بری صفات کے تیرہ و تاریک غلبہ سے زیادہ تاریک ہوتا جاتا ہے۔ اور برے اخلاق
کے کانٹے اسکے نفس میں چبھنے لگ جاتے ہیں۔ اور خباثت کے درخت کی جڑیں مثلاً ریا اور تکبر اور عجب
اور غرور اسکی طبیعت کی زمین میں مستحکم اور مضبوط ہو جاتی ہیں۔

ایسا آدمی ہمیشہ تہی دامنی پر ناز کرتا ہے۔ اور غافلانہ عبادت کے اظہار سے اہل غفلت کے دلوں
کی دلجوئی کرتا ہے۔ اور عام مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اپنی حاجات کا پورا کرنا
تمام لوگوں پر لازم جانتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ مجالس اور محافل کی توسیع اور توقیر اور تقدیم سب
لوگ میرے واسطے کریں۔ جب اسکا سر ردیہ اخلاق کی سولی پر چڑھ جاتا ہے۔ اور اسکی عقل اوصاف
خبیثہ کی مغلوب ہو جاتی ہے۔ تو تکبر اور عجب اور غرور کے آثار اسکے افعال اور اقوال کے ظروف سے
ٹپکنے لگتے ہیں۔ بلکہ جبار کے دبدبہ کا خوف اسکے باطن سے دور ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے اختیارات سے
وہ بیفکر ہو جاتا ہے جسکا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسروں کو گنہگار جانتا ہے
یہی علامت ہلاک ابدی کی ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جب تم سنو۔ کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے۔ کہ لوگ تباہ ہوگئے۔ تم یہ جانو
کہ وہ سب سے زیادہ ہلاک ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں غرور اور عجب کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ امر سب سے برا ہے

کہ نہایت بیعقلی اور کند فہمی سے واقعات گذشتہ اور حوادثات ماضیہ پر فخر کرے۔ اور کہے کہ فلانے شخص نے میری نسبت یہہ کہا تہا۔ وہ اس بلا میں گرفتار ہوگیا۔ گویا اپنی کرامت میں یہ بات داخل کرتا ہے۔ اس بیوقوف کو اتنی تو سمجہہ نہیں۔ کہ کئی ہزار بدبختوں اور ملحدوں نے خدا اور رسول کو برا بھلا کہا۔ اور کتنے ہی فریق بدبختوں اور کافروں نے انبیا کو جان سے مارا۔ گالیں دیں۔ اور قتل کیا۔ اور ایذا پہونچائی۔ اللہ تعالےٰ نے انکو تو عذاب نہ کیا۔ بلکہ مہلت دی۔ چنانچہ بعض انمیں سے نعمت ایمان حاصل کر چکے۔ دین اور دنیا میں کسی قسم کا مکروہ انکو نہ پہنچا۔

یہ بدبخت مغرور نہایت جہالت سے اور نفس خبیث کی شامت سے اپنے آپ کو انبیا علیہم السلام سے بھی فاضل اور کامل جانتا ہے۔ جب وہ احکام الٰہی کے اجراء کو اپنی کرامت جانتا ہے۔ تو وہ اس بات کے سزاوار ہے کہ اس بدبخت کی داڑہی پر شیطان خندہ زنی کرے۔ اور رہبان اور یہود اور نصاریٰ اسکے افعال کے نتیجہ سے شرم کریں۔ اگر ایک آدمی کی عمر نوح جتنی ہو۔ اور وہ اپنی تمام عمر کو عبادت میں گذارے اور اس مدت میں ایکدم بھی غفلت نہ کرے۔ اگر وہ اپنی اس عبادت پر ایک لحظہ بھی ناز اور فخر کرے تو اسکو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو خلقت کا نہایت ہی بدکار اور شرمسار جانے۔ اور وہ شخص دین کی سعادت کی بنیاد کو جہالت کے تبر سے اُکھیڑتا ہے۔ اور اپنے اعمال کے ضائع کرنے میں عجب اور تکبر کے قدموں سے دوڑتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارک وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ نازل ہوئی۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول مقبول سے سوال کیا۔ کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے کیا یؤتون ما اتو سے یہ مراد ہے۔ ھُمُ الَّذِیْنَ یَسْرِقُوْنَ وَیَشْرَبُوْنَ ویزنون یعنے وہ لوگ جو چوری کرتے ہیں۔ اور شراب پیتے ہیں۔ اور زنا کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ اے بنت صدیق نہیں ہے بلکہ یُؤتون سے مراد وہ لوگ ہیں جو یصومون ویصلون ویتصدقون ویخافون ان لا تقبل عنھم جو روزے رکھتے ہیں۔ اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اور صدقہ دیتے ہیں۔ اور پھر ڈرتے ہیں کہ شاید اُن سے قبول نہو

بعض مفسرین کے نزدیک یُؤتون سے مراد یعطون ہے

العزیز اُس مستغنی اور بے نیاز مطلق کی بارگاہ میں مقدسان ملاء الاعلی کی عبادت خیال و بازی ہے جسجگہ دریائے قدم کالہریں اور موجیں مار رہا ہے۔ وہاں تمام کائنات کے اعمال عدم میں داخل ہیں۔ اور جسجگہ جباری جھکڑ کے بگولے چلتے ہیں۔ وہاں مقربین کامل کے عزت اور شرافت سراسر ذلت اور خواری ہے۔ اس دردجان گداز اور اس راستہ بے یار و مددگار اور بے زاد کا علاج یہ ہے۔ کہ اپنے آپ سے اور اپنے اعمال سے آنکھیں ڈھانپے رکھے۔ اور کیئے ہوئے کو نہ کیا ہوا سمجھکر ندامت کی آگ میں جلتا رہے۔ اور معلم غیب سے یہ سیکھے کہ علم اللہ خلقکم وما تعملون۔ اور جان کی شمع کو محبت اور عرفان کے نور سے روشن کرے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کمال عقل کی نشانی یہ ہے کہ تمام خلقت کو اپنے آپ سے اچھا جانے تب اپنے سے کسی کو اعلے درجہ پر دیکھے۔ تو اُس مولا پاک کی درگاہ میں امیدوار ہو۔ کہ آپ اسکو بھی اس درجہ پر پہنچاوینگے۔ جب اپنے آپ سے کسی کو کم درجہ پر دیکھے تو کہے کہ ضرور یہی سمیں کوئی نہایت عجیب راز ہوگا جو اسکی نجات کا باعث ہوگا۔ اور کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا کیا انجام ہوگا۔ ان باتوں کو جاگیر ہونیسے تکبر کی بُری عادتیں اسکے باطن سے زائل ہو جاتی ہیں۔ اور تواضع اوسکی صفت ہو جاتی ہے۔ جس عالی مکانی کو وہ تکبر کے ذریعہ ڈھونڈتا تھا۔ اور حاصل نہ کرسکتا تھا۔ اور اللہ کے نزدیک مذموم ہو رہا تھا۔ اور اسکو ایک شیطانی چوہ نقصان میں دھکیل رہا تھا۔ اب وہ تواضع میں بلا درخواست جو چاہے حاصل کرے۔ وہ اسکے کمال کا سبب ہوگا۔ چنانچہ شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جسنے تواضع اللہ واسطے کی اللہ تعالے اسکا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر بندہ کیواسطے دو فرشتے مؤکل ہیں۔ جو اسکی ہمت کے بازوں کو تھامے کھڑے ہوئے ہیں۔ جب وہ بندہ اپنے نفس کو تکبر کیطرف لیجاتا ہے۔ اسکی مہار کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا اللہ اسکو پست کر۔ اور جب وہ عاجزی کرتا ہے تو کہتے ہیں۔ یا اللہ اسکا مرتبہ بلند

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جسنے فروتنی کی۔ اللہ اُسکا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ اور جو شخص تکبر کرتا ہے اسکو خوار کرتا ہے۔ اور جو خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے۔ اللہ اسکو غنی کر دیتا ہے۔ اور جو فضول خرچی سے کام لیتا ہے۔ اللہ اسکو محتاج کر دیتا ہے۔ اور جو شخص خدا کی یاد بہت کرتا ہے۔ آپ اسکو محبوب بناتے ہیں

ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کیطرف وحی نازل کی۔ کہ ہم اس شخص کی نماز قبول کرتے ہیں۔ جو ہماری عظمت کا مشاہدہ کرتے ہوئے مسکینی یعنے عاجزی کیطرف آتا ہے۔ اور ہمارے بندوں پر بڑائی نہیں جتلاتا۔ اور دل کے شیشہ کو خوف کے صیقل سے روشن رکھتا ہے۔ اور ورزات ہماری یاد میں گذار دیتا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کو صرف ہماری خوشنودی کی خاطر روکے رکھتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام فرماتے تھے۔ کہ ان فروتنوں کا حال بہت ہی خوش ہے۔ جو قیامت کے دن منبر پر ہونگے۔ اور ان صلح کرانے والوں کا حال بہت ہی اچھا ہے کہ جو قیامت کے دن بہشت کے اعلے جھروکوں میں ہونگے۔ اور بہت ہی خوش وقت ہے۔ ان لوگوں کا جو دل کو غیر کے غبار سے پاک کر چکے ہیں۔ وہ دار البقا میں خدا کے دیدار سے مشرف اور ممتاز ہونگے

نقل ہے۔ کہ ابن سماکؒ ہاروں رشید کی مجلس میں آیا۔ اور کہا کہ اے امیر المومنین تیری خلافت اور بادشاہی سے تیری تواضع زیادہ شریف تر ہے۔ ہاروں نے کہا آپنے بہت اچھا کہا۔ کچھ اور بھی آپ فرمایئے۔ پھر کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ جسکو مال اور جمال اور بزرگی دیتا ہے۔ اگر وہ اس مال سے بندگان خدا کی غمخواری کرتا ہے۔ اور جمال میں پارسا رہتا ہے۔ اور بزرگی میں تواضع کرتا ہے۔ تو دیوان آلہی کے دفتر میں اسکا نام مقرب مخلصوں میں لکھا جاتا ہے۔ ہارون نے کہا کہ اس بات کو آب زر سے لکھدو۔

ایعزیز جاننا چاہیئے۔ کہ تواضع ارباب یقین کے مقامات سے ایک مقام ہے۔ اور منازل الیقین سے ایک منزل ہے جیسا کہ حسن خلق کے باب میں آپ دیکھ آئے ہو۔ کہ ہر ایک مقام کے دو پہلو ہیں دو مذموم ہیں اور درمیانہ محمود ہے۔ ایسا ھی تواضع کے بھی دو طرف ہیں۔ ایک طرف کا نام افراط ہے۔ جسکو تکبر کہتے ہیں۔ دوسرے تفریط ہے جسکو خوشامد بیجا اور خسران سے پکارا جاتا ہے۔ ہاں وسطے کا نام تواضع ہے افراط تفریط کی طرفیں مذموم ہیں۔ اور حد وسطے محمود ہے۔ اور یہ معنے جو ذکر کیئے گئے ہیں افراط کی طرف کی شرح ہے اسکو تکبر کہتے ہیں مذموم ہے۔ اور تفریط کی طرف جسکو بیجا خوشامد سے پکارا جاتا ہے مذموم ہے۔ مثلاً اگر چوہڑا یا چمرنگ کسی علما دین کے پاس آ جاوے۔ اور عالم اسکی تعظیم

میں سر و قد کھڑا ہو جاوے۔ اور اپنی مسند پر اسکو بٹھالیوے۔ اور اسکا جوڑا جھاڑ کر اسکے آگے رکھدے اس قسم کا عجز نہایت ہی مذموم ہے۔ یہ غایت درجہ کی تفریط ہے۔ جو نہایت ہی مذموم ہے۔ اور اخبار نبوی میں آیا ہے۔ کہ مومن کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے۔ وہ اسی حالت محمودکیطرف اشارہ ہے اس کا رعایت کرنا اعتدال کی حد ہے۔ تواضع کرنا بھائیوں اور قریبیوں کے ساتھ محمود ہے۔ مگر کمینوں اور رذیلوں کے ساتھ اسطرح پیش آنا خساست سے خالی نہیں۔ انصاف کی یہ بات ہے کہ لوگوں کے قدر کے مطابق ہر ایک کے ساتھ ایساہی معاملہ کرے۔ جسکا وہ سزاوار ہے۔ اور کناس اور جوہڑے اور چمرنگ کے ساتھ عالم کی تواضع اسطرح ہونی چاہیئے۔ کہ خندہ پیشانی سے اسکو ملے۔ اور سخن نرم کرے۔ اور اسکے سوال کا جواب نہایت ملائمت اور نرمی سے دے۔ اور جو اسکا کام ہو حتے الوسع جلدی سے تیار کردے۔ جب یہ بات بلا تکلف اس سے ظاہر ہو۔ اور ان افعال کی رعایت نہایت سہل طور سے عالم بجا لاوے۔ تو جاننا چاہیئے کہ حد اوسط یعنے صراط مستقیم کے وہ نزدیک آگیا ہے۔ اور امور کی وضع (جیسے کہ شائستہ اور بائستہ ہونی چاہیئے) اپنے محل ورمقام پر میسر ہوگئی ہے۔ تکبر اور تواضع کی ماہیت اور کیفیت مختصر طور پر اتنی ہی کافی ہے۔ جو بیان کی گئی ہے۔ مگر قوت غضبی کی مذمت کی شرح اور اسکی آفات کی حقیقت اور اسکے اسباب اور اسکے دور کرنے کا علاج اور عفو اور حلم کی فضیلت ایک طوالت رکھتی ہے۔ اسباب میں ہر ایک کی حقیقت پر مختصر ایما کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالے۔

ابن عمر نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام سے مینے پوچھا۔ کہ وہ کون چیز ہے۔ جس سے خدا کا غضب مجھہ سے ٹل جاوے۔ آپنے جوابدیا۔ کہ تمکو چاہیئے کہ کسی پر ناحق غصہ نہ کیا کرو۔

ابن مسعودؓ نے روایت کی کہ رسول علیہ السلام نے صحابہ سے پوچھا کہ آپکے نزدیک مردانگی کسکو کہتے ہیں۔ مینے عرض کیا کہ جسکو کوئی آدمی قوت اور دلیری سے نہ گرا سکے۔ آپنے فرمایا۔ یہ جو تمنے تصور کیا ہے۔ یہ امر مجازی ہے۔ اور اہل تحقیق کے نزدیک خیال اور بازی ہے۔ قوت مردانگی

اصل وہ ہوتی ہے کہ اسکا حلم اور رشتہ غضب کے دیو کو بچھاڑ کر مار ڈالے۔

ابوہریرہ نے روایت کی کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے وہ تھوڑا سا عمل فرمائیں جس سے میری نجات ہو جاوے۔ آپنے فرمایا کہ غصہ کو پی جاؤ۔ پھر اسنے بھی پوچھا۔ آپنے اسکو یہی جواب دیا۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جو شخص نفس کی باگ غضب کے دیو کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اللہ کے غضب کی آگ اسکو دوزخ کے کنارہ پر لا ڈالتی ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے دن سخت مشکل کیا چیز ہوگی آپنے فرمایا کہ جبار کا خشم اور غضب۔ پھر اُسنے عرض کیا کہ کونسی چیز اس گرفتاری سے نجات دے گی آپنے فرمایا کہ کسی شخص پر ناحق غصہ نہ ہونا۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غصہ آگ کی ایک شرر ہے۔ جسنے اسکو حلم کے پانی سے بجھا دیا اللہ تعالے اُسکو درجات اعلے پر پہنچا دیتا ہے۔

اے عزیز غصہ ایک آتشین قوت ہے۔ اللہ تعالے نے اپنی حکمت کاملہ سے مضرت کے دفع کرنے کے واسطے نوع انسان کی جبلت میں اسکو مرکوز کر دیا ہے۔ اور اُسکی نار بہ حقیقت مزاج طبعی کے نیچے مدفون ہے جیسا کہ آگ راکھ کے نیچے ہوتی ہے۔ اور اس قوت کا خاصہ ہے۔ کہ ہمیشہ انتقام لینے پر تیار رہتی ہے جب اُسکے کسی مقصود کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ تو اُس نقصان کے احساس سے وہ آتشی مادہ بھڑک اُٹھتا ہے بلکہ دل کے اور تمام رگوں کے خون کو جوش میں لے آتا ہے۔ اور بدن کے حصہ اعلے میں چڑھنے لگتا ہے اور اُسکا اثر انسانی بشرہ پر جو بمنزلہ شیشہ کے ہے نمودار ہوتا ہے۔ اور اسکا ظہور تین طرح پر ہے۔ صورت اول یہ ہے کہ غصہ اپنے سے کم درجہ پر ہوتا ہے۔ اور غصہ کرنے والا مغضوب علیہ سے قوی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں خون کا اثر ظاہر بشرہ پر مرتفع ہوتا ہے۔ اور اُس خون کی سرخی کا اثر آنکھ اور پیشانی پر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر غضب کا واقع ہونا اُس شخص پر ہو جو اُس سے ہر ایک پہلو میں زور آور ہے اور بدلہ لینے میں غضب نومیدی کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس حال کے اثر سے خون کا مادہ دل کے جوف میں بند ہو جاتا ہے۔ اور ایک زرد رنگ اُسکے بشرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسکا حال کا نام خوف ہے۔ اور حال اول

کو قہر کہتے ہیں۔ اگر غضب اپنے مساوی پر ہو اور بدلہ لینے میں طبیعت مترود ہو تو اس تردد کا اثر خون میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی منبسط ہو جاتا ہے۔ اور کبھی منقبض اس سبب سے بشرہ کا رنگ کبھی سرخ ہوتا ہے۔ اور کبھی زرد۔ اور اضطرابی صورت نمودار ہوتی ہے۔ اور اس قوت کے بھی اور قوتوں کیطرح تین درجے ہیں۔ افراط۔ اور تفریط اور اعتدال افراط یہ ہے کہ یہ صفت ایسی غالب ہو۔ کہ عقل اور شرع کی حد سیاست سے تجاوز کر جائے۔ اور آدمی کی بصیرت کو ڈھانپ دے۔ اور اسکو مسلوب الفکر و بیاختیار کردے۔ اس غلبہ کا سبب امر طبعی غریزی ہوتا ہے۔ یا حد سے باہر غریزی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص اصل فطرت میں حرارت مزاج کے واسطے جلدی غصہ کا مستعد ہوتا ہے۔ اور اسکی علامت اسکی صورت سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص اس کی طرح وضع دیکھتا ہے۔ فوراً کہدیتا ہے۔ کہ یہ غضبناک ہے اور اس حال کا غلبہ مزاج کی تبرید سے کم ہو جاتا ہے۔ لیکن سبب عادی یہ ہے۔ کہ وہ شخص ایک ایسی قوم کے ساتھ میل ملاپ کرتا ہے۔ جو اس صفت کی زیادتی پر فخر مارتے ہیں۔ اور وہ درندوں کے اوصاف کو مردانگی اور بہادری سمجھتے ہیں۔ اور فخریہ اسکو یاد کرتے ہیں۔ اور جب عام جاہل اسکو سنتے ہیں اپنی کورانہ طبیعت اور ناقص حالتیں اسکو کمال خیال کرتے ہیں۔ اور اس صفت کی تقویت کی ارادت انکے باطن میں ظاہر آتی ہے۔ اور یہ قوت انکے باطن میں راسخ و مضبوط ہو جاتی ہے۔ اور بعض کی حالت تو ایسی ردی ہو جاتی ہے۔ کہ اس خون کی شدت سے ایک دہواں نہایت ہی سیاہ انکی دماغ میں (جو فکر اور عقل کا مقام ہے) چڑھ جاتا ہے۔ اور فکر اور حس کی معاونوں کو مطلق سیاہ اور بے نور کر دیتا ہے۔ اور اسکے آتشی مادہ کا غلبہ آنکھ اور ناک اور کانوں کو مصالح کے ادراک اور نصائح کے استماع سے بالکل بے بہرہ کر دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ غضب کے غلبہ سے تمام جہان اسکی آنکھوں میں تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس قوت کی ناریت اسدرجہ پر شعلہ اٹھاتی ہے۔ کہ رطوبت غریزی کو جسپر زندگی کا دارومدار ہے تباہ کر دیتی ہے۔ اور ہلاکت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ حالت اسموقعہ پر ہوتی ہے۔ کہ خوف غضب کے قرین ہو جاتا ہے۔ اگر یہ قوت بالکل ہی نہ رہے یا کمزور ہو جاوے اسکو تفریط کہتے ہیں۔ اور یہ دونو صورتیں مذموم ہیں۔ کیونکہ اگر

صورت سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہو کر دیوث بنا دیتی ہے۔ اور جسمیں حمیت اور غیرت نہ ہو وہ ناقص ہے۔ اسواسطے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے زبان درفشان سے فرمایا ہے۔ ان سعدا لغیور وانا اغیر من سعد واللہ اغیر منی۔ یعنے سعد بن عبادہ غیور ہے۔ اور میں اُس سے زیادہ غیور ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ اس سے ظاہر ہے حمیت اور غیرت کا نشان غلظت میں ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو خشونت ہے۔ اور خشونت کا نشان حمیت اور غیرت کا نہ ہونا ہے۔ جبکہ وہ منکرات کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کی عورت یا ماں یا بہن کے ساتھ تعرض کر رہا ہو۔ یا خسیسوں سے ذلت برداشت کر رہا ہو۔ یہ سب باتیں اس امر پر دال ہیں کہ اُسکی طبیعت میں جمودت ہے۔ اور نفس میں خساست ہے۔ اور قدر کی اہانت اور حال کا نقصان ہے۔ اور اس نقصان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس نقصان کے آفات کے سطالعہ کیواسطے رسول علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میری امت کو بہترین وہ تیز طبع ہیں جو جلدی غضب کرتے ہیں۔ اور فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جسکی قوت غضبی مفقود ہو جاتی ہے وہ نفس کی ریاضت اور راہ سعادت کے چلنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خردمند صرف غضبی قوت کے غلبہ سے قوائے شہوانی کو شہوات خسیسہ کے رجوع سے ہٹا دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوائے شہوانی کی قوتیں جو غضبی قوت پر متسلط ہو جاتی ہے۔ اس قوت کے غلبہ سے توڑ دیتا ہے۔ اگر درحقیقت دیکھا جاوے۔ تو یہ دونو قوتیں طالب کے دونو بازو ہیں۔ اگر وہ اپنی حرکت کو معتدل رکھیں۔ تو الٰہی قرب کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے اور انہی کے وسیلہ سے کمال معرفت حاصل کرتا ہے۔ جیساکہ قوت غضبی کا زیادہ ہونا مذموم ہے۔ ایسا ہی اسکا نہ ہونا بھی مذموم ہے۔ اور حد اعتدال کو محمود کہتے ہیں۔ اور اعتدال کا نشان یہہ ہے۔ کہ یہ قوت شرع اور عقل کی اشارت کی منتظر رہتی ہے۔ اور شرع اور عقل اس کو محل حمیت کی طرف لے آتی ہے۔ اور جب حلم اور عفو اور عقل اسکے تسکین کرتے ہیں۔ تو اسکی ناریت بالکل بجھ جاتی ہے۔ اور جو شخص اس قوت کا فتور اپنے وجود میں معلوم کرتا ہے۔ مثلاً غیرت نہ رہے۔ یا نفس میں خست پیدا ہو جاوے

یا خواہ مخواہ خواری اور بے عزتی کا عادی ہوجاوے۔ تو ضرور ہے کہ اسکا علاج اسطرح کرے۔ کہ کوئی ایسا دوا کرے جسمیں قوت غضبی بھڑک اُٹھے۔ اور جو شخص اپنے وجود میں یہ دیکھے۔ کہ قوت غضبی زوروں پر ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً حدود شرع سے طبیعت متجاوز ہورہی ہے۔ اور فوحش تک نوبت پہنچ رہی ہے۔ تو ایسے موقعہ پر غضب کے غلبہ کا علاج کرنا چاہیئے۔ کوئی ایسا علاج کرنا چاہیئے۔ کہ اسکا غلبہ ٹوٹ کر حد اعتدال پر آجاوے۔ یہ حالت جو ہمنے بیان کی ہے۔ چہار حالتوں سے میسر آتی ہے۔ حالت اول یہہ ہے کہ رضا پر نظر رکھنا۔ دوم حکمت پر دھیان کرنا۔ سوم توحید کا غلبہ ہونا۔ چہارم علم اور عمل کی معجون سے علاج کرنا۔ اب ہم ان چار حالتوں کو تھوڑا سا مفصل بیان کردیتے ہیں۔ حالت اول یہ ہے کہ حضرت صمدیت کی رضا پر نظر ہو۔ اور یہ اسطرح ہوسکتا ہے کہ وہ سمجھ لے کہ میرے مولا کی رضا اسمیں ہے۔ کہ اُسکے بندوں پر غضب نہ کرے۔ جب اُسکی رضا میں طلب کی صداقت ہوجاویگی۔ تو غضب کی آگ کی بھڑک فوراً بجھ جاوے گی۔

حالت دوم یہہ ہے کہ جانے کہ میرے مولا کے جتنے کام ہیں۔ کوئی بھی انمیں سے حکمت سے خالی نہیں اور مولا پاک کی حکمت کاملہ کا یہ تقاضا ہے کہ جسطرح جس کام میں بندہ کی بھلائی متصور ہوتی ہے وہی بندہ پر مقرر کرتے ہیں۔ خواہ وہ تقدیر اسکو ہلاک صوری تک پہنچاوے جو دوسرے معنوں میں اسکی سعادت ابدی کے حصول کا باعث ہوگی۔ پس اسبات کا دیکھنا ہی اس غضب کے غلبہ کو بند کردیتا ہے۔ حالت سوم یہ ہے کہ عرصہ وجود میں جو کچھ ہوتا ہے۔ خواہ خیر ہو یا شر۔ اچھا ہو یا برا۔ عزت ہو یا خواری۔ محنت ہو۔ یا نعمت۔ شادی ہو یا غم۔ نفع ہو یا نقصان۔ زیادتی ہو یا زیان۔ ان سب کو عین الیقین کی آنکھ سے اسی مولا پاک کیطرف سے دیکھے۔ اور تمام افراد اور اشخاص کو اسی کے قدرت کے قبضہ میں ایسا دیکھے۔ جیسا کہ قلم کاتب کے ہاتھ میں مسخر اور مقہور ہوتا ہے۔ اس حال کو ہم غلبہ توحید کہتے ہیں۔ اگر اس نظر کی قوت دیکھے جاوے۔ تو معلوم ہوگا کہ غضب کی آگ اس سے فوراً بجھ جاتی ہے۔ لیکن توحید کے نور کا غلبہ اس مرتبہ تک نادر ہوتا ہے۔ اور جسکو یہ سعادت حاصل ہوجاتی ہے اُسکی حالت بجلی چمکنے والی کیطرح ہوتی ہے۔ جب یہ حالت گذر جاتی ہے۔ تو نفس اپنی حالت پر

واپس لوٹ آتی ہے۔ اور پھر وسائط کیطرف التفات ہوجاتی ہے۔ اگر یہ حالت ہمیشہ رہتی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکے مناسب بلکہ انسب تھے۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ کبھی ایسا غضب ناک ہوتے تھے۔ کہ آپکی دونوں آنکھیں سرخ ہوجاتیں۔ اور آپ کے دونوں رخسار بھی کبھی سرخ ہو جاتے اور فرماتے تھے کہ میرے مولا میں بھی آدمی ہوں۔ ایسا ہی غصہ ہوتا ہوں جیسا کہ اور ہوتے ہیں۔ پس جس مسلمان کو غصہ کیحالت میں گالی دوں یا لعنت کروں یا ماروں اسکے حق میں یہ امور آمرزش کا باعث بنادے۔

حضرت امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایت کی۔ کہ رسول علیہ السلام دنیاوی لذات کی خاطر غصہ نہ فرماتے تھے۔ مگر جب دیکھتے کہ ایک شخص شرعی حدود کی مخالفت کر رہا ہے۔ ایسا غصہ ہوتے کہ آپکو کوئی شناخت نہ کرسکتا تھا۔ اور آپ کے غصہ کے روبرو کوئی شخص ٹھہر نہ سکتا تھا اور جبتک وہ باطل دفع نہ کر لیتے تھے آرام نہ آتا تھا۔

حالت چہارم یہ ہے۔ کہ غضب کی غلبہ اور تیزی کا علاج حاجت ہی۔ اور وہ پانچ چیزوں سی مقید ہوتی ہے۔ امر اول تو یہ ہے۔ کہ اپنے نفس کو جبار کے غضب اور عذاب سی ڈراوے۔ اور یہ دل سی کہے کہ میری قدرت سے میرے مولا کی قدرت زیادہ ہے اور آپکی جباری اور قہاری میرے غصہ سے بہت زیادہ ہے۔ اور جس شخص پر میں غصہ ہو رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہی الٰہی غضب کا باعث ہوجاوے اور وہ غضب میری گرفتاری کا باعث ہوجاوے۔ یہ گرفتاری بے نہایت معصیت اور بے غایت خواری ہے۔ اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ اے فرزند آدم اپنے غصہ کی حالت میں میری جباریت کو یاد کیا کر۔ تاکہ تیری گرفتاری کے وقت ہمارے کرم اور عفو کا بدرقہ تمکو رحمت سی یاد کریگا۔ دوسرا یہ ہی کہ غضب کی بیماری کے انجام کو سوچ اور عداوت کی آفات اور دشمن کے مقابلہ سے بدلہ لینے میں اور اسکے مطالب کے ملیامیٹ کرنے کے ظلم میں اس سی بچتا رہے۔ اگر یہ سب کام اسکے اعمال آخرت سی نہیں۔ تو وہ ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ ہاں جب اسکی نیت احتراز کرنے میں اسلیئے ہو کہ اسکا گذارہ پریشان نہ ہوجاوے۔ اور اسکی عبادت کی فراغت فوت نہ ہوجاوے۔ تو ضرور مستحق

ثواب ہوتا ہے

تیسرا یہ ہے کہ اس سبب میں تامل کرے جو ہمکو حلم اور عفو سے مانع ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ قوت غضبی کو بدلہ لینے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ سب شیطانی وسوسے اور دھوکے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ ارے میاں یہ جو تم حوصلہ کرتے ہو۔ لوگ تو تمہارے نامرادی خیال کرتے ہیں۔ یہ امر تمہاری خواری اور اہانت تک پہنچکر لوگوں کی آنکھوں میں تجھی حقیر اور بیمقدار کر دیگا۔ یہاں اسبات کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ کہ نفس کو اتنی بات ہی سمجھاوے۔ کہ قیامت کی خواری اور پردہ دری دنیا کی فضیحت سے بدرجہا مشکل ہے۔ اور اس ذلت سے ضرور بچنا چاہیئے۔ جو ملائکہ کرام اور انبیائے عظام کے روبرو ہوگی۔ اور لوگوں کے اُس مدح اور ذم سے کنارہ کش ہونا چاہیئے۔ جسکا نفع یا نقصان ہرگز نہ پہونچے گا۔ ہائے ہائے دین کے درجہ کا نقصان ایسی بدبختی ہے جسکی غایت نہیں۔

چہارم یہ ہے کہ جانے کہ میں جو گذشتہ معاملات نہ ہونے پر کُڑھ رہا ہوں۔ یہ صرف اسلیئے ہے کہ خدا نے یہ کام میرا میرے مراد کے مطابق کیوں نہیں کیا۔ یہ ایسا امر عظیم ہے۔ کہ وہ شخص اللہ جلشانہ کے ساتھ مقابلہ کر رہا ہے۔ اسکا اصل مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اپنے منشار کو مشیت ایزدی سے بہتر اور برتر جانتا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ بُرے کام سے جبار مطلق کا غضب اسکے اردگرد ہو جاتا ہے

پانچواں یہ ہے۔ کہ جن احادیث میں کظم اور غصہ اور عفو اور حلم کا ذکر آتا ہے۔ اُمیں تامل کرے اپنے نفس کو اسکے ثواب میں متوجہ کرے۔ تاکہ ثواب کی خواہشوں سے اسکے غضب کی آگ سرد ہو جاویگی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مسلمان صرف حوصلہ اور حلم کی خاطر انکا درجہ پاتا ہے۔ جو دن کو روزہ رکھکر اور تمام رات جاگ کر حاصل کرتے ہیں۔ اور غاصب متکبروں کا نام جباروں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے۔ خواہ وہ اپنے گھر کے سوا اور کسی پر حکومت نہیں رکھتے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص اپنا غصہ خلقت سے دور رکھتا ہے۔ مولا پاک اپنا عذاب اس سے دور رکھتے ہیں۔

آپنے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا غصہ اسحالت میں پی جاتا ہے۔ کہ اگر وہ چاہے تو اسکا بدلہ لے سکے۔ اللہ تعالےٰ اسکو قیامت کے دن امن اور ایمان کی بشارت سے مسرور فرماوینگے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص امیری کے نور اور حکومت کے غلبہ اور غضب کے جوش میں غصہ نہ پی جاوے۔ اور بیچارے عاجز اور غریبوں پر ظلم روا رکھے۔ اس بدبخت صفت کے آثار اسکے ابدی سعادت کی راہ کو بند کر دیتے ہیں اور مجمع کبراے قیامت میں وہ شخص ظلم اور ظلمت کی رسوائی کا گرفتار ہوگا۔

ایکہ شدی در رہِ غفلت سوار
آخر از انروز بیکے شرم دار

چند غبار ستم انگیختن
آبِ خود و خونِ کسان ریختن

ظلم شد امروز تماشاے تو
وائے بہ رسوائی فرداے تو

چند غرور اے دغلِ خاکداں
چند منی اے دو سہ من استخواں

ملک ضعیفاں بکف آوردہ گیر
مال یتیماں بہ ستم خوردہ گیر

روز قیامت کہ بود داوری
عذر بیاور کہ چہ عذر آوری

ایعزیز ظلم اور ستم اور غضب ردیہ صفات اور اخلاق خبیثہ سے ہیں۔ یہ سعادت کے دروازے کا قفل اور شقاوت کے رستہ کو راہبر ہیں۔ یہ سب کبر اور عجب کے فروع اور پھل ہیں۔ اور یہ دونو صفتیں صفاتِ مہلکات سے ہیں۔ انکا دور کرنا تمام بھائیوں پر فرض عین ہے۔ اور تکبر کی بیخکنی کی مجرب دوا ہے۔ اور نفس امارہ کے ہلاک کرنے والا۔ اور عجب کے درخت کو دل پریشان سے اُکھیڑنے والا دو اصل سے مرکب ہے۔

اصل اول میں نفس کے عیبوں کی واقفیت اور اسکی ذلت اور خواری اور حقارت اور ضعف اور عجز اور اسکے آفات کی شناخت ہے۔

اصل دوم میں حضرت ربوبیت کی معرفت اور آپ کی عظمت اور کبریائی کی واقفیت اور عزت اور جلالیت اور عالی درجہ اور کمالیت کی حکمت اور احکامات کے جاری کرنے کی قدرت معلوم ہوتی ہے

جو شخص ان دونوں اصول کے اسرار اور حقائق پر واقف ہو جاوے۔ ضرور ہی اسکے نفس میں تواضع اور انکسار پیدا ہوتی ہے۔ اور خوف اور خشیت اسپر غالب آجاتی ہے۔ اور حلم اور حیا اور رحمت اور ترقی اور مہربانی سے موصوف ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ چونکہ ہر ایک آدمی کی ہمت کا جانور یہ حوصلہ نہیں رکھتا۔ کہ عالم ملکوتی اور جبروتی کے فضا میں فراٹے بھر سکے۔ اسلیئے اتنا تو ہو سکتا ہے کہ اسرار ذات کے قطروں اور صفات عظمےٰ کے چھینٹوں سے جو مکاشفات کے بے کنار سمندر سے اُٹھتے ہیں مستفیض اور مستفید ہو سکے۔ اور اصل اول کے یاد رکھنے سے جسمیں عیوب کی معرفت اور نفس کی آفات کی پہچان ہے غافل نہ رہے۔ اللہ تعالےٰ نے راہ ہدایت کے چلنے والوں کی تنبیہ کے واسطے اور عنایت کی خوشبوؤں کے فیض کو قبول کرنیوالوں کی آگاہی کے واسطے نفوس انسانی کے ابتدائے اور انتہائی مراتب کو اور اسکے آفات اور عیوب اور حقارت اور اہانت کا خاکہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بیان فرمایا ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَہٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ مِنْ نُّطْفَۃٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ ان آیات میں اشارت واضح اور بیان لائح ہے جسمیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مراتب اولے اور اوسط اور آخر کی کیفیت اور نفوس بشری کے حالات کیا ہیں۔ پس کامل عقلمند کو چاہیئے۔ کہ بصیرت کے نور سے اس آیت کے اسرار میں تامل کرے۔ اور اپنی اولیت اور اوسطیت اور آخریت کے حالات کو ان سے مشاہدہ کرے۔ انسان کو سمجھنا چاہیئے۔ کہ میرے موہوم وجود بمقدار کے پیدا ہونیسے پہلے کتنے ہزار سال اور کئی قرنیں گذر چکی ہیں۔ کہ میرا وجود موہوم بالکل۔ عدم کے پردہ میں معدوم اور منعدم تھا۔ اور وجود کے صفحہ پر میرا کوئی نام اور نشان بھی نہ تھا۔ اور جبکا سابق زمانہ عدم ہو اس سے زیادہ حقیر اور بے مقدور کون ہے۔ پس حکمت بیچون نے قدرت کن فیکون سے میرے اصل وجود کو خاک کے لباس سے پیدا کیا۔ اور اس خاک سے جو اخس اور احقر موجودات سے ہے۔ اور پھر میرے خاکی اصل کو چندے ایام نطفہ خوار کر یہ دیدار کی

صورت دی۔ پھر میرے جسم کی بنیاد علقہ مردار پر رکھی۔ اور پھر اس علقہ کو مضغہ بنایا اور اسکے
اجزاء کو ہڈیوں سے مضبوط کیا اور ہڈیوں کو گوشت اور پوست سے آراستہ کیا۔ یہ انسانی حالات
کا ابتدا ہے۔ کہ اس عدم محض کو نہایت ذلیل چیزوں سے نکالا۔ اور نہایت ردی اور بری صفتوں
سے اسکو مخلوق کیا۔ آدمی کو اسطرح جاننا چاہیئے۔ کہ اوسکی ابتدائے پیدائش پتھر ہے۔ اور پتھر بھی
بیجان جسمیں نہ حیات تھی۔ نہ سمع نہ بصر نہ حس نہ حرکت۔ نہ بولنا۔ نہ حملہ کرنا اور نہ علم۔ اور نہ قدرت
تھی۔ اُس مولا پاک کی کمال حکمت ہے۔ کہ انسان کے نقصوں کو اسکی بھلائیوں پر مقدم رکھا
یعنے انسان اول بالکل نابود تھا۔ پھر اسکو حیات بخشی۔ پہلے بہرا تھا پھر اسکو شنوائی دی
پہلے اندھا تھا۔ پھر اسکو بینائی دی۔ پہلے ضعیف تھا پھر قوت عطا
فرمائی۔ پہلے جاہل تھا۔ پھر علم دیکر عالم بنایا پہلے گنگ تھا۔ پھر گویا بنایا
پہلے بھوکھا تھا۔ پھر اسکو سیر کر دیا۔ پہلے ننگا تھا۔ پھر اسکو لباس دیا۔ پہلے گمراہ
تھا پھر درجہ ہدایت پر پہنچایا۔ یہاں تک اللہ تعالے نے اپنے انعام اور افضال
کے یقین سے سمجھدار بنایا۔ تاکہ عبودیت کے آداب کو اپنے پر ضروری سمجھے
اور کبر اور عُجب کو اپنے پاس نہ بھٹکنے دے۔ اور مخلوق خدا پر ظلم اور ستم
کر کے کفرانِ نعمت نہ کرے۔ اور یہہ امر اچھیطرح سے معلوم کرے۔ کہ عزت اور
تعریف اور دوام اور بقا اُس مولا پاک کے سوا اور کسی کے شایاں نہیں
ہے۔ اور ایک کم درجہ خسیس کو فخر اور ناز اور تکبر مناسب نہیں ہوتا۔ اگر
اس ضعف اور حقارت اور نقصان اور خساست میں امور معیشت اسکے سپرد
ہوتے۔ یا وہ اپنے وجود کے قائم رکھنے میں کچھ بھی اختیار رکھتا۔ تو اسکو عجب
اور طغیان اور تکبر اور کفران کرنے کی پھر بھی گنجایش ہوتی۔ لیکن عزت
کے شحنہ نے اُسکے ہاتھ میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھا۔ اور مراد کی کلید اسکے سپرد
ہی نہیں کی۔ بلکہ اسکے وجود کو آفات اور بلیات کے تیروں کا نشانہ بنایا۔ اور

خوفناک امراض اور لاعلاج بیماریاں۔ اور مختلف تکلیفوں نے اوسکی متضاد طبیعتوں کو اسیر چھوڑ دیا۔ خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے بعض اجزا ہی بعض کو خراب اور خستہ کر دیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ مادۂ صفرا بلغم پر غالب ہو کر صفراوی بیماریاں مثلاً دق۔ اور یرقان۔ اور سردرد پیدا کر دیتا ہے۔ اور کبھی بلغم صفرا پر غالب ہو کر امراض بلغمی مثلاً القوہ۔ فالج برص وغیرہ عارض ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی سودا، بلغم پر غالب آجاتا ہے۔ تو سوداوی بیماریاں مثلاً امراض طحال۔ یا جنوں۔ یا مالیخولیا پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی بلغم سودا، پر غالب آکر سرد بیماریاں مثلاً استسقا، زکام۔ نزلہ کھانسی اور داء الفیل وغیرہ میں گرفتار کر دیتا ہے۔ انسان کو نہ تو نفع حاصل کرنے میں لیاقت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی شر کو دفع کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ عجیب معاملہ یہ ہے۔ کہ جب انسان سیر ہونا چاہتا ہے۔ تو گرسنہ رکھا جاتا ہے۔ اور جب وہ ٹھنڈا پانی مانگتا ہے تو پیاسا ہی رکھا جاتا ہے۔ اور اگر وہ کسی مرغوب چیز کو یاد رکھنا چاہتا ہے تو اسکو فراموش کیا جاتا ہے۔ اور جب وہ مکروہات سے گریز کرتا ہے تو جبراً اور کرہاً اوسکو اون مکروہات میں دھکیلا جاتا ہے۔ جس کھانے کو وہ چاہتا ہے طبیعت اسکو قبول نہیں کرتی۔ اور جب وہ غموں سے دور رہنا چاہتا ہے۔ تو غموں کے دریا میں ڈبویا جاتا ہے۔ نہ ہی اسکا دل قبضہ میں ہوتا ہے۔ اور نہ ہی نفس کو پہچان سکتا ہے۔ اکثر ان چیزوں کی وہ خواہش کرتا ہے۔ جسمیں اسکی ہلاکت ہوتی ہے۔ اور جن چیزوں سے وہ بھاگتا ہے۔ انہی میں اسکی حیات کا دار و مدار ہوتا ہے ہر ایک گھڑی اسکے قوتوں کے سلب ہونے کے درپے ہوتی ہے۔ اور ہر ایک منٹ اسکے اعضا کے بھلائی کے خطرہ میں ہوتا ہے۔ عقل کو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں مفقود نہ ہو

اور ہر ایک پل میں اسکی روح کو ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور وہ ہر وقت صحت
کی حالت میں نفس اور ہوا کا اسیر اور بیماری کی حالت میں درد اور تکلیفوں
کی بند کا قید ہوتا ہے۔ اسکا سونا غفلت اور جدائی کا مثمر اور اسکا جاگنا
ہموم اور احزان کا مورث ہوتا ہے۔ اوسکی دولتمندی سرکشی کو چاہتی ہے
اور اسکی غریبانہ حالت ذلت اور خواری کی جڑھ ہو جاتی ہے۔ ایک مکھی کو بدن
سے اڑا نہیں سکتا۔ اگر اسکے کان میں ایک چیونٹی گھس جاوے۔ اس سے ششدر
اور حیران ہو جاتا ہے۔ پھر ایسی حالت میں کونسا گرا ہوا ہے جو اس سے زیادہ ذلیل
ہے۔ اور کون شخص ہے جو اس سے زیادہ خوار بمقدار ہے۔ یہ حالات جو ہمنے بیان
کیئے ہیں۔ اُسکے ظہور کے ابتدائی اور درمیانہ حال ہیں۔ لیکن اسکا اخیری حال
جسکو اللہ تعالےٰ نے اس آیت کے آخر بیان فرمایا ہے۔ یہ ہے ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ثُمَّ
اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ یعنے اُسکا آخری حسی وجود کا یہ حال ہوتا ہے۔ کہ اس سے نفس اور عقل
اور روح اور سمع اور بصر اور علم اور قدرت اور حس اور حرکت بمعہ تمام قوائے طبعی اور
نفسانی اور حیوانی جو تجلی وجودی نے اسکے پاس امانت رکھے ہوئے تھے اس سے چھین
لیتے ہیں۔ اور وہ پھر پتھروں کیطرح پہلے حال پر رہ جاتا ہے۔ اسلیئے اسکے کریہ مردار کو
خاک میں چھپا دیتے ہیں۔ اور وہ جسم جسکو ناز و نعمت سے پالتا تھا۔ سانپ اور چیونٹیوں
کی خوراک بنجاتا ہے۔ اور اسکا نازک جسم خاک کے طبقوں کے جیلخانہ میں جا پڑتا
ہے۔ اور زمانہ کا ہاتھ اسکی ہمت کے بازوں کو فنا کے زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے۔ کئی ہزار
سال اور قرون بیشمار اسکی خاک پر گذر جاتے ہیں۔ کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو اسکا
نام دنیا کے دفتر میں پڑھے۔ بلکہ موجودات سے کچھ بھی اثر اسکے نام اور نشان سے
نہیں رہتا۔ کبھی کوزہ بنانے والے اسکی خاک سے کوزے بناتے ہیں۔ اور جب وہ کوزہ ٹوٹ
جاتا ہے۔ تو اوسکی ٹھیکریاں گندہ اور ناپاک جگہہ میں پھینک دیتے ہیں۔ باوصف

ان باتوں کے اسکو یہ خواہش دلمیں اُٹھتی ہے۔ اگر مشیت کا حاکم مجھے اسی حال میں رہنے دے اور غیرت کا شحنہ اسکے وجود کو عدم میں رکھے۔ اور قاضی عادل اسکو سوال کے میدان میں نہ بلاوے۔ اور ملائکہ زور آور کو اسپر مقرر نہ کرے۔ اور صحائف منشورہ میں اپنی بد اعمالیوں کو نہ دیکھے۔ اور خازنان دوزخ کے قہر کا خطاب نہ سنے۔ اور زنجیروں اور طوق کے بوجھ کے خوف کو نہ اُٹھاوے۔ اور ریم اور زقوم کی کڑواہٹ نہ چکھے۔ بلکہ وجود کے محافظ اسکے اجزاء متفرقہ کو جمع نہ کریں۔ اور اسکو عریان اور حیران خاک سے نہ اُٹھاویں۔ اور خوف اور حیرت کا صاعقہ اسپر نہ برساویں۔ اور محشر کے موقف میں اسکے افعال کی خرابیوں کو نہ پڑھیں۔ اگر مولا پاک کے دریائے رحمت کا ایک قطرہ اس سرگشتہ کی دستگیری نہ کرلے وہ بیچارہ عذاب ابدی میں گرفتار رہ جاویگا۔ وہاں کوئی ایسا فریادرس نہ ملیگا۔ جو اس کو اس عذاب سے بچاوے۔ اور نہ کوئی ایسا شفیع ہوگا جو اس عذاب کا بوجھ اس سے ہلکا کردے۔ اسکو فضیحت اور رسوائی یہاں تک مجبور کرے گی کہ وہ خوک اور کتے کو اپنے آپ سے ہزار ہا درجہ اچھا سمجھے گا۔ کیونکہ اسدن خوک اور کتے وغیرہ تو حساب کی باز پُرس سے بالکل محفوظ ہونگے۔ گو دنیا میں انکا نام بھی لوگ حقارت سے لیتے ہیں۔ حدیث نبوی میں آیا ہے۔ کہ عاصی بدکار اور بداعمال گنہگار کی بُری صورت اہل عالم کے سامنے پیش کرینگے۔ تمام لوگ اسکے عذاب اور بدصورتی کی دہشت سے مدہوش اور بیہوش ہوجاوینگے۔ اگر لوگ دوزخیوں کی اس بدبو کو سونگھیں تو یکدم سبکے سب مرجاویں۔ اگر اس ریم اور زقوم کا ایک قطرہ جسکو دوزخی پیتے اور کھاتے ہیں۔ دنیا کے دریاؤں میں ڈالا جاوے۔ سب دریا گندے اور کڑوے ہوجاویں۔ یہ حالات جو ہمنے بیان کیے ہیں۔ متوسط بدکاروں کے ہیں۔ جو لوگ اخیری درجہ بدکار ہیں۔ انکا حال تو سب سے بڑا اور بہت ہی بُرا ہے۔ افسوس پھر کیا موقعہ کہ خوشی نزدیک بھی بھٹک جاوے۔ یا اپنے نفس کو کسی دوسرے سے اچھا جانے۔ جملہ انبیا اور اولیاء نے اسی خطرہ

کے مارے حظوظ نفسانی کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی بھلائی کو عدم میں دیکھا تھا۔ اسواسطے رسول علیہ السلام نے باوجود کمال نبوت کے فرمایا ہے۔ یالیت رب مُحمّد لم یخلق محمداً یعنے خواہش ہے کہ محمد کا پروردگار محمد کو پیدا نہ کرتا۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کہ کاش میں گھاس ہوتا تو مجھے قبر میں قید نہ رہنا پڑتا۔ اور قیامت کے خوف اور ہیبت سے بچ جاتا۔

ابو عبیدہ جراح رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ کہ کاش میں گوسفند ہوتا۔ تاکہ مجھے ذبح کر کے کھا جاتے۔ اور میں قیامت میں حاضر نہ ہوتا۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ داؤد علیہ السلام اپنے آپ پہ نوحہ کرتے ہوئے کہتے۔ کہ اے اللہ آپکی رحمت کے آفتاب کی تابش کی تو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے خوف ہے کہ تیرے غضب کی برداشت کسطرح کروں گا۔ یہ حال اُن بہادروں کا ہے جو میدان نبوت کے شاہ سوار اور ولایت کی صفوں کے سردار ہیں۔ ہم بدبخت سیہ روزگار غریبوں کا کیا حال جنکے خوف اور حیرت کا غلبہ طاقت کے اندازے سے باہر ہو گا۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خوف کا غلبہ بھی اسکو ہوتا ہے۔ جس کے دل کی صفائی اور معرفت کمال درجہ پر ہو۔ جو غفلت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہو۔ اور گناہوں کے پردہ میں چھپا ہوا ہو۔ اسکو مطلق نہیں ہوتا۔ افسوس کہ غفلت کے پردہ نے ہمارے دل کی آنکھوں کو اس خطرہ کے ملاحظہ سے پس پردہ ڈالدیا ہے۔ اور مخالفوں کی آگ کے غلبہ نے ہمارے یقین اور سمجھ کے اسباب کو جلا دیا ہے۔ اور شیطانی وسوسوں نے ہماری بے سمجھ عقلوں کے سر پر شہوات نفسانی اور بے فائدہ خواہشوں کی خاک چھان ڈالی ہے۔ اور گناہوں کی کثرت نے

ہماری عزت خاک میں ملادی ہے

نسألُ اللہَ العفوَّ الغفورَ المنّانَ اَنْ یُعامِلَنا بِما ھُوَ اَھلُہٗ وَاَنْ یَستُرَ قبائحَ اَعمالِنا کَما یَقتَضِیہِ کَرَمُہٗ وَ فَضلُہٗ اِنَّہٗ قریبٌ مُجیبٌ۔ والحمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ وَالسَّلامُ علیٰ مَنِ اتَّبعَ الھُدیٰ

حسب فرمائش
شیخ الٰہی بخش محمد
جلال الدین تاجران کتب
لاہور بازار کشمیری

تحت ادارہ
مولوی محمد عبدالرشید
عبدالعزیز
حکیم لاہوری

وَصَلَّی اللہُ تعالیٰ علیٰ رسولِ خیرِ خلقِہٖ محمدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَاَزواجِہٖ وَذُرِّیّاتِہٖ اَجمعینَ

قطعہ تاریخ

از رشحہ قلم مولانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب خوشنویس المتخلص بظفر ساکن کوٹ وارث از غلامان حضرت مولوی شبیر محمد صاحب شرقپوری مدظلہ القوی

فضل خدائے پاک کہ بر ما ہزار ہاست	عاجز ز شکر اوست رعایا و ہم ملوک
از لطف و رحمت است باحوال بندگاں	کاندہخت تحت ظل چنیں دافع شکوک
کز یمن فیض و رشد و ہدایت نہد بسے	تیجان عز بر سر ہر طالب سلوک
منت نہاد بر سر مسترشداں کنوں	فرمود طبع ترجمہ ذخرۃ الملوک
ہست اندرو ذخیرۂ آیات بینات	ہم از حدیثہائے شہ فاتح تبوک
اقوال صالحین و حکایات شاں بسے	ہستند درج بر ہمہ برسند سموک
از دیدنش بدست رسد اہل حال را	کیفیتے کہ وارہد از خدشہ ہلوک
آمد بطبع خوب چو ایں نسخہ ہدے	گویا زدود ظلمت و شد منجلی ضحوک

از روئے وقت ظفر چہ تاریخ کشف کرد
روشن ز سنگ طبع شدہ منہج السلوک
۱۳۴۳ھ

کتبہ تراب اقدام اہل الیقین قمر الدین کان اللہ لہ عادلگڈھی ثم الوزیر آبادی عفا اللہ عنہ

ہمارے کتب خانہ میں ہر ایک علم و فن کی عربی فارسی اُردو کتابیں بغرض فروخت موجود ہیں

گلستانِ مسرّت بزبانِ فارسی

یہ کتاب عرصہ سے کمیاب تھی - اور دس روپیہ کو بھی نہیں ملسکتی تھی - اور شائقین بہت ہی متلاشی رہتے تھے - اسلیئے ہمنے بڑی محنت اور جانفشانی سے قدیمی نسخہ تلاش کر کے اسکو طبع کر دیا ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلےٰ ہے - قیمت صرف عـہ

نان وحلوا فارسی

مصنفہ حضرت بہاؤ الدین صاحب آملی - یہ کتاب کیا ہے - صوفیانِ صفا کیش کی جان کہوں تو بجا ہے اور ایمان کہوں تو روا ہے - ہر ایک شعر اس کتاب کا وجد میں لاتا ہے اور سنگ سی سنگدل کو بھی رولاتا اور تڑپاتا ہے - قیمت ار

مثنوی باقی باللہ صاحب فارسی

شیدایان و عاشقانِ حقیقت کی ضیافت طبع کے واسطے یہ مثنوی چھاپی گئی ہے - ذرا منگا کر ملاحظہ فرمایئے - قیمت ۴ر

کلیّاتِ جامی فارسی

سبحان اللہ مولانا مولوی جامی علیہ الرحمۃ کا یہ مجموعہ جسکو جانبازانِ عشقِ حقیقی جان و دل سے طلب کرتے تھے اب نہایت آب و تاب سے صحیح و خوشخط طبع ہو کر فروخت ہو رہی ہے قیمت عـہ

دیوانِ بیدل معہ نکاتِ بیدل فارسی

یہ دیوان جانبازان عاشقوں کی جان ہے - اسکی مقناطیسی کشش کر انکے دلوں میں خاص کشش پیدا ہو جاتی ہے مگر پہلے اسکی چھپائی میں بہت کچھ نقص رہ گئے تھے اب اس دفعہ ہمنے تمام نقصوں کو رفع کر کے اسکو عمدہ کاغذ پر چھاپا ہے قیمت ۸ر

مراۃ العاشقین یعنی ملفوظاتِ فارسی شمس الحق

معہ غزلیات عجیبہ و سلسلہ منظومہ و عرائس خواجگان - اس عجیب و غریب کتاب میں ذکر صوفیائے کرام علیہم السلام کا ہے عقیدتمندانِ ازلی کے لیئے یہ جان ہے - اور محبوبان لم یزلی کا ذکر خیر اس میں اُن پیارے الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ پڑھتے پڑھتے سنگ سے سنگدل بھی موم کی طرح بہجاتا ہے اور وجد و جذبہ کی حالت طاری ہو جاتی ہے - پختہ نظران تصوف نے اس کتاب کا تصور اپنے نفس میں رکھکر ہادی کامل کا کام اس سے لیا ہے - لکھائی چھپائی اعلےٰ ہے - قیمت صرف ۱۲ار

راز نامہ معہ اصطلاحاتِ تصوّف گداز نامہ و عشق نامہ نظم فارسی

تصنیف لطیف جناب قدوۃ السالکین و زبدۃ العاشقین واصل باللہ حضرت سچو بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ - یہ کتاب لاجواب تصوف کے رنگ سے رنگین ہے - اور مخفی نہ رہے کہ ہر ایک قوم کی جداگانہ اصطلاح ہوتی ہے - جسکو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو کہ انکی اصطلاح سے واقف ہوتے ہیں - حضرات صوفیہ کرام نے بھی اسرار معرفت کو ایسے الفاظوں میں بیان فرمایا ہے کہ انکے ظاہری الفاظ ناواقف کو خلاف شریعت معلوم ہوتے ہیں - اور اپنی نفسانی خواہش اور ناواقفیت اصطلاح کی وجہ سے شریعت غرا سے منحرف ہو کر میدانِ ضلالت اور انانیت و دوئی میں پڑتے ہیں - یہ انہیں لوگوں کے حجاب نفس کا ظہور ہے اسلیئے یہ پاکیزہ کتاب طبع کرائی گئی ہے تاکہ عاشقانِ صادق اپنی پیاس اس کے شعر سے بجھالیویں - کتاب کیا ہے نبات کوزہ ہے جسکی حلاوت روح کو تازگی بخشتی ہے - قیمت صرف ۶ر

مثنوی لبّ لباب فارسی

صوفی منشان و واعظان و عالمان حقیقت آگاہ اس مثنوی کے مدت سے شائق تھے - کیونکہ ڈنکے کی چوٹ کی طرح دنیا کے ہر ایک گوشہ میں مولانا صاحب کی مثنوی شہرہ حاصل کر چکی ہے - اور کیوں نہو خود حضرت صاحب فرماتے ہیں سہ مثنویِ مولویِ معنوی + ہست قرآن در زبانِ پہلوی اصل کتاب میں بسبب طوالت کے کم فہم لوگوں کا مطلب مفقود ہو جاتا تھا - لہذا یہ لب لباب چھاپنے کی ضرورت پڑی - تاکہ واعظین و طالبین کو سہولت رہے - قیمت عـہ

المشتہر شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجرانِ کتب لاہور بازار کشمیری